اقبال اور فارسی شعراء

ڈاکٹر محمد ریاض

اقبال اکادمی پاکستان
۹۰۔بی۔۲۔گلبرگ ۳ ○ لاہور

اِقبال اور فارسی شعرا

ڈاکٹر محمد ریاض

نیشنل کمیٹی برائے صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبال

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰-بی-۲-گلبرگ ۳ ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

ناشر : ڈاکٹر محمد معزالدین
ڈائریکٹر ، اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور

طابع : محمد سعید ، ایم ۔ اے

مطبع : ابراہیم سنز پرنٹرز
یکی گیٹ ، لاہور
فون : ۳۱۰۸۰۴

طبع اول : ۱۹۷۸ء

تعداد : ۱۱۰۰

فہرست مندرجات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	پیش لفظ	۲
۲	تعارف	۱۵
۳	مقدمہ (فارسی شاعری اور اقبال کا اسلوبِ بیان)	۲۶
۴	سبک اقبال	۳۱
۵	عمومی تبصرہ	۳۸
۶	اقبال کی فارسی مثنویاں	۴۱
۷	دو بیتیاں (رباعیات)	۴۲
۸	غزلیات	۴۳
۹	محتزادات	۴۶
۱۰	اقبال کی متفرق اختراعات اور جدتیں	۴۷
۱۱	سبک خراسانی کے شعراء اور اقبال :	
	(۱) فردوسی	۵۵
	(۲) منو چہری دامغانی	۵۷
	(۳) ناصر خسرو	۶۰
	(۴) مسعود سعد سلمان لاہوری	۶۲
	(۵) سنائی غزنوی	۶۴
	(۶) انوری ابیوردی	۷۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
(۷)	خاقانی شروانی	۷۵
(۸)	نظامی گنجوی	۷۷
(۹)	عطار نیشا پوری	۸۲
(۱۰)	خواجہ معین الدین چشتی	۸۹
۱۲	سبک عراقی کے چند شاعر اور اقبال :	
(۱)	رومی (مولوی)	۱۰۰
(۲)	عراقی ہمدانی	۱۵۰
(۳)	سعدی شیرازی	۱۵۴
(۴)	محمود شبستری	۱۶۲
(۵)	بو علی قلندر	۱۶۸
(۶)	امیر خسرو	۱۷۳
(۷)	حافظ شیرازی	۱۷۸
(۸)	جامی	۱۹۱
(۹)	بابا فغانی	۲۰۰
۱۳	دیگر شعراء:	
(۱)	شیخ رکن الدین اوحدی	۲۱۲
(۲)	حضرت شیخ نصیرالدین محمود	۲۱۴
(۳)	امام فخرالدین یحییٰ	۲۱۵
(۴)	شیخ کمال الدین مسعود	۲۱۶
(۵)	جمالی دہلوی	۲۱۶
(۶)	تہماسپ قلی بیگ	۲۱۷
(۷)	کمال الدین وحشی	۲۱۸
(۸)	مولانا ابو سعید	۲۱۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۴	سبک ہندی کے فارسی شعراء اور اقبال :	
	(۱) عرفی شرازی - - -	۲۲۹
	(۲) فیضی فیاضی - - -	۲۳۵
	(۳) نظیری نیشاپوری - - -	۲۳۸
	(۴) ابو طالب کلیم - - -	۲۴۳
	(۵) غنی کشمیری - - -	۲۴۵
	(۶) صائب تبریزی - - -	۲۴۹
	(۷) بیدل عظیم آبادی - - -	۲۵۴
	(۸) غالب - - - -	۲۷۲
۱۵	سبک ہندی کے دیگر شعراء :	
	(۱) غزالی مشہدی - - -	۲۸۷
	(۲) انیسی شاملو - - -	۲۸۷
	(۳) - مولانا حکیم زلالی - - -	۲۸۸
	(۴) ملا محمد ملک قمی - - -	۲۸۸
	(۵) ملا محمد نورالدین ظہوری - -	۲۸۹
	(۶) محمد طالب آملی - - -	۲۹۴
	(۷) اسیر اصفہانی - - -	۲۹۵
	(۸) قدسی مشہدی - - -	۲۹۶
	(۹) رضی دانش - - -	۲۹۶
	(۱۰) ملا فرج اللہ فرج - - -	۲۹۷
	(۱۱) عزت بخاری - - -	۲۹۸
	(۱۲) ملا حسین سعائی - - -	۲۹۹
	(۱۳) ملا احمد فوق یزدی - -	۲۹۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
(۱۴)	مومن استر آبادی	۲۹۹
(۱۵)	ملا طغرا	۳۰۰
(۱۶)	ملا راقم	۳۰۰
(۱۷)	مخلص کاشی	۳۰۰
(۱۸)	ناصر علی سرہندی	۳۰۱
(۱۹)	جویا تبریزی	۳۰۲
(۲۰)	تاثیر تبریزی	۳۰۴
(۲۱)	مخلص سیالکوٹی	۳۰۵
(۲۲)	حزین لاہیجی اصفہانی	۳۰۵
(۲۳)	راسخ سرہندی	۳۰۶
(۲۴)	مرزا مظہر جانجاناں	۳۰۷
۱۶ -	متفرقات :	
(۱)	لطف اللہ بیگ آذر	۳۱۰
(۲)	میر سید عبدالوہاب	۳۱۱
(۳)	قرۃ العین طاہرہ	۳۱۱
(۴)	قاآنی	۳۱۴
۱۷ -	برصغیر کے چند معاصر فارسی شعراء	۳۱۶
۱۸ -	اشاریہ :	
(ا)	اشخاص	۳۲۱
(ب)	کتب و رسائل	۳۵۱
(ج)	اماکن (اسمائے جغرافی)	۳۶۴
۱۹ -	حروف تہجی کے اعتبار سے فارسی شعراء کے اسماء	۳۷۱

ارادت مندانِ اقبالؒ کے نام

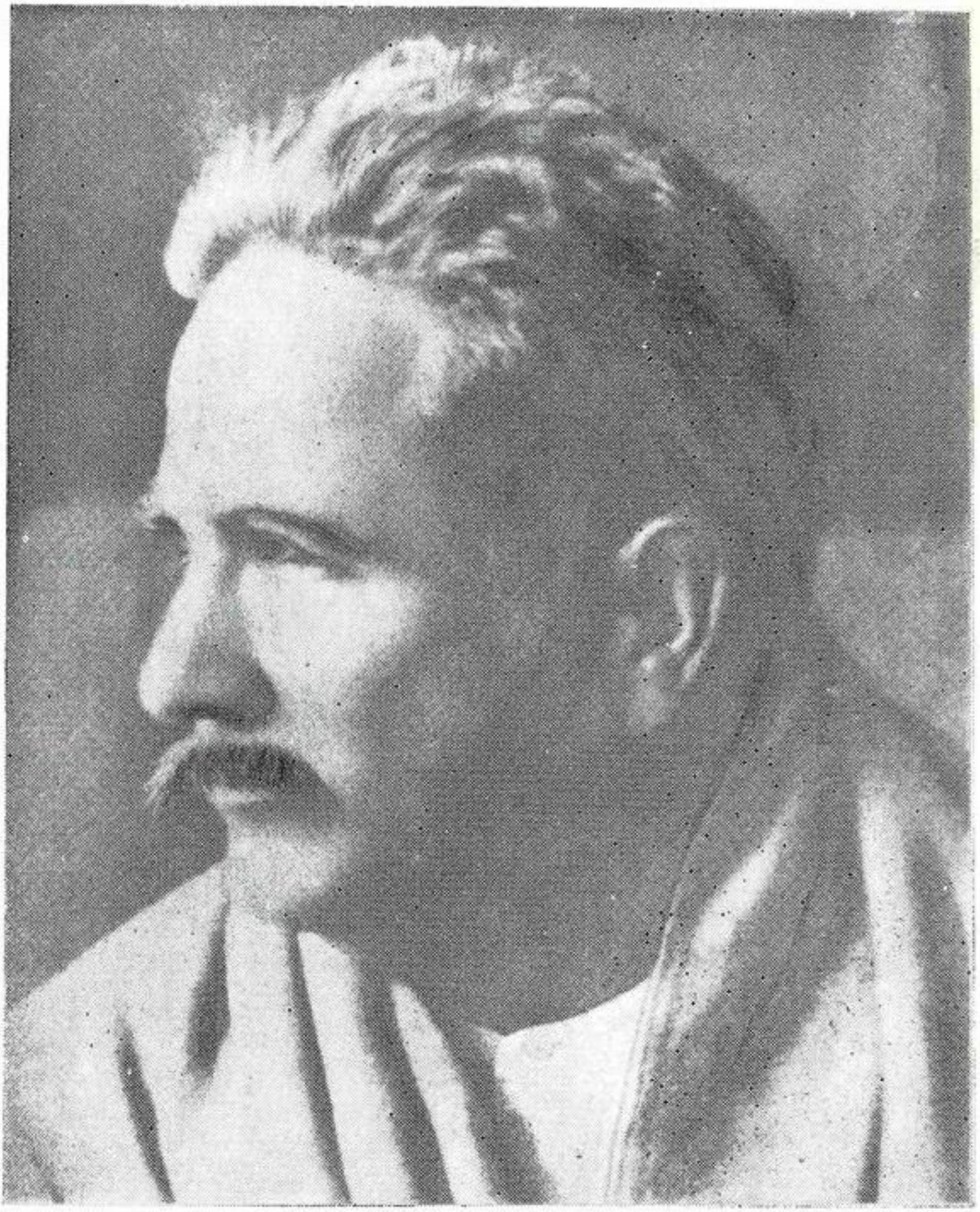

علامہ اقبـــال

(۱۸۷۷ء — ۱۹۳۸ء)

ارادت مندانِ اقبالؒ کے نام

پیشں لفظ

از

پروفیسر سید محمد عبدالرشید فاضل ایم ۔ اے

مغربی تعلیم میں انتہائی سند پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری (ڈاکٹریٹ) سمجھی جاتی ہے اور ہر سال یونیورسٹیوں سے طلبا یہ سند حاصل کرتے رہتے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ اس سند کے حصول کے لیے طالب علم کو ایک دو نہیں سیکڑوں کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے اور مطالعہ بھی سرسری نہیں بڑا گہرا ، دقتِ نظر کے ساتھ ! اور وہ بھی کامل اساتذہ کی رہنمائی میں ! ظاہر ہے یہ نہایت درجہ طاقت آزما اور دماغ سوز کام ہے ۔ مگر یہ سند بھی اپنے اندر ایسی کشش رکھتی ہے کہ اس کے لیے یہ ہفتخواں طے کرنا بھی بڑی بات نہیں سمجھا جاتا ۔ چنانچہ ہمارے ملک کی یونیورسٹیوں کے علاوہ دوسرے ممالک برطانیہ ، امریکہ اور جرمنی وغیرہ سے بھی اس سند کے حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں ہے اور فارسی زبان و ادب میں تو تہران یونیورسٹی سے بھی پی ۔ ایچ ۔ ڈی کرنے والوں کی تعداد خاصی ہو چکی ہے ۔

مگر ان ڈگری حاصل کرنے والوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جو ڈگری حاصل کر لینے کے بعد بھی تحقیق و تلاش اور مطالعۂ کتب میں ویسی ہی دل چسپی رکھتے ہوں جیسی اس کے حصول سے پہلے رکھتے تھے؟ ہمارا اندازہ ہے کہ شاید دو ایک فی صد سے زیادہ نہ ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس تعداد میں ان سند یافتہ حضرات میں اضافہ ہو رہا ہے اس کے دو فی صد کے بقدر بھی ایسے مقالات و تصانیف دیکھنے میں نہیں آتیں جو اس مرتبۂ علم کے شایانِ شان ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تصنیف و تحقیق کا کام یا تو وہ شخص کرتا ہے جس کو اس کا ذوق قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا ہو یا وہ جس کو علمی ماحول میں پرورش پانے اور رہنے سہنے سے، اثر صحبت کی بنا پر، اس کام سے ایسی دل چسپی پیدا ہو گئی ہو کہ وہ اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا اور جن لوگوں کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں ان کا تو کہنا ہی کیا ہے! دیکھنے میں آیا ہے کہ جو لوگ بالطبع یہ ذوق رکھتے ہیں وہ خواہ کوئی اعلیٰ ڈگری حاصل نہ کرسکے ہوں مگر ان کی علمی و ادبی تخلیقات اچھے اچھے اعلیٰ سند یافتہ لوگوں کو بھی حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ اس کے برخلاف جو لوگ فطرۃً یا اکتساباً اس ذوق سے بہرہ ور نہ ہو سکے ہیں وہ بڑی سے بڑی سند رکھنے کے باوجود بھی کوئی غیر معمولی تخلیقی کام نہیں کر سکتے۔ اور اگر کسی وقتی تقاضے یا اتفاق سے کچھ کر لیتے ہیں تو اس میں بڑی خامی اور بے ربطی نظر آتی ہے۔

غرضکہ اس وقت اپنی فطری یا اکتسابی صلاحیتوں سے کام لے کر جو لوگ ملک و قوم کے علمی سرمایے میں گراں قدر اضافہ کر رہے ہیں انھیں میں پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض بھی ہیں۔ یہ جوان سال پروفیسر تہران یونیورسٹی کے فارسی زبان و ادب کے پی۔ ایچ۔ ڈی

ہیں اور اس حُسنِ اتفاق بلکہ تائید ایزدی کو دیکھیے کہ جس یونیورسٹی سے انھوں نے یہ اعلیٰ سند حاصل کی ہے آج اسی میں پروفیسر کی حیثیت سے درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ریاض صاحب نے جس محنت اور دماغ سوزی اور لگن کے ساتھ اپنا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ (Thesis) تیار کیا تھا اسی کوشش و کاوش اور داچسپی کے ساتھ وہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھی تحقیقی کام میں مصروف ہیں اور دسیوں گراں ارز مقالے لکھ چکے ہیں جن میں سے بعض کا حوالہ خود انھوں نے اپنے اس مقالے کے حواشی میں جا بجا دیا ہے۔ بلکہ ڈگری لینے سے بھی بہت پہلے کالج اور یونیورسٹی کے زمانۂ طالب علمی ہی سے ان کے جوہر نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان کے اس زمانے کے مضامین بھی ملک کے مشہور رسائل و اخبارات کی زینت بنتے اور صاحبانِ علم و ادب سے خراجِ تحسین حاصل کرتے رہے ہیں۔ اور یہ باتیں دلیل ہیں اس امر کی کہ ریاض صاحب کو یہ ذوق قدرت کی طرف سے ملا ہے اور اُن کے علمی ماحول نے جس میں وہ بڑھے اور پروان چڑھے ہیں ان کے اس ذوق کو اور زیادہ کر دیا ہے۔ ریاض صاحب کے اشہب خامہ نے کسی خاص موضوع کے حدود ہی میں اپنی جولانی نہیں دکھائی ہے بلکہ علم و ادب کے گوناگوں موضوعات کے وسیع میدانوں کو اپنی جولاں گاہ بنایا ہے۔ البتہ اقبال کا جو وسیع مطالعہ کیا ہے اور ان کے فکر و فن اور فلسفہ و تعلیمات پر جو کچھ لکھ چکے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے اگر ان کو ماہرین اقبالیات میں شمار کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اقبال کے فلسفہ و شعر اور ان کے پیغام کے مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور برابر لکھا جا رہا ہے۔ کسی نے 'اقبال

شاعری کے بارے میں ایک جامع بیان ہے جس میں ان کی مثنویوں اور غزلوں سے متعلق ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اور اس ذیل میں اقبال کی دو بیتیوں (رباعیات) کے بارے میں بڑی مفید معلومات فراہم کی ہیں - پھر اقبال کے اختراعات کا بیان ہے اور ان ابتدائی مباحث کے بعد اصل کام شروع ہوتا ہے ، یعنی متر (۷۰) شعرا کو فارسی کے مختلف اسالیب پر تقسیم کرکے یہ بتایا ہے کہ ان میں سے کتنے کس اسلوب سے تعلق رکھتے ہیں اور کتنے کس سے - پھر ان کے زمانے کے مطابق ان کا حال اور ان کے کلام کے بارے میں اظہارِ خیال کرنے کے بعد اُن کے وہ اشعار نقل کیے ہیں جو اقبال کے کلام میں مذکور ہوئے ہیں اور جو کچھ اقبال نے ان اشعار کے بارے میں فرمایا ہے اُس پر روشنی ڈالی ہے . مگر ریاض صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان اشعار کے مآخذ کو دواوین میں تلاش کرکے وہاں سے ان اشعار کے سلسلے کے باقی اشعار کو بھی نقل کردیا ہے - بلکہ کمال یہ کیا ہے کہ جہاں کسی شاعر کا شعر تو کیا کوئی مصرع بھی اقبال کے ہاں نہیں ہے مگر شاعر کے کسی کلام کے ساتھ اقبال کی کسی نظم یا غزل کا تشابہ نظر آ گیا ہے تو اقبال اور اُس شاعر کے وہ باہم متشابہ اشعار نقل کر دیے ہیں - ظاہر ہے یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس نے ادبیات فارسی کا ہمہ گیر مطالعہ کیا ہو اور شعراء کا بیشتر کلام اور اُن کے اسالیب اس کو مستحضر بھی ہوں - اس سلسلے میں جویا تبریزی اور اقبال کا ہم رنگ (صوری اعتبار سے) کلام ملاحظہ فرما لیجیے - اس ضمن میں ریاض صاحب نے بعض ایسے حقائق بھی بیان کیے ہیں جن تک ادبیات فارسی کے عام تو عام خاص مطالعہ کرنے والوں کی نظریں بھی کم ہی پہنچتی ہیں - مثلاً :

جاوید نامے میں جہاں زندہ رود (اقبال) نے ناصر خسرو کا ذکر کیا ہے اس سلسلے میں ریاض صاحب کا یہ فرمانا کہ :

"زندہ رود نادر شاہ افشار سے ہم کلام ہوا اور معاً ناصر خسرو کی روح نمودار ہوئی اور شعر پڑھے ۔ شاعر کی لطافتِ طبع ملاحظہ ہو کہ ناصرخسرو کو جسماً بادشاہ کے ہاں ظاہر نہیں کیا ۔ ناصرخسرو نے چونکہ کسی بادشاہ کی مدح نہیں لکھی اور مسائلِ حیات کو 'دین' کے نقطۂ نظر سے دیکھتا رہا ، اس لیے اس سیاق میں اس کی روح کا نمودار ہوکر شعر پڑھنا ، دین و اخلاق کی تعلیم دینا اور بغیر کسی تبصرے کے غائب ہو جانا بڑا معنی خیز ہے ۔ گویا ناصر خسرو کی روح وطینت کے صنم کو پاش پاش کرنے اور رجوع الی الدین کی دعوت دے رہی ہے ۔"

یا یہ بات کہ :

" معنوی اعتبار سے عطار اور اقبال کے ہاں 'شیطان' کے ذکر کا ایک خاص پہلو حیرت انگیز طور پر متشابہ ہے ۔ عطار نے یوں تو 'منطق الطیر' اور 'مصیبت نامہ' میں بھی شیطان کا ذکر ہمدردانہ انداز میں کیا ہے مگر 'الٰہی نامہ' کا مقالۂ ہشتم اس ضمن میں زیادہ قابلِ توجہ ہے ۔ اقبال نے شیطان کے موحد ہونے اور اس کے طالبِ فراق ہونے میں مقاومانہ کشمکش کے لیے اس کی اہمیت کے بارے میں کافی لکھا ہے ۔ اقبال نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیطان ، صاحبانِ عمل اور اہلِ دل سے نبرد آزمائی کرتا ہے اور کمزور ایمان والے افراد کو وہ منہ بھی نہیں لگاتا ۔ اس کے علاوہ انکار شیطان کے طلسم اور شیطان کی صوری قربت کے بارے میں بھی انھوں نے کافی لکھا ہے ۔"

یا یہ کہ :

فغانی اور اقبال دونوں 'گلِ لالہ' کو پسند کرتے ہیں ، اور اس مشابہت کے ثبوت میں دونوں کے کلام میں بکثرت اس قسم کے اشعار نقل کرکے جن میں گل لالہ کے ساتھ تعلق ظاہر ہوتا ہے اس بات کو ثابت کرنا ۔ اس طرح اور بھی اس قسم کے حقائق کے چہرے سے پردہ اٹھایا ہے ۔

لیکن ایک بات کو دل نے قبول نہیں کیا :

عطار روح بود و سنائی دو چشمِ او
ما از پے سنائی و عطار آمدیم

اس شعر کو جو مولانا روم کے صاحبزادے ، سلطان ولد کا بتایا ہے اور ثبوت میں سلطان ولد کے اشعار بھی نقل کیے ہیں اور دیوانِ سلطان ولد مطبوعہ تہران کا حوالہ بھی دیا ہے ۔ غرضکہ ریاض صاحب نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے ۔ اس کے باوجود بھی اس شعر کو مولانا روم کے بجائے سلطان ولد کے ساتھ منسوب کرنا بہت سی وجوہ سے درست نہیں معلوم ہوتا ۔ اول یہ کہ تواتر روایت مولانا کے حق میں ہے ، بلکہ درایت بھی ، کیونکہ داخلی شہادت کے مقابلے میں خارجی شہادت کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ۔ اور داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ شعر بہ نسبت سلطان ولد کے مولانا روم پر زیادہ صادق آتا ہے کہ سنائی و عطار کے بعد مولانا ہوئے ہیں نہ کہ سلطان ولد ۔ پھر اس شعر کو اگر سلطان ولد کے ساتھ منسوب کیا گیا تو اس سے خود سلطان ولد پر یہ حرف آئے گا کہ انھوں نے اپنے ایسے گرامی مرتبت باپ کو نظر انداز کرکے سنائی اور عطار کے بعد کے مقام پر خود قبضہ کر لیا ہے ۔ دوم یہ کہ ایک شاعر کا

کلام دوسرے شاعر کے ساتھ منسوب ہوجانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ایک شاعر کے کلام کی دوسرے شاعر کے مجموعۂ کلام میں نکلنے کی کتنی ہی مثالیں موجود ہیں۔ ایسی صورت میں بعد کے لوگوں کا یہ کام ہونا چاہیے تھا کہ وہ کسی ایسی گم شدہ متاع کو پائیں تو اس کو اس کے اصل مالک کی طرف لوٹا دیں مگر اُن کو ایسا کرنے میں اپنی تحقیق کا نقصان نظر آیا اس لیے انھوں نے اس متاع کو اُسی کا مال قرار دے دیا ہے جس کو وہ پائی تھی یا جس نے اس کو ہتھیا لیا تھا۔ سوم یہ کہ ممکن ہے مولانا نے کسی وقت جوشِ عقیدت میں سنائی اور عطار کی تعریف میں یہ ایک ہی شعر کہا ہو اور اُن کے بیٹے سلطان ولد نے اس پر چار اشعار کا اضافہ کرکے اس کو تضمین کر لیا ہو اور پھر وہی تضمین اُن کے دیوان میں رہ گئی ہو۔ جو اشعار نقل کیے ہیں اُن کی موجودہ صورت بھی تضمین کی غمازی کر رہی ہے۔ بہرحال یہ تو مقطع میں آ پڑی تھی سخن گسترانہ بات۔

کام کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ کام پاکستان میں بیٹھ کر کیا جاتا تو بڑی مشکلات پیش آتیں اور اگر ان مشکلات پر قابو پا لیا جاتا تب بھی شاید اس موضوع پر لکھنے کا حق ادا نہ ہوتا کہ اول ستر شعرا کا کلام مکمل طور پر یہاں دستیاب نہ ہوتا اور دستیاب ہو جاتا تو اس کو اس طرح مختلف اسالیب کے ساتھ متعلق کرنا آسان نہ تھا۔ اور بالفرض یہ کام بھی کسی طرح انجام پا جاتا تو اس کے مستند ہونے کی ضمانت کیا تھی؟ اس لیے قدرت نے یہ کام ایسے شخص سے لیا جو تہران یونیورسٹی کا پی۔ ایچ۔ ڈی ہے اور اُس کو تہران میں بیٹھ کر ہی اِس کام کے کرنے کا موقع مل گیا ہے جہاں اس کی تکمیل کے لیے جملہ اسباب میسر ہیں۔ شعرا کا مکمل کلام بھی اور ان کی دوسری تصنیفات بھی موجود ہیں۔

فارسی شاعری کے مختلف اسالیب کی تحقیق بھی اہلِ زبان کے تعاون سے ممکن ہے۔ اس کے علاوہ اس مقالے کے بعض دوسرے تضمنات کی تحقیق بھی جیسی فارسی کے گھر میں بیٹھ کر ہو سکتی ہے ویسی اس گھر سے باہر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ میرے اس خیال کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے جو صاحبِ مقالہ کو اِس مقالے سے متعلق پیش آیا۔ وہ فرماتے ہیں :

"اقبال اور فارسی شعراء" کے عنوان پر لکھنے کی تحریک و تشویق ، اقبال اکادمی پاکستان کے فاضل اقبال شناس نائب صدر ، سید عبدالواحد صاحب معینی کی مرہونِ منت ہے۔ موصوف نے مئی سن ۱۹۷۰ع میں مجھے ایسی کتاب لکھنے کو کہا اور تقریباً ایک سال بعد مئی ۱۹۷۱ع میں راقم الحروف نے اس کا مسودہ تیار کر لیا اور اکادمی کے اُس وقت کے ناظم ڈاکٹر محمد عبدالرب کے حوالے کر دیا۔ خیال تھا کہ اکتوبر ۱۹۷۱ع میں ایرانی شہنشاہیت کی ۲۵۰۰ سالہ تقاریب کے سلسلے میں شاید چھپ جائے۔ مگر بدقسمتی سے مسودہ ایسا گم ہوا کہ اکادمی کے قائم مقام ناظم جناب عبدالحمید کمالی کی بہترین کوششوں کے باوجود بھی اس کا سُراغ نہ مل سکا۔ مجبوراً کوئی تین سال قبل پھر کچھ اسلام آباد میں بیٹھ کر لکھنا شروع کیا تھا جس کو اب تہران میں لکھنا پڑا۔ مسودے کی نقل پاس نہ رکھنے کی یہ سزا قابلِ افسوس نہیں بلکہ مجھے خوشی ہے کہ قیامِ تہران کے دوران اس مسودے کی تبییض میں کئی مشکلات حل ہوگئیں۔"

غرضکہ یہ مقالہ ایک ایسا مرقع ہے جس میں ستر شاعروں کو سجایا

گیا ہے اور اس خوبصورتی سے سجایا ہے کہ اُن کے اور ان کی شاعری کے خد و خال اور نقش و نگار نہایت واضح اور نمایاں طور پر سامنے آ گئے ہیں۔ بلکہ مرقع نگار نے بڑی چابکدستی اور صناعی سے اُن تمام پہلوؤں کو بھی جو خصوصی اہمیت کے مالک تھے، منظرِ عام پر لانے کی نہایت کامیاب کوشش کی ہے۔ اور ساتھ ہی اقبال اور ان شعرا کے درمیان بعض مشترک اور متشابہ خصوصیات کا بھی ایسا بیان ہو گیا کہ باید و شاید۔

ڈاکٹر ریاض نے اس مقالے پر جو مجھ سے 'پیش لفظ' لکھنے کی خواہش کی، یہ محض اپنی عقیدت مندی کا مظاہرہ کیا ہے ورنہ یہ کام بھی کسی ایسے شخص کے کرنے کا تھا جو زبان و ادب فارسی کا ماہر اور نقد و نظر کے اصول سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہو اور خود بھی اعلیٰ درجے کا شاعر اور انشاپرداز ہو۔ تاہم میں نے تعمیلِ فرمائش کی ہے اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھا ہے کہ اس عقیدت مندی سے متاثر ہو کر میرے قلم پر کوئی بے جا تعریف نہ آ جائے۔ بلکہ سچ پوچھیے تو اس کج دار و مریز نے بعض اُن جذبات کو بھی ظاہر نہ ہونے دیا جو ایسے اعلیٰ درجے کے مقالے کو پڑھنے کے بعد میرے دل کی گہرائیوں میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی تعریف و توصیف کے لیے موجزن ہوئے تھے۔ بہرحال خدا سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر ریاض کی اس کوشش کو مشکور فرمائے اور اُن کے اس تحقیق و مطالعہ کے شوق میں روز افزوں ترقی کرے۔

احقر العباد

سید عبدالرشید فاضل، ۲۳ جون ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

فارسی زبان کے شاعر کی حیثیت سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی بین‌الاقوامی شہرت اس وقت شروع ہوئی جب ۱۹۲۰ء میں آنجہانی پروفیسر نکلسن نے ان کی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ لندن سے شائع کیا ۔ اسرار خودی پہلی بار ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی ۔ سر شیخ عبدالقادر مرحوم نے 'بانگِ درا' کے دیباچے میں لکھا ہے کہ ۱۹۰۵ء میں لندن جانے سے قبل اقبال نے فارسی میں ایک آدھ شعر ہی کہا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک ان کے کہے ہوئے فارسی اشعار میں سے کم از کم ایک سو ہنوز محفوظ ہیں[1] ۔ ان اشعار کو علامہ مرحوم و مغفور نے گو اپنے منتخب مجموعہ ہائے کلام میں جگہ نہ دی ، مگر اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ فارسی گوئی کو انھوں نے عنفوانِ شباب ہی میں شروع کر دیا تھا ۔

فارسی گوئی یا فارسی نویسی ، برصغیر کے لوگوں کے لیے کوئی نئی بات نہیں ۔ یہ زبان چوتھی صدی ہجری میں یہاں وارد ہوئی ، صدیوں تک یہاں کی سرکاری اور ہمہ گیر زبان رہی ۔ اہل نظر کو اس زبان کی برصغیر میں ادبی و ثقافتی اہمیت کا اب تک اعتراف اور

---

۱ ۔ باقیات اقبال (طبع ثانی)

احساس ہے - اس کے باوجود عصر اقبال (۹ نومبر ۱۸۷۷ء - ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء) میں اس زبان کی ادبی روایات کا احیاء کرنا اور اسے افکار و نظریات کی نشر و اشاعت کے لیے استعمال کرنا ، کوئی معمولی بات نہ تھی - ۱۸۳۴ء میں سرکاری زبان کے طور پر اس زبان کی جگہ انگریزی نے لے لی اور علوم مشرقی کے فضلاء بے قدری کا شکار ہونے لگے - اسی انیسویں صدی کے اواخر میں سرسید احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کو انگریزی زبان اور جدید یورپی علوم سیکھنے کی پالیسی پر گامزن کرنے کی سرگرم کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے - اس معقول کوشش کے نتیجے میں مسلمانوں کی خراب حالت بہتر ہونے لگی- ایسے حالات میں فارسی کی ترویج کے لیے لوگوں کو کون متوجہ کرتا اور کیوں کرتا ؟ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں اور برصغیر کے دیگر باشندوں کو وقتی طور پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا - چند سال بعد عظیم مغلیہ سلطنت کا ٹمٹاتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا اور مسلم ریاستیں یکے بعد دیگرے ، انگریزی استعمار میں مدغم کی جانے لگیں - یہ وہ دور ہے جب مرزا اسداللہ خان غالب ایسا بے بدل و کم نظیر شاعر بے قدری اور کس مپرسی کا شکار رہا - بنا بریں، اس زمانے میں جن خال خال افراد نے فارسی گوئی یا فارسی نویسی کی طرف توجہ مبذول رکھی ، وہ اپنے ذوقِ طبع کے تقاضے کو پورا کرتے رہے ورنہ ظاہر ہے کہ برِصغیر میں اب اس زبان کے لیے کوئی داخلی یا خارجی کشش باقی نہیں رہی تھی -

فارسی کی کساد بازاری بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں مزید بڑھ چکی تھی - ان حالات میں اقبال کی یہ جرأت ملاحظہ ہو کہ انھوں نے اپنے معجز نظام کلام کا تقریباً دو تہائی حصہ اسی زبان

میں لکھا اور اس طرح اپنی اعجاز نفسی سے ہمارے یہاں اس زبان کا احیاء کر دیا ۔ اقبال فہمی کی خاطر ، تداول فارسی ضروری سمجھا جانے لگا ۔ چنانچہ کتنے ہی ایسے حضرات نظر آئیں گے جو صرف تفہیم اقبال کی خاطر فارسی پڑھتے ہیں ۔

اقبال کی فارسی گوئی کی وجوہ کے بارے میں کافی لکھا جاتا رہا ہے اس لیے ہم یہاں صرف اشارہ کرکے گزر سکتے ہیں ۔ دو اساسی وجوہ سر شیخ عبدالقادر نے دیباچۂ بانگِ درا (۱۹۲۴ع) میں بیان فرمائی ہیں ۔ پہلی وجہ ان کے الفاظ میں یوں بیان ہوئی ہے :

"... جوں جوں ان کا مطالعہ علمِ فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلہ میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھالنا آسان نہیں ، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے ۔"

خود اقبال نے اس امر کی یوں تائید کی ہے :

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است
طرزِ گفتار دری شیرین تر است
فکر من از جلوہ اش مسحور گشت
خامۂ من شاخ نخل طور گشت
پارسی از رفعت اندیشہ ام
در خورد با فطرت اندیشہ ام[۲]

---

۲ ۔ مثنوی اسرار خودی ، تمہید

دوسری وجہ بھی ہم اسی محسن اردو کے الفاظ میں نقل کیے دیتے ہیں :

"۔ ۔ ۔ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا میں جہاں فارسی کم و بیش متداول ہے، اقبال کا کلام اس ذریعہ سے پہنچ گیا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابلِ قدر مصنف کا حال معلوم ہوا۔"

اقبال اپنے فارسی ذریعۂ ابلاغ پر 'پیام مشرق' میں یوں اظہار مسرت فرماتے ہیں :

عجم از نغمہ های من جوان شد
بسودایم متاعِ او گران شد
هجومی بود ره گم کرده در دشت
ز آواز درایم کاروان شد
عجم از نغمہ ام آتش بجان است
صدای من درای کاروان است
حدی را تیز تر خوانم چو عرفی
که ره خوابیده و محمل گران است
نوای من به عجم آتش کهن افروخت
عرب ز نغمۂ شوقم هنوز بی خبر است
ز جان بیقرار آتش گشادم
دلی در سینۂ مشرق نهادم
گل او شعله زار از نالۂ من
چو برق اندر نهاد او فتادم

اپنے ایک خط میں اقبال نے ایران اور فارسی شاعری سے اپنی مناسبت طبع کا ذکر فرمایا ہے۔[۳] غلام قادر گرامی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں :-

"فارسی کی طرف میلان زیادہ ہوتا جاتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ دل کا بخار اردو میں نکال نہیں سکتا۔"[۴]

اسکول اور کالج میں ایک اختیاری مضمون کے طور پر اقبال نے عربی زبان لے رکھی تھی - عربی میں وہ یونیورسٹی امتحانات میں اول بھی رہے ، مگر جیسا کہ اسد ملتانی مرحوم نے علامہ کی گفتگو نقل فرمائی ، فارسی سیکھنے کی خاطر انھوں نے بہت زیادہ محنت کی تھی :

". . . لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ اقبال کو فارسی کیوں کر آ گئی جب کہ اس نے اسکول یا کالج میں یہ زبان نہیں پڑھی ؟ انھیں یہ معلوم نہیں کہ میں نے فارسی زبان کی تحصیل کے لیے اسکول کے زمانے میں ہی کس قدر محنت اٹھائی اور کتنے اساتذہ سے استفادہ کیا۔"[۵]

شمس العلماء سید میر حسن رضوی مرحوم سے ان کا شرف تلمذ مشہور ہے - انھوں نے کئی دوسرے فاضل اساتذہ سے بھی استفاضہ کیا تھا۔[۶] مستشرقین میں اقبال ، براؤن اور نکلسن ایسے صاحب نظروں

---

۳ - اقبال نامہ نمبر ۲ ص ۱۶۳
۴ - مکاتیب اقبال بنام گرامی ص ۹۹ ۵ - اقبال نامہ نمبر ۱ ص ۳۴۳
۶ - راوی ، صد سالہ اقبال نمبر اپریل ۱۹۷۳ء - مقالہ : اقبال اور گورنمنٹ کالج لاہور - سید عابد علی عابد مرحوم نے اقبال کے درس میں شامل مندرجہ ذیل فارسی کتب کی فہرست دی ہے - اسکندر نامہ نظامی ، بوستان و گلستان ، انوار سہیلی اور تصانیف ظہوری - (شعر اقبال صفحہ ۶۵) -

کے دوست تھے ۔ معاصرین میں سے انھوں نے فارسی زبان و ادب کے بارے میں بیشتر مشورے مولانا غلام قادر گرامی اور مولانا سید سلیمان ندوی سے کیے ہیں ۔[۷] استناد و استشہاد کی خاطر وہ 'بہار عجم' نامی لغت[۸] کا بیشتر حوالہ دیتے رہے ۔ افغان فضلاء میں اقبال کے ساتھ خصوصی روابط ڈاکٹر سردار صلاح الدین سلجوقی کے تھے ۔ اقبال نے ان کی ادب دوستی ، عربی دانی اور خاقانی شروانی سے خصوصی لگاؤ کا ذکر بھی فرمایا ہے ۔[۹] ایرانیوں میں قابل ذکر علامہ شیخ عبدالعلی تہرانی تھے ۔ آپ مدتوں لاہور میں رہے اور اقبال کبھی کبھی ان کے حلقۂ بحث و مباحثہ یا علم جفر کی محفلوں میں شریک ہوتے رہے ۔ اپنے ایک مکتوب ، بنام آنجہانی مہاراجہ سرکشن پرشاد میں علامہ نے لکھا ہے :

"... کبھی کبھی ان (علامہ شیخ عبدالعلی تہرانی) کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں ... یہ آدمی دیکھنے کے قابل ہے ۔"[۱۰]

مندرجہ بالا چند باتیں اقبال کی فارسی زبان و ادب سے وابستگی کے بارے میں لکھی گئیں کہ تحقیقی مطالعے کا تقاضا یہی ہے ورنہ فارسی زبان و ادب میں اقبال کا تبحر اور شاعری میں ان کا مقام امامت ، اس خلاق طبیعت اور وقاد ذہن کا مرہون منت ہے جو خالق کائنات نے انھیں عطا فرمایا تھا ۔ اس پر مستزاد وہ خدا داد فکر جس نے عالم تفکر کے

---

۷ - مکاتیب اقبال بنام گرامی اور اقبال نامہ نمبر ۱ ، ۲

۸ - مؤلفہ ٹیک چند بہار (تالیف ۱۱۵۲ھ بعمر ۵۳) یہ لغت ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں مطبع نولکشور سے دو جلدوں میں چھپا تھا ۔ (جلد ۱ صفحات ۴۸۵ اور جلد ۲ صفحات ۵۱۵) ۔

۹ - گفتار اقبال "علامہ اقبال جنوبی ہند میں"

۱۰ - سہ ماہی صحیفہ ، اکتوبر ۱۹۷۳ء : مقالہ از محمد عبداللہ قریشی ۔

بڑے بڑے قہرمانوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ زبور عجم (حصہ دوم) میں ان کی مندرجہ ذیل تعلیاں ، حقیقت سے خالی نہیں ہیں :

من آن جہان خیالم کہ فطرت ازلی
جہان بلبل و گل را شکست و ساخت مرا
نفس بہ سینہ گدازم کہ طائر حرمم
توان ز گرمئی آواز من شناخت مرا
شکست کشتیٔ ادراک مرشدان کہن
خوشا کسی کہ بدریا سفینہ ساخت مرا

اقبال نے فارسی شاعری بڑے انکسار و اعتذار کے ساتھ شروع کی تھی۔ اسرار خودی کی تمہید کا یہ شعر بہت مشہور ہے :

ہندیم از پارسی بیگانہ ام
ماہ نو باشم تہی پیمانہ ام

انکساری رنگ لائی اور ان کا کلام چہار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ فارسی میں وہ اس قدر جذب و انجذاب کی قوت حاصل کر گئے کہ اپنی شاہکار تالیف 'جاوید نامہ' میں وہ یوں محسوس کرتے نظر آتے ہیں کہ گویا اہل مریخ بھی یہی زبان بولتے ہیں۔ ایک مریخی منجم کے ذکر میں فرماتے ہیں :

آدمی را دید و چون گل بر شگفت
در زبان طوسی و خیام گفت
پیکر گل آن اسیر چند و چون
از مقام تحت و فوق آمد برون
خاک را پرواز بی طیارہ داد
ثابتان را جوہر سیارہ داد

نطق و ادراکش روان چو آبجو
محو حیرت بودم از گفتار او
این همه خواب است یا افسونگری
برلب مریخیان حرف دری !

اقبال کے تتبعات

اخذ و اقتباس دنیا کا متداول اصول ہے جس سے کسی کو بھی انکار کا یارا نہیں ہو سکتا ۔ یہاں ہمیشہ ایک چراغ کے ذریعے دوسرے چراغ جلتے رہے ہیں ۔ اقبال کا فکر و فن بے نظیر اور کم عدیل ہے اور اس امر کا ایک جہاں کو اعتراف ہے مگر تصانیف اقبال دیکھیں تو نظر آئے گا کہ انھوں نے متعدد شعرائے فارسی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان میں سے بعض کے فکر یا فن کی عظمت کا اعتراف فرمایا ہے ۔ یہ اعتراف ، اقبال کی عظمت کو دوبالا کر دیتا ہے ۔ علامہ اعتراف حقیقت اور شکریہ ادا کرنے میں معروف رہے ہیں ۔ اکثر موقعوں پر انھوں نے اجتہادی معانی خود پیدا کیے یا کوئی اور ابداع دکھایا مگر ادنٰی تشابہ کی بنا پر، دوسروں کی عظمت کا ذکر بھی فرما دیا ۔ فارسی شعراء میں سے ستر کے لگ بھگ شعرا تصانیف اقبال میں مذکور ملتے ہیں ۔ ضروری نہیں کہ ان سب نے علامہ پر کوئی اثر ڈالا ہو ۔ اس زمرے میں معدودے چند ہی نظر آئیں گے مگر خذ ما صفا و دع ما کدر کے زرین اصول کے مطابق ، علامہ نے ان شعراء کا کوئی نہ کوئی اثباتی یا منفیانہ تاثر پیش کیا اور ان کا نام لیا ہے ۔ علامہ کے تاثرات کبھی بلا واسطہ رہے اور کبھی بالواسطہ ۔ کبھی ان کی تصانیف سے آپ براہ راست اثر لیتے رہے مگر کبھی لغت وغیرہ کی وساطت سے ضمنی نوعیت کا ۔ ہماری یہ مختصر کتاب ان اثرات کو اجاگر کرے گی ، انشاء اللہ ۔

جملہ معترضہ کے طور پر عرض کر دیں کہ اقبال نے لاہور اور لندن میں معاشیات ، فلسفہ ، تاریخ ، انگریزی اور عربی کی تدریس کی ۔ انھوں نے لندن میں پروفیسر آرنلڈ کی رخصت کے دوران چھ ماہ تک عربی پڑھائی تھی جبکہ گورنمنٹ کالج اور اورینٹل کالج لاہور میں دیگر مضامین کی تدریس کا سلسلہ آپ نے کئی سال تک جاری رکھا ۔ اقبال مذکورہ مضامین نیز اردو و فارسی کے اعلیٰ امتحانات کے ممتحن بھی بنتے رہے مگر بادی النظر میں فارسی سے ان کا اتنا تعلق نظر نہیں آتا جتنا کہ ان کی تصانیف کا تقاضا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی زبان و ادب کا ان کا مطالعہ حیرت انگیز حد تک وسیع تھا ۔ کتنے ہی اساتذہ کے دواوین اور کلیات ان کی نظر سے گزرے ۔ ان میں قدیم و جدید ہر قسم کے شعراء ہیں ۔ ان میں معروف شاعر بھی ہیں اور گمنام بھی ۔ حکیم الامت کا ایک ایک لفظ چونکہ ہمارے لیے حرز جان بنانے کے لائق ہے ، اس لیے قارئین کرام اتفاق فرمائیں گے کہ تصانیف اقبال میں مذکور سب شعراء سے کسی قدر متعارف ہونا ، اور اقبال کے ساتھ ان کے صوری یا معنوی ارتباطات کا مطالعہ کرنا ، اقبال دانوں اور اقبال شناسوں کے لیے خاص طور پر اور عام فضلاء کے لیے عام طور پر بے حد ضروری ہے ۔ اس سے اقبال کے فکر و فن کے اطراف و جوانب نمایاں ہوں گے ، اور ان اوراق میں یہی کچھ دکھایا گیا ہے ۔

'اقبال اور فارسی شعراء' کے عنوان پر لکھنے کی تحریک و تشویق اقبال اکادمی پاکستان کے فاضل اقبال شناس نائب صدر ، سید عبدالواحد معینی کی مرہون منت ہے ۔ موصوف نے مئی ۱۹۷۰ع میں مجھے ایسی کتاب لکھنے کو کہا اور تقریباً ایک سال بعد مئی ۱۹۷۱ع میں راقم الحروف نے اس کا مسودہ تیار کر لیا اور اکادمی کے اس وقت

کے ناظم ڈاکٹر محمد عبدالرب کے حوالے کر دیا ۔ خیال تھا کہ اکتوبر ۱۹۷۱ع میں ایرانی شاہنشاہیت کی ۲۵۰۰ سالہ تقاریب کے سلسلے میں شاید یہ چھپ جائے مگر بدقسمتی سے مسودہ ایسا گم ہوا کہ اکادمی کے قائم مقام ناظم جناب عبدالحمید کمالی کی بہترین کوششوں کے باوجود اس کا سراغ نہ مل سکا ۔ مجبوراً کوئی ۴ سال قبل جو کچھ اسلام آباد میں بیٹھ کر لکھا تھا ، اسے اب تہران میں لکھنا پڑا ۔ مسودے کی نقل پاس نہ رکھنے کی یہ 'سزا' قابل افسوس نہیں ۔ مجھے خوشی ہے کہ قیام تہران کے دوران اس مسودے کی تبییض میں کئی مشکلات حل ہوگئیں ۔ پھر بھی یہ کوئی تحقیق آخر نہیں ۔ فضلائے کرام کے مشورے ہی اس کتاب کے نقش ثانی کو بہتر بنا سکتے ہیں ۔

اس کتاب میں سہولت فہم کی خاطر ہم نے فارسی شاعری کے معروف سبکوں (انداز ہائے بیان) کا تعارف کرایا ، اور اسی مناسبت سے خراسانی ، عراقی ، ہندی اور ادبی احیاء کے دور کے شعراء کا تصانیف اقبال کی روشنی میں ذکر کیا ہے ۔ یہ تقسیم بندی ، سہولت بیان کی خاطر ہے ۔ ہم نے تصانیف اقبال میں مذکور (یا اشارہ شدہ) جملہ شعراء کو اجمالی طور پر متعارف کیا ہے ، اور بعد ازاں اقبال سے ان کے صوری یا معنوی ربط کو نمایاں کیا ہے ۔ راقم الحروف نے دانستہ اجمال بیان پر اکتفا کیا ہے تاکہ کتاب کی ضخامت غیر ضروری نہ نظر آئے ۔ جو کچھ لکھا گیا ، پوری صحت اور سند کے بل بوتے پر لکھا گیا ۔ اس کے باوجود اغلاط ، اشتباہات اور تسامحات کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آخر یہ ایک انسانی کوشش ہی تو ہے !

میں جناب سید عبدالواحد معینی کی اس تحریک کا ممنون ہوں جس کی بنا پر یہ مسودہ تیار ہوا اور اس کے دوران تبییض میں نے کافی

کچھ حاصل کیا ۔ اس کتاب کی نگارش ثانی ان کے اور نیز اقبال اکادمی کے معاون ناظم جناب عبدالحمید کمالی کے جرأت افزا کلمات سے ممکن ہوئی ہے ۔ اکادمی کے موجودہ ناظم جناب ڈاکٹر محمد معزالدین احمد بھی اس تحقیق سے خاصی دلچسپی ظاہر کرتے رہے اس لیے وہ بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں ۔

اپنے استاد کا شکریہ ادا کروں تو مبادا اس سے اظہار تکلف ہو ۔ یہ امر واقعہ ہے کہ میرا ادب فارسی کا ذوق میرے دو اساتذہ کا مرہون منت ہے : ایک جناب سلطان اکبر ، جن سے اسکول کی تعلیم کے دوران استفادہ کیا اور دوسرے جناب پروفیسر سید محمد عبدالرشید فاضل ، جن سے کالج کی تعلیم کے دوران کسب فیض کیا ۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ مؤخرالذکر اس کتابچے پر 'پیش لفظ' تحریر فرما رہے ہیں ۔ یہ میرا افتخار ہے اور اظہار سپاس بھی کہ یہ مسودہ ایک اسم بامسمی فاضل ، اور اقبال پر متعدد کتابوں کے مصنف کی نظر سے گزرا ہے ۔

یکم اردی بہشت ۱۳۵۴ ہجری شمسی
۲۱ اپریل ۱۹۷۵ع
۲۲- خیابانِ ویلا
تہران (ایران)

(ڈاکٹر) محمد ریاض خان
دانشکدہ ادبیات و علوم انسانی ،
شعبہ اردو و پاکستان شناسی ،
دانشگاہِ تہران (ایران)

مقدمہ

(فارسی شاعری ، اور اقبال کا اسلوب بیان)

دنیا کی دوسری زبانوں کے مانند ، فارسی میں بھی شعر کے نمونے نثر سے پہلے ملتے ہیں ۔ قدیم ترین نمونے اب تک تیسری صدی ہجری/ نویں صدی عیسوی کے اوائل کے ملے ہیں ۔ تصانیف اقبال میں جن ایرانی شعراء کا ذکر ملتا ہے، ان کا عصر حیات پانچویں سے تیرھویں صدی ہجری / گیارھویں سے انیسویں صدی عیسوی کو محیط ہے یعنی غزنویوں کے دور سے قاچاریوں کے عہد تک ۔ برصغیر کے شعراء جو ان کے ہاں مذکور ہیں ، وہ بارہویں تا بیسویں صدی عیسوی کے ہیں ۔ اس سے واضح ہے کہ اقبال نے قدماء ، متوسطین اور کسی قدر جدید شعراء کے اسالیب کو پیشِ نظر رکھا مگر جلد ہی انھوں نے اپنا خاص سبک یا اسلوب اختیار کر لیا ۔ بعض حضرات اقبال کی فارسی شاعری کو کلاسیکی شاعری کا نمونہ قرار دیتے ہیں ۔[1] یہ بات جزوی طور پر صحیح ہے مگر یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نئی ہیئت شاعری اور نیا انداز بیان اختیار کرنے کی بنا پر اقبال جدید ترین شعرائے فارسی کی صف میں بھی شامل ہوگئے ہیں ۔

---

۱ - Poems from Iqbal ، دیباچہ ۔

ایک عرصے سے فارسی زبان و ادب کے محققین اور ناقدین ، فارسی شاعری کے اسالیب پر بحث جاری کیے ہوئے ہیں ۔ اس ضمن میں فارسی نثر کے بارے میں بھی کتب و مقالات لکھے جاتے رہے ہیں ۔ ان سب بحثوں کا ماحصل یہ ہے کہ عصری تقاضوں اور ماحول کے مطابق ، مصنفین اور شعراء خاص روش نثر و نظم کو اپناتے رہے ہیں ۔ سبک (طرز) اگرچہ نام کے اعتبار سے مقامات و ممالک سے منسوب نظر آتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اعصار و ازمنہ سے منسلک ہیں ۔

فارسی شاعری کا آغاز ، ایران قدیم کے ان مشرقی علاقوں سے ہوا جنھیں ہم ترکستان ، خراسان اور ماوراء النہر کے نام سے جانتے ہیں ۔ پہلی صدی ہجری کے وسط میں عربوں نے ایران پر تسلط کیا مگر تیسری صدی ہجری کے اوائل تک ایرانیوں نے کافی حد تک آزادی اور داخلی خود مختاری حاصل کر لی تھی ۔ ان حالات میں طاہریوں (۲۰۵ - ۲۵۹ھ) ، صفاریوں (۲۵۹ - ۲۹۱ھ) اور سامانیوں (۲۹۱ - ۳۶۷ھ) کی حکومتیں جو مندرجہ بالا علاقوں میں قائم ہوئیں ، فارسی ادب کے فروغ کے لیے نہایت درجہ کوشاں رہیں ۔ ان حکومتوں کے جانشین غزنوی اور سلجوقی سلاطین ہوئے ۔ اس سارے عرصے میں ترکستان اور خراسان کا وسیع علاقہ ، فارسی ادب کا گہوارہ بنا رہا ۔ فارسی ادب ایران اور ہمجوار ممالک کے بعض حصوں میں پھیلتا گیا مگر شعر فارسی کے بیشتر فصحاء جیسے رودکی، دقیقی، فردوسی، فرخی، عنصری، منوچہری اور ناصر خسرو وغیرھم ، ایران کے مشرقی علاقوں سے ہی اٹھے ۔ ادبی اصطلاح میں ان شعراء کے اسلوب کو سبک ترکستانی بھی کہتے رہے ہیں مگر سبک خراسانی زیادہ متداول اصطلاح ہے ۔ بعض محققین تبریز ، آذربائجان اور اس کے نواح کے شعراء مثلاً خاقانی ،

نظامی ، فلکی اور قطران کے انـداز شعر کو 'سبک آذربائجانی' کا نام دیتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ابتدا سے قرن ہفتم ھجری کے اوائل تک فارسی شاعری کا عام اسلوب ، خراسانی ہی رہا ہے ۔ البتہ آخری سو سال میں شعراء پرانی ڈگر سے کسی قـدر ہٹ رہے تھے اس لیے انوری ، ظہیر ، خاقانی ، نظامی اور عطار وغیرہ کے ہاں شعرائے متقدم کے اسلوب سے کسی قدر اختلاف نظر آتا ہے ۔ یہ لوگ سبک خراسانی کے نمائندے تھے مگر تغزل میں اس اسلوب پر چلتے نظر آتے ہیں جس نے نصف صدی بعد ایک نئے سبک یعنی سبک عراقی کو جنم دیا ۔ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ شعراء وغیرہ کا اسلوب نیم خراسانی اور نیم عراقی تھا ۔

ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں چنگیز خـان اور اس کے منگولی ٹولے نے ایران ، خصوصاً خراسان کو تاخت و تاراج کیا ۔ کئی علـماء ، فضلاء اور شعراء قتل ہوئے اور بـاقی نے عراق عجم (اصفہان ، تہران ، رے ، تبریز اور آذر بائجـان وغیرہ) کا رخ کیا ۔ منگولـوں ، ایلخانیوں ، خوارزمشاہیوں اور تـیموریوں کے عہد میں شاعری بالعموم دربار سے نکل کر دور دور تک پھیلتی گئی ۔ اب یہ توصیف ، مدح اور پراپیگنڈا کا ذریعہ ہی نہ تھی، اس میں لطیف افکار، تصوف و عرفان ، پند و اخلاق اور تفکر بھی سمونے لگا ۔ اسے غزل کی زبان مل گئی تھی جسے اقبال ایرانی تفکر کا ایک نمایاں پہلو قرار دیتے ہیں ۔[۲] اصطلاحاً اس نئے اسلوب شعر کو جو کوئی تین سو سال تک متداول رہا 'سبک عراق' کہتے ہیں ۔ اس عرصے میں شعراء عراق عجم کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی تھے مثلاً شیراز میں سعدی اور

---

۲ - The Development of Metaphysics in Iran : تعارف

حافظ تھے۔ بعض مصنف سعدی و حافظ کے اسلوب کو 'سبکِ فارسی' کہتے ہیں یعنی فارس (مشمولہ شیراز) کا اسلوب۔ یاد رہے کہ فارس اس وقت ایران کا ایک صوبہ ہے جس کا صدر مقام شیراز ہے مگر ۱۹۳۵ء تک پارس یا فارس کے نام کا پورے 'ایران' پر اطلاق ہوتا تھا۔ بہر حال ہمارے نزدیک 'سبک عراقی' ان تین صدیوں کی شاعری کا مناسب ترین نام ہے ورنہ شیراز کے شعراء کو 'سبکِ فارسی' کا نمائندہ کہیں تو قونیہ کے مولانائے روم، دہلی کے امیر خسرو اور ہرات کے مولانا جامی کے اسلوب کو کوئی اور نام دینا پڑے گا، اور ان تکلفات کا نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔

سبک عراقی جس کی تفصیل بعد میں آئے گی، فارسی شاعری کا دلآویز ترین سبک ہے۔ برصغیر میں دسویں صدی ہجری سے عصر اقبال تک اس کا تتبع نہ رہا، مگر ایرانیوں نے انیسویں صدی عیسوی سے اس سبک (اور کسی حد تک خراسانی سبک کی طرف بھی) عود کر لیا تھا۔ جدید ایرانی محقق یہاں بھی ایک موشگافی دکھاتے اور دسویں صدی ہجری کے اکثر فارسی شعراء کو 'مکتب وقوع' کا نمائندہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاملہ بندی (وقوع) اور واسوخت لکھنا، سبک عراقی ہے نہ ہندی، بنا بریں فغانی اور وحشی بافقی کے قبیل کے شعراء 'شاعرانِ وقوع' ہیں۔[۳] اس اسلوب کی مثالیں بعد میں نقل ہوں گی۔

دسویں صدی ہجری کے اوائل سے ایران میں صفویوں کی حکومت قائم ہوئی جس کا بانی شاہ اسماعیل اول (متوفی ۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء) تھا۔ صفوی، شیخ صفی الدین اردبیلی (م ۱۳۳۴ء) سے منسوب تھے اور

۳۔ مکتب وقوع در شعر فارسی۔

انھوں نے کوئی سوا دو سو سال تک حکومت کی ہے ۔ ان کے دارالحکومت تبریز ، قزوین اور اصفہان رہے ۔ صفویوں کا دور ، ترقی و پیشرفت کا دور ہے مگر عام شاعری کو اس عہد میں سخت دھچکا لگا ۔ مذہبی شعراء کے علاوہ دوسروں کے بارے میں دربار حکومت عام طور پر بے التفات رہا ۔ اس لیے اس عہد کے بیسیوں نامور شعراء و ادبا نے برصغیر پاک و ہند کی راہ لی اور مغل شاہنشاہوں اور ان کے امراء کی فیاضیوں سے بہرہ مند ہونے لگے ۔ اقبال نے اپنی ابتدائی دور کی ایک نظم 'ہندوستانی بچوں کا گیت' میں اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برصغیر کی معارف پروری کی تعریف کی ہے :-

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس* کے آسماں سے
پھر تاب دے کے اس نے چمکائے کہکشاں سے[۴]

برصغیر میں وارد ہونے والے شعراء نے اپنی طبیعت کی یہاں خوب جولانیاں دکھائیں اور بعض مواقع پر شاعری کو ریاضی اور دیگر علوم عقلی کا نمونہ بنا دیا ۔ اقبال کے زیر اثر برصغیر اور افغانستان کے اکثر شعراء نے اب اس ڈگر کو ترک کر دیا ہے ۔ قرونِ مذکور کے شعراء کے سبک کو 'سبک اصفہانی' بھی کہتے ہیں مگر سبک ہندی کی اصطلاح زیادہ رائج ہے ۔ اس کے خصوصیات بعد میں ذکر ہوں گے ۔

ایران میں دسویں صدی ہجری کے اواسط سے بارہویں صدی ہجری کے اواخر تک سبک ہندی کا رواج رہا ، اس کے بعد خراسانی اور عراقی اسالیب کی طرف رجوع کرلیا گیا ۔ اصطلاح میں اسے 'احیائے

---

* اقبال نے یہاں فارس کے لفظ میں 'ر' کو متحرک اور مفتوح باندھا ہے حالانکہ یہ ساکن ہے ۔
۴ - بانگ درا ، حصہ اول

ادبی' کا عہد کہتے ہیں ۔ اس عہد کے چار شاعر آذر ، نشاط ، طاہرہ اور قاآنی اقبال کی تصانیف میں مذکور ہیں ۔

سبک اقبال

ناقدین فن نے اقبال کی مجموعی فارسی شاعری کو 'سبک اقبال' کا نام دیا ہے ۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ برصغیر میں فارسی کے انحطاط کے دور میں ایک غیر فارسی زبان شاعر ، ایک نیا 'سبک شعر' وجود میں لے آئے ۔ اس امر کا خود ایرانیوں کو اعتراف ہے کہ اقبال ، رودکی ، سعدی اور بابا فغانی وغیرھم کے مانند ، ایک نئے سبک شعر کے بانی ہیں جسے ان کے نام کے ساتھ منسوب کیا جانا چاہیے۔ ان کا یہ سبک اردو اور فارسی دونوں میں ، اور ہر صنف سخن میں ، نمایاں ہے ۔ پروفیسر سعید نفیسی مرحوم نے لکھا ہے کہ اقبال کے فارسی شعر میں عرفی ، فیضی ، ظہوری ، کلیم ، صائب ، بیدل اور غالب کے سبک کی بازگشت نہ ہونے کے برابر ہے ۔ ان کے ہاں سنائی ، عطار ، رومی ، عراقی ، اوحدی مراغی اور کمال خجندی کا رنگ ملتا ہے ۔[۵] پروفیسر ڈاکٹر حسین خطیبی نے جو ملک الشعراء محمد تقی بہار مشہدی کے خاص شاگرد اور تہران یونیورسٹی میں سبک شناسی فارسی کے استاد ہیں ، لکھا ہے :

"اقبال کے سبک شاعری کو سبک اقبال کا نام دینا مناسب ہے۔ اقبال کے ہاں سبک ہندی کے عناصر تقریباً مفقود ہیں ۔ انہوں نے منوچہری ، ناصر خسرو ، سنائی ، عطار ، رومی ، سعدی ، حافظ اور جامی ایسے اساتذہ شعراء کے سبک کا بغور مطالعہ کیا اور

---

۵ - رومی عصر صفحہ ۱۲۴

اپنے اشعار کو ان ہی کے قدیم سبک پر استوار کیا لیکن نئے مضامین و موضوعات کی بنا پر ان کا سبک ، سبکِ اقبال بن گیا ہے . . . فارسی شاعری میں اقبال نے حیرت انگیز مہارت دکھائی اور اساتذہ کے رنگ میں انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ، دقیق و عمیق فلسفیانہ ، صوفیانہ ، اخلاقی اور سائنسی مضامین بیان فرمائے ہیں ۔ ان کی شاعری میں لغوی و معنوی دشواریوں یا الفاظ کے بے محل استعمال کی مثالیں بمشکل ملیں گی . . . معانی کی بلندی کے ساتھ اقبال کے الفاظ بھی بلند ہیں ۔ اگرچہ اقبال کا مقصد محض شاعری نہ تھا ، وہ حقائق بیان کرنے پر زیادہ متوجہ رہے مگر ان کے کلام کو پڑھیں تو فکر و فن ہم سطح و ہم ردیف نظر آتے ہیں ۔"[٦]

کسی ایک سبک کی کوئی جامع و مانع تعریف پیش کرنا مشکل ہے ۔ سبک اقبال کا بھی یہی حال ہے ۔ علامہ کا اردو کلام ہو یا فارسی ، اپنی انفرادیت کا ببانگ دہل اعلان کرتا ہے مگر اس اعلان کو صاحبان ذوق اور ان کے کلام کی مزاولت رکھنے والے ہی سن سکتے ہیں ۔ دیگر اسالیب کے خصوصیات بعد میں بیان ہوں گے۔ اول یہاں سبک اقبال کے چند نمایاں خصوصیات بیان کیے جاتے ہیں ۔ یہ خصوصیات 'سبک عراقی' کے بعد میں بیان ہونے والے خصوصیات کے سوا ہیں :

سبک (طرز) اقبال کی پہلی خصوصیت فکر و فن کا حسین ترین امتزاج ہے ۔ فارسی شاعری کے کسی مفکر شاعر کے ہاں الفاظ و معانی یوں ہم ردیف نظر نہیں آتے ۔ مثال کی خاطر حضرت رومی کی تصانیف اور شیخ محمود کی گلشن راز پر ایک نظر ڈالیں ۔ جہاں فکر و پیغام

---

٦ - ایضاً صفحہ ١٥٦ (اردو اقتباس ہمارا ترجمہ سمجھیے) ۔

بڑھا ، وہاں شاعری کا حسن ماند پڑ گیا - یہ حضرات شاعر محض تھے نہ اقبال - البتہ اقبال کی پیغام دوستی نے ان کی شاعری کا حسن کم نہیں کیا - اقبال کو لوگ فلسفی شاعر اور شاعر فلسفی کہتے رہے اور ان دونوں بیانات میں جزوی صداقت ہے - اقبال فرماتے ہیں :

ز شعر دلکش اقبـال میتوان دریافت
کہ درس فلسفہ میداد و عاشقی ورزید
باین بہانـہ درین بزم محرمی جویم
غزل سرایم و پیغام آشنا گـویم

پہلا شعر ان کے فلسفی شاعر ہونے کا غماز ہے اور دوسرا شاعر فلسفی ہونے کا مؤید - بہر حال ان کے کلام میں فکر و فن ، نقطۂ کمال پر نظر آتے ہیں -

شعر اقبال کی دوسری خصوصیت ، سادگی اور سادہ بیانی ہے - ذولسانین شاعر عام طور پر غیر مادری زبان میں گنجلک اور مشکل الفاظ استعمال کرتے اور زبان و بیان کی ہنر نمائی کی طرف توجہ دیتے رہے ہیں - اقبال کا مقصد ابلاغِ عام تھا ، اس لیے ان کے ہاں لفظی یا معنوی دشواریاں نہ ہونے کے برابر ہیں - ان کے اردو کلام کی غیر معمولی اور غالب سے بھی بڑھی ہوئی 'فارسیت' کی بعض ناقدین کو شکایت[۷] ہو سکتی ہے ، مگر فارسی کلام کے بارے میں ایسی بات کرنا انصاف کے خلاف اور کور ذوق کی دلیل ہوگی - قرآن مجید کی مزاولت سے علامہ مرحوم نے آسانی و مشکل گوئی کے حدود سیکھے - یہی وجہ ہے کہ ان کی کئی اردو نظمیں دوسری جماعت کے بچے پڑھتے اور سمجھتے ہیں ، اور علامہ کی اسی خصوصیت سے استفادہ کرتے ہوئے جناب پروفیسر

---

۷ - A History of Urdu Literature میں اقبال کا ذکر -

سید محمد عبدالرشید فاضل صاحب نے 'درسیات اقبال' کے تین حصے مرتب کرکے چھپوائے ہیں۔[۸] فارسی زبان والے ممالک میں اقبال کی فارسی تصانیف کے کئی حصے ابتدائی جماعتوں کے درس میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ اقبال ایسے مفکر شاعر کے لیے سادہ سے سادہ اشعار کہنا، ایک قابل فخر بات ہے۔ مجھے ان کے کلام کے معتدبہ حصے میں فرخی سیستانی اور سعدی شیرازی کے کلام جیسی شانِ سہل ممتنع نظر آتی ہے۔ کیوں نہ ہو، آخر وہ شاعر تھے اور ماورائے شاعر بھی۔

نہ پنداری کہ من بی بادہ مستم
مثال شاعران افسانہ بستم
بجبریل امین ہم داستانم
رقیب و قاصد و دربان ندانم
دل سنگ از زجاج من بلرزد
یم افکار من ساحل نورزد
دمی در خویشتن خلوت گزیدم
جہانی لازوالی آفریدم[۹]

سبکِ اقبال کی تیسری خصوصیت، اس کا بے باک، زوردار اور انقلاب پرور لہجہ ہے۔ یہ لہجہ ان کی شاعری کی جان ہے اور اس نے لاکھوں دلوں کو مسخر کرلیا ہے۔ یہی لہجہ ہماری تحریک آزادی کا ایک نمایاں محرک رہا اور اس نے کتنے افراد کو جویا، پویا اور فعال بنایا ہے۔ غزل فارسی میں اقبال نے رومی کی غزلیات کا جوش بیان اپنایا۔ مگر رومی کا جوشِ بیان، بعض عارفانہ موضوعات کے لیے

---

۸ - شائع کردہ اقبال اکادمی پاکستان۔
۹ - مثنوی گلشن راز، جدید۔

مختص رہا۔ اقبال کے ہاں عصری تقاضوں کے مطابق سب ہی کچھ ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

گرچہ متاع عشق را عقل بہایی کم نہد
من ندھم بہ تخت جم آہِ جگر گداز را
بہر نرخی کہ این کالا بگیری سودمند افتد
بزور بازوی حیدرؓ بدہ ادراک رازی را
اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیز وجود من
باین قیمت نمی گیرم حیات جاودانی را
بہ کیش زندہ دلان زندگی جفا طلبی است
سفر بکعبہ نکردم کہ راہ بی خطر است
ترا نادان امیدِ غم گساریہا ز افرنگ است ؟
دل شاہین نلرزد بہر آن مرغی کہ در چنگ است
تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلک شبیرم آرزوست
ز قید و صید نہنگان حکایتی آور
مگو کہ زورقِ ما روشناس دریا نیست
مرید ہمت آن رہروم کہ پا نگذاشت
بجادہ ای کہ درو کوہ و دشت و صحرا نیست
لالۂ این چمن آلودۂ رنگ است ہنوز
سپر از دست مینداز کہ جنگ است ہنوز
چو موج مست خودی باش و سر بطوفان کش
ترا کہ گفت کہ بنشین و پا بدامان کش ؟
مثل شرر ذرہ را ذوق تپیدن دہم
ذوق تپیدن دہم ، بال پریدن دہم

می توان جبریـل را گنجشک دست آمـوز کرد
شهپرش با موی آتش دیـده بستن می تـوان
گفـتند جهانِ مـا آیا بتـو می سـازد ؟
گفتم کـه نمی سـازد ، گفتند کـه برهم زن
در دشت جنـونِ من جبریل زبـونِ صیدی
یـزدان بکمنـد آور ای هـمت مردانـه

بیرون قدم نـه از دور آفـاق
تو بیش ازینی ، تـو بیش ازینی
از مرگ ترسی ای زنده جـاوید ؟
مرگ است صیدی تو در کمینی
جانی کـه بخشند دیگر نگیرند
آدم بمـیرد از بی یقیـنی

اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کو بالخصوص اور جہانِ اسلام کو بالعموم آزادی کے لیے سینہ سپر کیا - یہی نہیں، انھوں نے دولت سے بے نیازی برتنے اور موت سے بے خوف رہنے کا مؤثر درس دیا - بیسویں صدی کے اوائل میں ایرانی شعراء نے آزادی اور حقوق مشروطہ کے حصول کی خاطر بے باکانہ جد و جہد کی ، اور ایمان پرور شعر کہے - اقبال نے بھی ان کے جس قدر اشعار دیکھے ، ان کی تعریف کی ہے - [۱۰] مگر حقیقت یہ ہے کہ ایرانی شعراء کو اقبال کا سا متین اور متنوع لہجہ میسر نہ آیا ، اور بعض ایرانی از روئے تعصب اس امر کی تاؤیلات پیش کر رہے ہیں ، مثلاً پروفیسر عباس مہرین شوشتری ، جو سالہا سال ہندوستان اور پاکستان کی یونیورسٹیوں میں تدریس کے

---

۱۰ - اقبال نامہ نمبر ۲ صفحہ ۱۵۷

فرائض انجام دیتے رہے ، لکھتے ہیں کہ ایران کے معاصر شعراء کو وہ ماحول نہ ملا جو اقبال کو میسر رہا ورنہ وہ بھی وطنیت سے بالاتر ہو کر بات کرتے اور جہانِ اسلام میں اپنی آواز پہنچا سکتے۔[۱۱] کاش وہ یہ بتا سکتے کہ ان کا مدعا اظہار تعصب کے علاوہ کیا ہے ؟ بہر حال اقبال کا بے باک لہجہ ایک بے نظیر چیز ہے ، اور اس کی غایت کو ان کے جذبۂ انسان دوستی میں دیکھا جا سکتا ہے :

حرکت اعصاب گردون دیدہ ام
در رگ مہ حرکت خون دیدہ ام
بہر انسان چشم من شبہا گریست
تا دریدم پردۂ اسرار زیست
از درونِ کارگاہ ممکنات
برکشیدم سر تقویم حیات

اقبال کی شاعری کی چوتھی خصوصیت ، ان کے ابداعات ہیں ۔ آپ نے پرانی اصطلاحات کو نئے معانی دیے ، متداول الفاظ کے معانی میں توسیع پیدا کی ، نئی تراکیب وضع کیں اور بعض نئی تعبیرات ازخود تخلیق کیں ۔ ان کے ہاں خودی ، بیخودی ، عشق اور خرد وغیرہ معمولی معانی کے آئنہ دار نہیں ہیں ۔ گرہ خوردہ نگاہ ، جنگاہ ، طائر پیش رس ، تازہ کاری ، گران رکابی ، افرنگ زدہ ، شعلہ درگیر ، قدر انداز ، زادۂ باغ و راغ ، فاختہ کہن صغیر ، نغمۂ پار ، اثر باختہ آہ ، حاضر آرائی ، ایازی ، محمودی ، سمرقندی ، تبریز ، ہنگامۂ چنگیز ، آشوب ہلاکو ، کوفہ و شام اور گرمئی سومنات نیز جذبہ ، ہنگامہ ، گرمی اور

---

۱۱ - تاریخ زبان و ادبیات ایران در خارج از ایران صفحہ ۱۵۴ - موصوف یہاں اقبال کو فلسفے سے بھی تقریباً کورا قرار دیتے ہیں ۔ آخر ہند کے پنشن خوار جو ہیں!

آشوب وغیرہ کی نئی نئی تعبیرات سے ان کا کلام مملو ہے ۔ ایسے استعارات ، کنایات نیز نئے اسامی و اماکن جیسے فرامرز ، جہان دوست اور مرغدین وغیرہ اقبال کی زبان شناسی ، قادر کلامی ، جودت طبع اور خلاقِ ذہن کے زندہ ثبوت ہیں ۔ ان چار خصوصیات کے علاوہ بعض خصوصیات ان کی فارسی شاعری پر عمومی تبصرہ کے دوران بیان ہو جائیں گے ۔

عمومی تبصرہ (کتب ، اصناف سخن)

اقبال کی اردو شاعری کے قابلِ ذکر نمونے ۱۸۹۴ء کے سال سے ، جب وہ انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے دست یاب ہیں ۔[۱۲] ایم ۔ اے فلسفہ (۱۸۹۹ء) کرنے ، اورینٹل کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ ، عربی اور انگریزی کی تدریس فرمانے (۱۸۹۹ - ۱۹۰۵ء) اور علم الاقتصاد تصنیف کرنے (اشاعت اول ۱۹۰۳ء) کے بعد ۱۹۰۵ء میں جب وہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے لندن روانہ ہوئے ، اس وقت تک ان کی اردو شاعری کی دھوم سارے برِصغیر میں مچ چکی تھی ۔ مگر جیسا کہ پیشتر لکھا گیا ، اس وقت تک فارسی میں ان کے کہے ہوئے اشعار میں سے صرف کوئی ایک سو دست یاب ہیں ۔ یورپ کے سہ سالہ قیام کے دوران ، اقبال نے فارسی گوئی کی طرف خصوصی توجہ دی ۔ سر شیخ عبدالقادر نے دیباچۂ بانگ درا میں اس 'مرحلۂ انعطاف' کے بارے میں اقبال کے قیام لندن سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ نقل

---

۱۲ - باقیات اقبال ، طبع ثانی ۔ (۱۲ الف) اقبال کے قیام یورپ کے دوران کی ایک غزل 'اقبال' ، مؤلفہ عطیہ بیگم (ترجمہ ضیاءالدین برنی صفحہ ۷-۸) میں دستیاب ہے ۔ یہ ۱۹۰۷ء کی لکھی ہوئی ہے اور مطلع یوں ہے :

ای گل ز خار آرزو آزاد چون رسیدہ
تو ہم ز خاک این چمن مانند ما دمیدہ

فرمایا ہے :

"ایک مرتبہ وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں؟ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک آدھ شعر کبھی کہنے کے ، فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی ۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمایش نے ایسی تحریک اُن کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آ کر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ شاید فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح اُٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں ۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے اُنھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا ۔ اس کے بعد ولایت سے واپس آنے پر گو کبھی کبھی اردو نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رُخ فارسی کی طرف ہو گیا" . . . (۲ ؛ الف)

اگرچہ علامہ مرحوم کی 'زبانی' سنائی ہوئی غزلوں کی نشاندہی مشکل ہے مگر واقعہ مذکور اقبال کی فارسی پسندی کے لیے ضرور محرک بنا ہوگا ۔ علامہ کی فارسی گوئی کی دیگر وجوہ اس سے قبل بیان ہو چکیں ۔

اقبال کی مثنوی اسرارِ خودی ۱۹۱۵ء میں چھپی ۔ اس کے آغاز کا ماہ و سال ہمیں معلوم نہیں مگر قرائن بتاتے ہیں کہ پہلی جنگ عظیم کے شروع ہونے سے قبل اس کا آغاز ہوچکا تھا ۔ اس مثنوی، اور اس کے بعد لکھے جانے والی مثنوی (رموزِ بے خودی ، اشاعت اول

۱۹۱۸ء) میں خودی و بے خودی سے متعلق اقبال کی اساسی تعلیمات ملتی ہیں اور پہلی جنگِ عظیم کے وقائع کا ان پر پرتو معمولی نوعیت کا ہے - اقبال کی دیگر تصانیف میں اس خوفناک جنگ کے بعض انعکاسات دیکھے جا سکتے ہیں - بہرحال ، اقبال نے زندگی کے آخری ۲۵ سالوں (اواخر ۱۹۱۳ء تا اوائل ۱۹۳۸ء) میں فارسی گوئی کی طرف زیادہ توجہ مبذول رکھی اور اس زمانے کی ان کی اردو شاعری میں 'فارسیت' کا عنصر غالب نظر آتا ہے - بقول سر عبدالقادر کے (دیباچہ بانگ درا) اقبال ، اپنے اشہب قلم کو کسی قدر تکلف کے ساتھ میدانِ فارسی سے عرصۂ اردو کی طرف موڑتے رہے - مرزا اسد اللہ خان غالب مرحوم کے اردو کلام میں 'فارسیت' کی فراوانی ہے ، مگر فارسی شاعروں کے مصرعوں اور شعروں پر تضمینوں ، تراجم اور دیگر تاثرات قبول کرنے کے لحاظ سے اقبال کا اردو کلام ، اردو کے ہر دوسرے شاعر کے مقابلے میں فارسی سے زیادہ قریب ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی آیات، احادیثِ رسولؐ ، بزرگان دین کے اقوال اور تاریخ اسلام کی تلمیحات سمونے کی وہ روایت جو اردو نثر نگاروں اور شاعروں کے ہاں موجود رہی ، وہ بھی اقبال اور ان کے ہم سن معاصرین پر تقریباً ختم ہو گئی مگر بعض ناقدین نئی روشِ شاعری سے خوش ہیں ۔[۱۳] جملۂ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ اقبال نے اردو شعراء کے کلام پر تضمین کمتر کی ہے - سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی کا ایک مصرع اور مرزا غالب کے چند مصرعے اور اشعار ان تضمینوں کی کل کائنات ہیں - اس کے مقابلے میں فارسی کے مصرعوں اور شعروں کی تضمینوں کی کیفیت ، ہمارے اس کتابچہ کے ہر صفحے سے ہویدا ہے -

---

۱۳ - Poems from Iqbal ، توضیح نمبر ۱

اقبال کی فارسی مثنویاں

اقبال کی بیشتر فارسی شاعری ، صنف مثنوی میں ہے ۔ ایک مثنوی گلشن راز جدید (مشمولہ زبور عجم) کے سوا جو شیخ محمود شبستری کی 'گلشن راز' کے جواب میں اور اسی بحر میں ہے (بحر ہزج مسدس محذوف یا مقصور یعنی مفاعیلن ، مفاعیلن ، مفاعیل یا فعولن) ، ان کی دیگر تمام مثنویاں—— اسرار خودی ، رموزِ بے خودی (موجودہ اسرار و رموز) جاوید نامہ ، مسافر ، پس چہ باید کرد اور بندگی نامہ (شامل زبور عجم) حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی کی مثنوی شریف کی معروف بحر میں ہیں (بحر رمل مسدس محذوف یا مقصور جو زحافات میں فاعلاتن ، فاعلاتن فاعلات یا فاعلن ہے) ۔ مثنوی اسرارِ خودی کے بارے میں اقبال نے تصریح کی ہے کہ اسے لکھتے وقت انھوں نے مثنوی معنوی اور مثنوی بوعلی قلندر پانی پتی کے اسلوب کو پیشِ نظر رکھا ہے ۔ اسرارِ خودی کی تمہید لکھنے میں انھوں نے ظہوری ترشیزی کے معروف ساقی نامہ کی پیروی کا اعتراف کیا ہے[۱۴] ۔ اس قسم کی پیروی کی توضیح اپنے مقام پر آئے گی ۔ مثنوی رموز بے خودی ، پہلی مثنوی کا تکملہ ہے ۔ ان دونوں مثنویوں میں اقبال نے رومی کی مثنوی اور دیوان کبیر ، نیز بوعلی قلندر کی مثنوی اور عرفی و نظیری کے بعض اشعار نقل و تضمین کیے ہیں ۔ اقبال کی دیگر مثنویوں میں بھی نقل اور تضمینوں کی یہی حالت ہے ۔ بعض مثنویوں میں انھوں نے اپنی یا دیگر شعرا کی غزلیں بھی نقل فرمائی ہیں ۔ یہ انداز امیر خسرو یا عراقی وغیرہ کی مثنویوں میں نظر آتا ہے ، مگر اقبال کے ہاں یہ جدت قابل توجہ ہے کہ انھوں نے

---

۱۴ ۔ اقبال نامہ نمبر ۲ صفحہ ۱۴۹ ، جلد ۱ صفحہ ۸۶ ۔

دوسروں کی غزلیں تضمین فرمائی ہیں ۔ رومی نے سنائی و عطار وغیرہ کے چند شعر ضرور تضمین کیے ، مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی جدتیں کئی اعتبار سے بے نظیر ہیں ۔

دو بیتیاں (رباعیات)

پیامِ مشرق کا ابتدائی حصہ (لالۂ طور) اور ارمغانِ حجاز (حصہ فارسی) تماماً دو بیتیوں پر مشتمل ہے۔ اس وزن میں ارمغان حجاز (حصہ اردو) اور بالِ جبریل میں متعدد دو بیتیاں موجود ہیں ۔ پیامِ مشرق میں انھوں نے ان دو بیتیوں کو 'رباعیات' لکھا ہے لفظی طور پر واقعی یہ 'رباعیات' ہیں مگر اصطلاحی طور پر ایسا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کا وزن 'لاحول ولا قوۃ الا باللہ' نہیں جس کے ۲۴ زحافات رباعی کے لیے مخصوص رہے ہیں ۔ اقبال کی یہ دو بیتیاں ، در اصل ترانے ہیں جن کا وزن بابا طاہر عریاں ہمدانی (قرن پنجم ہجری کے شاعر) کی معروف پہلویات یا فہلویات کے وزن کا ہے ۔ علامہ نے خود ارشاد کیا ہے کہ انھوں نے بابا طاہر کی دو بیتیوں کا اسلوب اپنایا ہے ۔[۱۵] ان سب دو بیتیوں کا وزن ہزج مسدس محذوف یا مقصور ہے جس کا ذکر 'گلشن راز' میں ہو چکا ہے ۔ اقبال نے رباعی کے خاص وزن کی طرف توجہ نہیں دی مگر اپنے زورِ بیان سے دو بیتی کو رباعی بنا دیا ہے ۔ رباعی کے چار اشعار میں کوئی خاص مضمون بیان کیا جاتا ہے ۔ اقبال کی دو بیتیوں کا بھی یہی عالم ہے ۔ شعراء نے بالعموم رباعی یا دو بیتی کی ظاہری ہیئت کی پابندی کی ہے ۔ پہلا ، دوسرا اور چوتھا مصرع مردف و مقفی ملتا ہے جبکہ تیسرا مصرع آزاد نظر آتا ہے یا بعض جگہ مقفی اور مردف ۔

---

۱۵ - گفتار اقبال صفحہ ۲۴۲

اقبال نے متعدد دو بیتیوں میں پہلا اور تیسرا مصرع بے ردیف و قافیہ رکھا اور اس طرح اپنی آزادہ روی اور جدت پسندی کا ثبوت دیا ہے - مثلاً :

سحر میگفت بلبل باغبان را
درین گل جز نہال غم نگیرد
بہ پیری می رسد خار بیابان
ولی گل چون جوان گردد بمیرد (پیمام مشرق)

مسلمانی کہ در بند فرنگ است
دلش در دست او آسان نیاید
ز میہایی کہ سودم بر در غیر
سجود بوذرؓ و سلمانؓ نیاید (ارمغان حجاز)

بہرحال، جیسا کہ ہم نے ایک مقالے میں بھی لکھا تھا[۱۶]، تسلسل بیان اور وسعت معانی کے لحاظ سے اقبال کی ہر دو بیتی اردو یا فارسی کے بڑے بڑے رباعی گو شعراء جیسے اکبر یا حالی، یا خیام ، رومی ، سعدی اور سنائی وغیرہ کی ہر رباعی کے مقابلے میں رکھی جا سکتی ہے -

غزلیات

اقبال کی فارسی غزلیات کے سدا بہار اور دلآویز نمونے ، پیام مشرق (حصہ مئے باقی) اور زبور عجم (حصہ اول و دوم) میں دیکھے جا سکتے ہیں - اس کے علاوہ مثنوی گلشن راز جدید اور مثنوی مسافر میں ایک ایک اور جاوید نامہ میں چند غزلیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اقبال کے اردو مجموعہ ہائے کلام میں بھی فارسی غزل و تغزل کے

---

۱۶ - ماہنامہ ماہ نو کراچی اپریل ۱۹۷۰ء نیز فاران کراچی مئی ۱۹۷۱ء

نمونے ملتے ہیں ۔ غرض ، اقبال کی فارسی غزلیات بھی دیوانِ حافظ کی نصف ضخامت کی حامل ہیں ۔

اقبال کی غزل ان کی فارسی شاعری کا گلِ سرسبد ہے ۔ غزلیات کا معتد بہ حصہ اساتذہ کے قالب ہائے شعر سے ہم آہنگ ہے البتہ لفظ و معنی کے اعتبار سے ان غزلوں کا دوسروں کی غزلوں کے ساتھ مقائسہ و موازنہ کرنا تحصیل حاصل ہوگا :

غزل آن گو کہ فطرت ساز خود را پردہ گرداند
چہ آید زان غزل خوانی کہ با فطرت ہم آہنگ است
در غزل اقبال احوالِ خودی را فاش گفت
ز آنکہ این نو کافر از آئین دیر آگاہ نیست

یہاں رومی ، عراقی ، سعدی ، خسرو ، حافظ ، جامی ، فغانی اور نظیری وغیرہ کی غزلوں کے ہم طرح ضرور ہیں مگر روح شاعرِ مشرق کی اپنی ہے ۔ نمونے بعد میں ملاحظہ فرمائیے گا ۔

اقبال نے زبانِ غزل کو بے انتہا وسعت دی ۔ ان کے تتبع میں غزل میں دنیا بھر کے مضامین سمونا ، ہنرمندی ہے۔ ان کی غزلیں اس قابل ہیں کہ دوسرے شاعر ان کی تقلید کریں اور پیغام و تغزل کو ممزوج و مخلوط کرنے کی کوشش کو آگے بڑھائیں ۔ اقبال کا یہ بڑا کمال ہے کہ غزل میں ہر قسم کے مضامین ادا کر دیے مگر زبان کے لوچ میں فرق نہ آنے دیا ۔ شاعرِ مشرق کا مقصد ابلاغ تھا ، نہ کہ ہنر نمائی مگر ابلاغِ پیغام نے غزل کے تقاضوں کو اتنا معمولی مجروح کیا ہے کہ ہر کہ و مہ اس امر کی نشان دہی بھی نہیں کرسکتا ۔ اقبال فرماتے ہیں :

باین بہانہ درین بزم محرمی جویم
غزل سرایم و پیغام آشنا جویم
نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوی قطار می کشم ناقۂ بی زمام را
وقت برہنہ گفتن است من بہ کنایہ گفتہ ام
خود بگو کجا برم ہم نفسانِ خام را

اقبال کی بے بدل اور کم نظیر فارسی غزل کے بعض خصوصیات کے بارے میں ان کے ایک ارادت مند دوست چوہدری محمد حسین مرحوم کی ایک عمدہ تحریر کا اقتباس ہماری اس بحث کا تتمہ ہے - ۱۹۲۷ء میں 'زبور عجم' کی اشاعت اول کی مناسبت سے انھوں نے لکھا تھا :

"... اقبال نے انتہائی کوشش کر دکھائی ہے کہ غزل کو پیغام کے رتبے تک لے جائے - یہ کوشش قابلِ ستائش ہے اور مشرق علم و ادب کی تاریخ میں اپنی قسم کی پہلی مثال ہے - آج عراقی ، سعدی ، حافظ ، عرفی ، نظیری ، صائب اور غالب وغیرہم ہوتے تو جس فن کو انھوں نے شروع کیا تھا اور جس کے کمالات دکھانے میں زندگی صرف کر دی ، اسے حد کمال کو پہنچا ہوا دیکھ لیتے- لیکن جب وہ یہ دیکھتے کہ اقبال ، غزل کو پیغام کی منزل تک لے جانے میں اسے بعض ضروری لوازم سے محروم کر رہا ہے —— کہیں مطلع نہیں لکھتے[۱۷]، مقطع کی تو پروا ہی نہیں کرتا اور اشعار غزل کی تعداد ، اس کے نزدیک بے معنی قید ہے —— تو شاید وہ اقبال کی غزل کو کوئی نیا

---

۱۷ - اقبال کا اپنا بیان ، مکاتیب اقبال بنام گرامی صفحہ ۱۶۴

نام دیتے جسے اختراع کرنے سے ہم قاصر ہیں . . . غرض ،
غزل کا یہ عروج ، مشرقی شعر کے عروج[۱۸] کی حد ہے ۔"
(ملخص)

مستزادات

مستزادات کی مختلف صورتیں فارسی شاعری میں پانچویں صدی ہجری/ گیارہویں صدی عیسوی سے تا امروز جاری رہی ہیں۔ مصرع اول اور مصرع ثانی معنوی طور پر کہیں مربوط ہیں اور کہیں غیرمربوط مگر صوری طور پر ہر بڑے مصرع پر ایک چھوٹا مصرع یا چند مصرعوں پر ایک ہم وزن یا مختلف الوزن مصرع اضافہ شدہ نظر آتا ہے ۔ محققین کا خیال ہے[۱۹] کہ مسعود سعد سلمان لاہوری (م ۵۱۵ھ) غالباً پہلا فارسی شاعر ہے جس نے مستزادات لکھے ہیں ۔ اس کے باوجود ، پیام مشرق اور زبور عجم میں موجود اقبال کے مستزادت ایسے نمونے فارسی ادب میں بہت کم دیکھے جا سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ زبان نے ان منظومات پر عش عش کیا ہے ۔[۲۰] پیام مشرق کے مستزادات فصل بہار ، سرود انجم ، کرمک شب تاب ، حدی اور شبنم کے زیر عنوان دیکھے جا سکتے ہیں ۔ زبور عجم کے چار مستزاد آمیز منظومات کے افتتاحی بیت دیکھیں :

۱- یا مسلماں را مدہ فرماں کہ جاں بر کف بنہ
یا درین فرسودہ پیکر تازہ جانی آفرین
یا چناں کن یا چنین

---

۱۸ - ماہنامہ ادبی دنیا لاہور اپریل و مئی ۱۹۷۰ء صفحہ ۹۴
۱۹ - مباحث بر سبک خراسانی در فارسی ۔
۲۰ - یک چمن گل ، صفحہ ۵ ۔

۲- مانند صبا خیز و وزیدن دگر آموز
دامان گل و لالہ کشیدن دگر آموز
اندر دلک غنچہ خزیدن دگر آموز*

۳- ای غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگران خیز
کاشانۂ ما رفت بتاراجِ غمان خیز
از نالۂ مرغ چمن از بانگ اذان خیز
از گرمئی ہنگامۂ آتش نفسان خیز
از خواب گران، خواب گران، خواب گران خیز
از خواب گران خیز

۴- خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب
از جفای دہ خدایان کشت دہقانان خراب
انقلاب ، انقلاب ، ای انقلاب

ایسے روح پرور نغمے ہمیں تلاش بسیار کے باوجود فارسی ادب میں نہ سکے ، اور آنجہانی پروفیسر آربری نے انھیں عربی ادب کے لیے بھی نادر اور بدیع بتایا ہے ۔[۲۱]

اقبال کی متفرق اختراعات اور جدتیں

اقبال کی مثنوی جاوید نامہ صوری اور معنوی ابداعات کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔کتاب مثنوی میں ہے مگر اس میں اقبال کی اپنی ، نیز رومی ، غالب اور طاہرہ بابیہ وغیرہ کی غزلیں بھی مختلف مقامات پر ملتی ہیں ۔ رومی اور غالب کی مثنویوں کے اشعار بھی تضمین شدہ نظر آتے ہیں ۔ چند ترکیب بند اور مستزادیہ ترجیع بند بھی کتاب میں موجود ہیں ۔ ان تنوعات نے کتاب کو بے حد دلچسپ بنا دیا ہے ۔

---

۲۱ - Aspects of Islamic Civilization میں اقبال کا ذکر ۔
* یہ مثال مسمطات کے تحت مثلث کی ہے ۔

معنوی اعتبار سے بھی یہ کتاب فی الحال فارسی ادب کی کتاب اول ہے۔ کتاب روایات معراج کے اتباع میں لکھی گئی ہے ۔ یوں تو روایات معراج کا انعکاس اسلامی ادب میں کافی ہے ۔[۲۲] ایک فارسی شاعر کا ارداویراف نامہ ، بایزید بسطامی کے عربی ملفوظات ، سنائی کی مثنوی سیرالعباد الی المعاد ، عطار کی مثنوی منطق الطیر ابن عربی کی الفتوحات المکیہ اور رسائل، ابوالعلاء معرمی کا رسالۃالغفران ابو عامر اندلسی کا رسالۃالتوابع و الزوابع اور ڈینٹے الیفیری اطالوی کی 'ڈیوائن کامیڈی' وغیرہ سب ہی افلاکی سفر کے نمونے ہیں مگر اقبال کے جاوید نامہ کا رنگ منفرد ہے :

آنچہ گفتم از جہان دیگر است
این کتاب از آسمان دیگر است

پیام مشرق اور ارمغان حجاز کے منظومات اور ان کے عنوانات کے تنوع پر نظر ڈالیں تو مسحور کن نظر آتے ہیں ۔ شاعری میں ہیئت کے نئے تجربے (مستزادات نو) بیان ہو چکے ۔ نیز شاعر مشرق کی تراکیب سازی اور اصطلاحات تراشی کی بے نظیر قوت کی طرف بھی اشارہ ہو چکا ۔ غرض ہر چیز کمال کے انتہای مقام پر نظر آتی ہے اور اسی وجہ سے ملک الشعراء بہار، اقبال کو عصر حاضر کا بے نظیر مفکر اور حجۃالشعر و التفلسف قرار دیتے ہیں :

عصر حاضر خاصۂ اقبال گشت
واحدی کز صد ہزاران برگذشت

---

۲۲ - جاوید نامہ پر ایک نظر از چوہدری محمد حسین (نیرنگ خیال ، اقبال نمبر) ۔ ماہنامہ ادبی دنیا لاہور اگست ۱۹۷۱ء میں راقم کا مقالہ نیز میرا مقالہ Journal of Cultural Institute of R.C.D. Tehran Spring 1975 میں عنوان ہے Javid Nama : A Unique Persian - Book

عـالم از حجت تہی مـاند تہی
فرق باشـد از ورم تـا فربہی

ایـک معاصر ایرانی شاعر جناب کاظم رجوی ایزد شعراء فارسی کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اب بالالتزام اقبال کی ہی پیروی کریں :

مولوی و سعدی و حافظ تجلی کرده اند
در همـہ افکار و در آمـال و در امیال او
شـاعران را باید از انـدیشہ او پـیروی
تابیار آیـد ز اقوال شان همہ افعال او

اس تعارف کے بعد اب اسالیب شعر فارسی کی مناسبت سے اقبال اور فارسی شعراء کا بیان ہوگا ۔

سبک خراسانی کے شعراء اور اقبال

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ، فارسی شاعری کے سبک (اسالیب) اگرچہ 'مقامات' سے مربوط نظر آتے ہیں مگر ان کا حقیقی تعلق 'زمان' سے ہے۔ پہلے سبک (اسلوب) شعر کو 'خراسانی' موسوم کرنے کی علت بھی مقدمے میں بیان ہو چکی - خراسان آج کل ایران کا ایک صوبہ ہے جس کا مرکزی شہر مشہد ہے مگر سبکِ خراسانی میں مذکور قدیم خراسان کا اطلاق ، ترکستان و ماوراء النہر نیز ملحقہ شرقی علاقوں پر ہوتا ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں تیسری سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک کے عرصے میں فارسی زبان و ادب کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے - 'خراسان' سے ماوراء علاقوں کے شعراء و ادبا ، اسی مستند مرکزی سبک کا تتبع کرتے رہے ہیں - برصغیر میں فارسی کا ورود ، خراسانیوں اور ترکستانیوں (یعنی تورانیوں) کا مرہونِ منت ہے - منگولوں کے حملوں کے دوران کئی صاحبانِ سیف و قلم جیسے حضرت امیر خسرو کے والد محمد عوفی صاحب لباب الالباب ، اور قاضی منہاج سراج نے برصغیر کا رخ کیا اور خراسانی فارسی کی روایات کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اس فارسی کے کئی الفاظ اور تعبیرات ، اب ایرانیوں کے لیے نادر ہیں مگر برصغیر کی فارسی یا اردو زبان وغیرہ میں وہ محفوظ ہیں اور یہاں

کے فضلاء کے لیے قابلِ فہم - امیر خسرو اور سراج الدین علی خان آرزو اکبر آبادی نے تورانی اور ایرانی فارسی کے امتیازات پر کافی لکھا ہے - 'خراسانی' فارسی کے خصوصیات روس کے فارسی زبان والے علاقوں اور افغانستان وغیرہ میں بھی ہنوز متداول ہیں - بہر حال اس تعارف کے بعد ، خراسانی فارسی نثر کا ذکر کیے بغیر ہم 'سبکِ خراسانی' کی فارسی شاعری (ابتدا تا اوائل قرن ہفتم ہجری) کے نمایاں خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں - ہم ان لفظی بحثوں کا احاطہ نہیں کر سکتے جو پروفیسر ڈاکٹر محمد جعفر محجوب[1] یا دوسروں[2] نے اپنی کتابوں میں تفصیل سے لکھی ہیں - صرف معنوی باتوں کا خلاصہ عرض کرتے ہیں :

۱ - توصیف و تمدیح - اس دور میں قصیدہ گوئی اور مناظر قدرت کی توصیف پر شعراء کی توجہ مبذول رہی - غزل کے نمونے اس دور میں نظر آتے ہیں ، مگر کم - قصائد کا ابتدائیہ 'تغزل' و تشبیب ہی دراصل غزل کا پیشرو رہا ، اور اس دور میں معرکۃالآرا 'تغزلات' لکھے جاتے رہے - خراسانی عصر کے قصائد کی زبان باوقار و پُرشکوہ ہے - بیان عام طور پر سادہ ہے ، مگر انداز پُر مبالغہ اور کہیں کہیں اغراق آمیز ہے - شاعری کی بحور بھی طویل اور مشکل ہیں -

۲ - صنائع لفظی و معنوی کے استعمال کی کمی - سبکِ خراسانی کے شعراء کے ہاں لفظی و معنوی خوبیوں کی خاطر خواہ مخواہ کا تردد موجود نہیں - تشبیہ ، استعارہ اور کنایہ وغیرہ کا استعمال نظر آتا ہے ، مگر سادہ اور طبیعی حالت میں -

---

۱ - سبک خراسانی در شعر فارسی -
۲ - مثلاً سیر سخن جلد ۲ میں -

۳ - غزل نہیں بلکہ تشبیب ۔ اس سبک میں مرصع غزلیں نظر نہیں آتیں ، مسلسل نوعیت کے تغزلات (تشبیبیں) البتہ ملتے ہیں ۔ سنائی ، انوری ، نظامی ، اور عطار وغیرہ کے ہاں بعض تغزلات ایسے ہیں کہ سعدی یا حافظ کی یاد آجاتی ہے مگر یہ سبکِ خراسانی کا عام رنگ نہیں کہا جا سکتا ۔

۴ - شیخ ابو سعید ابوالخیر ، سنائی ، خاقانی یا عطار کے ماسوا دوسرے شعراء کے ہاں بالعموم صوفیانہ مباحث شاذ نظر آتے ہیں ۔ ابھی تک تصوف نے فارسی ادب میں پورے طور پر سرایت نہیں کیا تھا ۔

۵ - 'سبکِ خراسانی' میں حماسی اور رزمی شاعری کے نمونے بافراط ملتے ہیں جبکہ متصوفانہ اور اخلاقی شاعری اس کے مقابلے میں کم نظر آتی ہے ۔

۶ - الفاظ کے اعتبار سے دیکھیں تو سبکِ خراسانی میں خالص فارسی کے الفاظ ، عربی الفاظ کے استعمال کے مقابلے میں زیادہ استعمال ہوئے ہیں ۔ چند مستثنیات کے سوا ، جیسے کلامِ منوچہری ، عام رنگ یہی ہے ۔ خلاصہ ، یہ سبک شاعری ، نیچرل اور بالعموم سادہ و بے تکلف شاعری کا نمونہ ہے ۔

اقبال کے ہاں بلا واسطہ نوعیت کے سبکِ خراسانی کے اثرات شاذ ہیں ۔ جناب پروفیسر احمد احمدی بیر جندی[۳] نے البتہ چند مثالیں دی ہیں جو کلام اقبال میں سبکِ خراسانی کے نمونوں سے متعلق ہیں ۔ ان میں 'پیام مشرق' میں شامل ان کا ساقی نامہ ہے جس کی تشبیب کچھ خراسانی سبک کی یاد دلاتی ہے اور کچھ سبکِ ہندی کی (دیکھیے

---

۳ - دانای راز صفحہ ۹۶ ۔

ظہوری ترشیزی کا ذکر) ۔ اسی کتاب میں ایک غزل نما قطعہ ' کشمیر' کے عنوان سے ملتا ہے جس کا ابتدائی شعر ہے :

رخت بہ کاشمر کشا ، کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہان جہان ببین ، لالہ چمن چمن نگر

یہ قطعہ ، جیسا کہ بعد میں بیان ہوگا ، عطار کے تتبع میں ہے۔ پیام مشرق میں یوں تو توصیفات کافی ہیں ، مگر ان میں اقبال کا عمقِ بیان اور مقصدیت سبکِ خراسانی کے حدود سے ماوراء ہو جاتی ہے ۔ مثال کے طور پر 'فصل بہار' عنوان کا مستزاد دیکھیں ۔ وصفِ فطرت تو سبکِ خراسانی کی ہے مگر مقصدیت "سبکِ اقبال" کی :

چاک چمن وا نمود راز دل کائنات
بود و نبود صفات جلوہ گریہای ذات
آنچہ تو دانی حیات آنچہ تو دانی حیات
ہیچ ندارد ثبات
خاک چمن وا نمود راز دل کائنات

اس کے باوجود صوری طور پر سبکِ خراسانی کے شعراء کا اقبال پر اثر مفقود ہے ۔ اقبال کی دو بیتیاں جیسا کہ بیان ہوا ، بابا طاہر عریاں ہمدانی کے رنگ میں ہیں ۔ 'نوائے وقت' عنوان کا مسمط واضح طور پر منوچہری کے سبک میں ہے ۔ کئی نظمیں نظامی گنجوی کے رنگ میں نظر آتی ہیں ۔

اقبال کی تصانیف میں سبکِ خراسانی کے مندرجہ ذیل شعراء کا ذکر کسی نہ کسی صورت میں ملتا ہے : فردوسی ، منوچہری ، ناصر خسرو ، مسعود سعد ، سنائی ، انوری ، خاقانی ، نظامی ، عطار اور خواجہ معین الدین چشتی نیز فرخی ، قطران تبریزی ، خواجہ انصاری

اور اوحد الدین کرمانی ۔ اقبال کے تتبع ، تضمین اور اخذ و تاثیر کی کیفیت بالاختصار ذیل میں بیان کی جاتی ہے :-

۱- فردوسی ، استاد ابوالقاسم طوسی (متوفی تقریباً ۴۱۱ ہجری) ۔

فردوسی فارسی کے بے نظیر استاد شاعر ہیں ۔ وہ ایران کے ملی شاعر رہے ہیں ۔ ایران میں شاہنامہ پر تحقیقات کا سلسلہ بڑی سرگرمی سے جاری ہے اور راتوں کو 'شاہنامہ خوانی' کی رسم ہنوز باقی ہے ۔ شاہنامہ کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار سے متجاوز ہے ۔ فردوسی نے یہی ایک کتاب لکھی ہے ۔

فردوسی ، طوس کے دہقانوں میں سے تھا ۔ اس نے ایران کی ملی داستانوں کو جمع کیا اور انھیں نظم کرنا شروع کیا ۔ شاہنامہ داستانی اور تاریخی واقعات کا آمیزہ ہے ۔ یہ ۴۰۰ ہجری میں مکمل ہوا ۔ اس زمانے میں سلطان محمود غزنوی کی معارف پروری مشہور تھی ۔ شاعر نے سلطان کی مدح میں کئی اشعار شاہنامے میں شامل کر کے دارالحکومت غزنی کا رخ کیا ۔ کہتے ہیں سلطان نے اسے صلہ دینے کا وعدہ کیا تھا مگر کسی وجہ سے یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا اور شاعر نے رنجیدہ خاطر ہو کر سلطان محمود کی ہجو لکھ ڈالی ۔ اس واقعہ کی تفصیل اور اس کی صداقت یا عدم صداقت کے بارے میں تاریخ ادب فارسی کی کسی کتاب کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے ۔ شاہنامہ میں داستانوں کے ضمن میں فردوسی نے بے نظیر اصولِ حکمت بیان کیے جس کی وجہ سے انھیں 'حکیم' کہا جاتا ہے ۔ فارسی زبان و ادب اور ایران کے جوش حماسہ و رزم ابھارنے کے اعتبار سے شاہنامہ بے نظیر کتاب ہے اور ایرانیوں کو بجا طور پر اس پر ناز ہے ۔ اس دور میں وطن پرستی ، اقوام کا عام شیوہ بن چکا اور ایرانی وطن پرستی کی ایک بڑی اساس

شاہنامہ ہے جس میں از اول تا آخر ایرانیت اور ایرانی شاہنشاہیت کا ذکر ہے۔

علامہ اقبال کے ہاں فردوسی کا مختصر سا ذکر ملتا ہے۔ اپنے مقالے 'اردو زبان پنجاب میں'[۴] انھوں نے ہائے حطی اور ہوز کو ماقبل حرف روی لانے کے جواز میں فردوسی کا یہ شعر نقل فرمایا ہے:

چہ گفت آن خداوند تنزیل و وحی
خداوند امر و خداوند نہی

اکتوبر و نومبر ۱۹۳۳ع میں اقبال چند دن کے لیے افغانستان تشریف لے گئے جہاں وہ حکومت افغانستان کے مہمان تھے اور اس سفر کی یادگار ان کی پوری مثنوی مسافر اور 'بال جبریل' کی چند نظمیں ہیں۔ غزنی میں سلطان محمود کے مزار کی زیارت کے دوران اقبال کو 'خرابہ ہائے شہر' میں شکوہ و جلال محمود کی یاد آ گئی اور ضمناً مداحان دربار کی، جن میں فردوسی بھی شامل تھا۔ اقبال اپنے خیالی سفر میں تاریخ گزشتہ کے دریچے میں جھانک کر فرماتے ہیں:

نکتہ سنج طوس را دیدم بہ بزم
لشکر محمود را دیدم بہ رزم
دولتِ محمود را زیبا عروس
از حنا بندان او دانائے طوس

'نکتہ سنج طوس' اور 'دانائے طوس' سے مراد فردوسی ہے۔ سلطان محمود کے ذکر میں اقبال فرماتے ہیں:

آنکہ چون کودک لب از کوثر بشست
گفت در گہوارہ نام او نخست

۴۔ مقالات اقبال مرتبہ سید عبد الواحد معینی صفحہ ۲۹۔

یہ شعر فردوسی کے شعر ذیل کی تحلیل ہے ۔ مدح محمود میں فرماتے ہیں :

چو کودک لب از شیر مادر بشست
بہ گہوارہ محمود گوید نخست

'بالِ جبریل' میں اقبال نے فردوسی کے ایک شعر سے حفظ 'خودی' کے معانی اخذ کیے اور ایران کے لیے فردوسی کی مخصوص اہمیت کا اعتراف فرمایا ہے ۔ 'خودی' کے عنوان کے تحت اس قطعے میں اقبال نے شعر فردوسی پر تضمین فرمائی اور شاعرِ دیدہ ور کی دانشمندی کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے :

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض
یہ کہتا ہے فردوسیٔ دیدہ ور
عجم جس کے سرمے سے روشن بصر
"ز ہر درم تند و بدخو مباش
تو باید کہ باشی ، درم گو مباش

۲۔ **منوچہری دامغانی** ، استاد ابوالنجم احمد (م ۴۳۲ھ)

منوچہری کا تعلق ایران کے علاقہ دامغان سے تھا ۔ ابتدا میں وہ فلک المعالی منوچہر زیاری کے دربار سے منسلک رہا اور اس حاکم کی مناسبت سے اپنا تخلص منوچہری رکھا ۔ جب اس کی شاعری کا شہرہ دربار غزنی میں پہنچا تو سلطان مسعود بن محمود نے اسے وہاں آنے کی دعوت دی ۔ ۴۳۲ھ میں جب اس کا انتقال ہوا تو ہنوز جوان تھا ۔

منوچہری اپنی 'عربیت' کے لیے مشہور ہے ۔ اس نے بلا کا حافظہ پایا تھا ۔ کئی شعرائے عرب کے دواوین اسے ازبر تھے۔ اس کے کلام میں مغلق عربی الفاظ اور عرب ماحول جلوہ گر ہے ۔ 'خمریات' (خمر و شراب کی توصیف) اگرچہ فارسی شعراء نے پہلے بھی لکھی ہیں مگر منوچہری کا کلام اس معاملے میں اب تک منفرد مانا جاتا ہے ۔ اس ضمن میں وہ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے معاصر عرب شاعر ، حسن بن ہانی اہوازی معروف بہ ابو نواس (۱۴۵ - ۱۹۹ھ) کے غیرمعمولی طور پر زیرِ اثر نظر آتا ہے ۔ مناظر فطرت کی عکاسی منوچہری کی ایک دوسری خصوصیت ہے ۔ وہ گویا عربی کا ابو نواس اور انگریزی کا ورڈز ورتھ تھا ۔

منوچہری کو عام طور پر فارسی کی صنفِ مسمط کا بانی مانا جاتا ہے ۔ اس کے دیوان میں کئی مسمط[۵] موجود ہیں ۔ فارسی کے جملہ شعراء ازانجملہ علامہ اقبال اس صنف میں اس کے مقلد ہیں ۔ پیام مشرق میں موجود اقبال کا منظومہ 'نوائے وقت' جس کے پانچ بند اور اشعار کی تعداد بصورت مخمس دس ہے ، مسمط ہے ۔ اس کا افتتاحی بیت یوں ہے :

خورشید بہ دامانم ، انجم بگریبانم
درمن نگری ہیچم ، در خود نگری جانم

منوچہری کے دیوان کا معتد بہ حصہ ، قصائد پر مشتمل ہے ۔ ایک

---

۵ - مسمط ، تسمیط (پرونا) سے ہے ۔ یہ ہر صنف شعر میں ممکن ہے ۔ اشعار کے مصرعے عام طور پر دو مساوی اور قافیہ و ردیف والے حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں ، مثلاً حافظ کے دو شعر دیکھیں :

دلبر کہ جان فرسود ازو کام دلم نگشود ازو
نومید نتوان بود ازو باشد کہ دلداری کند
اول بہانگ نای و نی آرد بدل پیغام وی
وانگہ بیک پیمانہ می باحق وفاداری کند

مفصل قصیدہ ، جو سلطان مسعود غزنوی کے ایک وزیر کی مدح میں ہے ، اس طرح آغاز پذیر ہے :

الا یـا خیمگی خیمـہ فرو هـل
کہ پیش آهنگ بیرون شد ز منزل

اس قصیدہ کی تشبیب ، اس کے پر شکوہ الفـاظ اور تعبیرات ، عرب ماحول کی غماز و عکاس ہیں ۔ علامہ اقبال کی کتاب 'ارمغان حجاز' کے ابتدائی دو حصے آرزوئے حج اور حرمین شریفین کی زیارت کی تمنا کے آئینہ دار ہیں ۔ 'حضور رسالت مآب' سے شاعرِ مشرق کا یـہ خطاب فارسی شاعری کا ایک منفرد نعرہ ہے کہ :

بـکوی تو گـداز یـک نفس بس
مرا این ابتـدا این انتہا بس
خـرابِ جرأتِ آن رنـد پـاکم
خـدا را گفت ، مـارا مصطفٰی[۶] بس

اس حصے کی ابتدائی دو بیتی کا شعر اول ، منوچہری کا محولہ بالا شعر ہے ۔ سفر حجاز کی مناسبت سے یہ تضمین وہی شاعر پیش کر سکتا ہے جس نے منوچہری کا کلام پڑھا ہو :

"الا یـا خیمگی ، خیمہ فرو هـل
کـہ پیشاهنگ بیرون شد ز منزل"
خـرد از رانـدن محمل فرو مـاند
زمـام خویش دادم در کـفِ دل

ارمغان حجاز کے حاشیے میں تضمین شدہ شعر کا منوچہری سے انتساب اور اس شعر کے بعض الفاظ کے معانی[۶] مذکور ملتے ہیں ۔

---

۶ - "خیمگی : خیمہ نشیں ، فرو هل : چھوڑ دے ، پیش آہنگ : وہ شخص جو راہنمائی کی غرض سے قافلے کے آگے آگے چلتا ہے ۔"

۳- **ناصر خسرو** ، ابو معین حکیم حجت علوی قبادیانی (م ۴۸۱ھ)

حکیم ناصر خسرو کی شاعری مذہبی و اخلاقی مباحث پر مشتمل ہے ۔ کبھی کبھی وہ فلسفیانہ امور پر بھی اظہار رائے کرتا ہے ۔ مذہباً وہ اسماعیلی فرقے سے منسلک تھا ۔

ناصر خسرو نے غزنویوں اور سلجوقیوں کے ہاں ملازمت کی ۔ ۴۳۹ھ میں بعمر ۴۵ سال وہ سلجوقیوں کے ہاں محکمۂ مال کا ایک اعلیٰ افسر تھا کہ ملازمت ترک کر دی اور باقی عمر سیر و سیاحت اور عقائد دین کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دی ۔ اسماعیلی عقائد کی حمایت پر اس کی کتاب 'زادالمسافرین' فارسی کی معروف کتابوں میں سے ایک ہے۔ یہ بات باعث دلچسپی ہوگی کہ ناصر خسرو کی سب سے پہلی سوانح عمری خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم (م ۱۹۱۴ع) نے فارسی زبان میں لکھی اور ۱۸۸۱ع میں 'سفر نامہ خسرو' کے ساتھ دہلی سے شائع کی تھی ۔ یہ سوانح عمری اب دوبارہ[۷] چھپی ہے ۔ ۱۹۷۳ع میں مجلس ترقی ادب لاہور نے اس کا اردو ترجمہ بھی چھپوا دیا ہے ۔

اقبال کے ہاں ناصر خسرو کا ذکر صرف ایک جگہ ملتا ہے اور وہ بھی بانداز غریب ۔ جاوید نامہ کے حصہ آنسوئے افلاک میں انھوں نے ناصر خسرو کے ایک ناصحانہ 'قصیدہ' کے پانچ اشعار نقل کیے ہیں ۔ اقبال نے انھیں 'غزل' کا عنوان دیا ہے بایں تبصرہ کہ :

"نمو دار می شود روح ناصر خسرو علوی و غزلی مستانہ سرایدہ غائب می شود"

---

۷ - فرہنگ ایران زمین ۱۸/۱۳۵۱ ش ۔

یہاں علامہ نے درج ذیل پانچ شعر نقل فرمائے جن میں دو شعر[8] 'دیوان ناصر خسرو' طبع دانش گاہ تہران ۱۳۵۳ش/۱۹۷۴ع سے مطابقت نہیں رکھتے :

دست را چون مرکب تیغ و قلم کردی مدار
ہیچ غم گر مرکب تن لنگ باشد یاعرن
از سر شمشیر و از نوک قلم زاید ہنر
ای برادر ہمچو نور از نار و نار از نارون
بی ہنر دان نزد بی دین ہم قلم ہم تیغ را
چون نباشد دین نباشد کلک و آہن را ثمن
دین گرامی شد بدانا و بنادان خوار گشت
پیش نادان دین چو پیش گاو باشد یاسمن
ہمچو کرپاسی کہ از یک نیمہ زو الیاس را
کرتہ آید و ز دگر نیمہ یہودی را کفن

سیاق کلام یہاں ''حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق ، نادر شاہ افشار ، احمد شاہ ابدالی اور سلطان فتح علی ٹیپو شہید'' تھا ۔ زندہ رود[9] (اقبال) نادر شاہ افشار سے ہم کلام ہوا اور معاً ناصر خسرو کی روح نمودار ہوئی اور شعر پڑھے ۔ شاعر کی لطافت طبع ملاحظہ ہو کہ ناصر خسرو کو جسماً بادشاہ کے ہاں ظاہر نہیں فرمایا ۔ ناصر خسرو نے چونکہ

---

۸ - دست را چون مرکب تیغ و قلم ہر دو بگیر
و آنگہی اسپت بہ میدان شرف بیرون فگن
ہمچو کرپاسی کہ از یک نیمہ زو مر شاہ را
قرطہ آید وز دگر نیمہ ، جہودی را کفن

۹ - زندہ رود یا زایندہ رود ، نواح اصفہان میں بہنے والا ایک دریا ہے ۔ صائب کا ایک شعر ہے :
ای زمین ہند ، آیین برومندی بہ بند
کز صفاہان دیدہ ای چون زندہ رود آوردہ ایم

کسی بادشاہ کی مدح نہیں لکھی اور مسائل حیات کو 'دین' کے نقطۂ نظر سے دیکھتا رہا ، اس لیے اس سیاق میں اس کی روح کا نمودار ہو کر شعر پڑھنا ، دین و اخلاق کی تعلیم دینا اور بغیر کسی تبصرے کے غائب ہو جانا ، بڑا معنی خیز ہے - گویا ناصر خسرو کی روح ، وطنیت کے صنم کو پاش پاش کرنے اور رجوع الی الدین کی دعوت دے رہی ہے (دیکھیے جاوید نامہ کا سیاق و سباق) -

ناصر خسرو کے بارے میں مفصل تحقیقات ہوئیں اور ابھی جاری ہیں - ۱۹۷۴ع میں اس کے ہزار سالہ جشن ولادت (۳۹۴-۱۳۹۴ھ) کی مناسبت سے ایران میں علمی اور تحقیقی تقاریب منعقد ہوئیں -

۴ - مسعود سعد سلمان لاہوری (م ۵۱۵ھ)

مسعود بن سعد بن سلمان کا آبائی وطن ، ایران کا قدیم شہر ہمدان تھا - وہ خود لاہور میں پیدا ہوا - مسعود کے والد غزنویوں کے دربار سے منسلک رہے - شاعر کا اپنا تعلق سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی (۴۵۰-۴۹۲ھ) کے دربار سے تھا - شاہزادہ اور ولی عہد سیف الدولہ محمود اس کا خاص قدردان تھا - مسعود ، شاہزادے کے ساتھ لاہور آیا مگر بادشاہ اور شاہزادے کے درمیان ایک رنجش کی بنا پر اس پر بھی عتاب نازل ہوا - مسعود مدتوں بر صغیر کے دہک ، سُو اور نائے نام کے قلعوں میں قید رہا - اس دوران ، اس نے درد ناک 'حبسیات' (قید کے اشعار) لکھے - یہ حبسیات ، فارسی ادب کا بے نظیر سرمایہ ہیں (دیکھیے صاحب چہار مقالہ کا تبصرہ) - مسعود نے 'مستزادات' بھی لکھے ہیں - اس کے دیوان میں 'شہر آشوب' بھی ملتے ہیں - یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس لاہوری شاعر سے قبل کسی دوسرے فارسی شاعر نے شہر آشوب ،

حبسیات یا مستزادات نہیں لکھے ۔ کم از کم فی الحال ان سوگانہ ابتکارات کا بانی وہی مانا جاتا ہے ۔[۱۰]

مسعود سعد سلمان ، بے حد جرأت مند انسان تھا ۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر اپنے اشعار میں ہمیشہ جرأت ، حوصلہ ، صبر اور شکیبائی کا درس دیا اور بے ہمتی و کم حوصلگی کی کوئی بات نہ کی ۔ تقدیر کا شکوہ البتہ اس کے ہاں بھی ملتا ہے کیونکہ آخر وہ بھی مشرق ماحول کا ایک فرد تھا ۔

علامہ اقبال نے 'بال جبریل' کی درج ذیل غزل نما نظم میں مسعود سعد کی خوش آہنگی اور جرأت مندی کو خراج تحسین پیش کیا اور اس کی بظاہر ایک رباعی کو اپنے اشعار میں ڈھالا ہے ۔ شاعر کے بارے میں علامہ مرحوم کا حاشیہ ہے :

"سلمان ، مسعود سعد سلمان ، غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا"

ہے یاد مجھے نکتہ سلمانِ خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفا کش کے لیے تنگ
چیتے کا جگر چاہیے ، شاہین کا تجسس
جی سکتے ہیں ، بے روشنیٔ دانش و فرہنگ
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے ، طاؤس فقط رنگ

مسعود کے مطبوعہ دیوان میں مندرجہ مضامین سے کسی قدر ملتے جلتے اشعار ، قصائد میں ملتے ہیں مثلاً :

خرد مکن طبع نہ چرخی است خرد
تنگ مکن دل نہ جہانی است تنگ[۱۱]

---

۱۰ - سبک خراسانی در شعر فارسی (ملاحظہ ہو) - ۱۱ - ایضاً - صفحہ ۳۰۱ -

یا

مردمان زمانہ بی ہنرند
زانکہ فرہنگشان ندارد ہنگ
چنگ باز ہوا ندارد کبک
دل شیرعرین ندارد رنگ[۱۲]

ایک رباعی بھی اسی قبیل کی ہے :

من ہمت باز دارم و کبر پلنگ
زانروی مرا نشست کوہ آمدہ ننگ
روزی بسی دیدم ز چرخ دو رنگ
بر پر تذرو غلتم و سینۂ رنگ

لیکن جو رباعی اقبال کے پیش نظر تھی ، وہ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کی تالیف 'تاریخ ادبیات در ایران' (جلد ۲ صفحہ ۵۰۱) میں منقول ملتی ہے (۱۲ الف) ۔ ظاہر ہے کہ علامہ نے مسعود کے پیش کردہ مضمون کو بغایت ترقی دے دی ہے :

با ہمت باز باش و باکبر پلنگ
زیبا بگہ شکار و پیروز بجنگ
کم کن بر عندلیب و طاووس درنگ
کانجا ہمہ بانگ آمد واینجا ہمہ رنگ

۵ ۔ سنائی غزنوی ، حکیم ابوالمجد حسن مجدود (م ۵۳۵ھ) ۔

سنائی ، سلسلہ عطار و رومی کی پہلی کڑی ہیں ۔ عطار اور رومی نے انھیں خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس ضمن میں رومی سے

---

۱۲ ۔ کلیات مسعود سعد سلمان صفحہ ۳۰۳ ۔ ۱۲ (الف) مسعود کی یہ رباعی جولائی ۱۹۳۴ء کے ماہنامہ مہر مطبوعہ تہران میں بھی چھپی تھی ۔ علامہ مرحوم اور دکتر صفا کا ماخذ بظاہر یہی مجلہ رہا ہے ۔

بظاہر غلط طور پر منسوب[۱۳] مندرجہ ذیل شعر ، اکثر حضرات کو ازبر ہوگا :

عطار روح بود و سنائی دو چشم او
ما از پی سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی ، ان شعراء میں شامل ہیں جن کے کلام میں تصوف نمایاں طور پر جلوہ گر ہوا اور بعد کے متعدد شعراء نے اسی روش کی تقلید کی ہے ۔ عطار و رومی کے علاوہ تقریباً ہر متأخر شاعر نے عظمتِ سنائی کا اعتراف کیا ہے ۔ ان کے 'قصائد' اور 'قلندریات' کے مقلدین میں خاقانی شروانی اور بوعلی قلندر ایسے باکمال نظر آتے ہیں ۔ قرنِ حاضر میں ہمارے دو نامور قومی شاعروں ، مولانا حالی اور علامہ اقبال ، نے سنائی کے ساتھ خصوصی ارادت برتی ہے ۔ سنائی نے کچھ عرصہ سلطان مسعود بن ابراہیم غزنوی (۴۹۲-۵۰۸ھ) اور سلطان بہرام یمین الدولہ غزنوی (۵۱۱-۵۵۲ھ) کی مدح کی مگر بعد میں اس روش سے تائب ہوگئے ۔ دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرۃ الشعراء میں اس تبدیلی کا سبب ایک 'دیوانہ نما' ، فرزانہ کا ان پر انتقاد لکھا ہے ۔ ترکِ دربار کے بعد سنائی نے حج کیا ، متبرک مقامات کی زیارت کی ، معاصر صوفیہ سے ملے اور سلوک و تزکیہ نفس

---

۱۳ - اصل شعر مولانائے روم کے صاحبزادے ، سلطان ولد (م ۷۱۲ھ) کا ہے ۔ یاد رہے کہ مولانا نے دو شادیاں کیں اور ان کے ۳ بیٹے اور ایک بیٹی تھی ۔ بہاء الدین سلطان ولد کی مستانہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

خورشید ذرہ وار بہ چرخ است گرد ما گرچون ہلال لاغر بیمار آمدیم
اسرار فقر و شرح دقیقت زما شنو کاندر جہان ز عالم اسرار آمدیم
از حق پریم جملہ و از خود تہی تمام گردان بحکم خالق جبار آمدیم
عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پی سنائی و عطار آمدیم ۔ ۔ ۔

دیوان سلطان ولد طبع تہران صفحہ ۲۳۹-۲۴۰

کی راہ طے فرماتے رہے ۔ مدحیہ قصائد میں وہ فرخی اور منوچہری وغیرہ کے مقلد تھے۔ ان کا اپنا رنگ ، عرفانی قصائد میں جھلکتا ہے ۔ انھوں نے ایک ضخیم دیوان کے علاوہ مندرجہ ذیل چھ مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں :

حدیقۃ الحقیقۃ و شریعت الطریقۃ ، سیرالعباد الی المعاد (یا عشق نامہ) ، طریق التحقیق ، غریب نامہ (عقل نامہ) ، تجربۃ العلم اور کارنامہ بلخ ۔ مثنوی حدیقہ ، مثنوی رومی کے بعد ایک شاہکار کے طور پر معروف رہی ۔ اس کے اشعار کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے ۔ باقی پانچ مثنویوں میں سے ہر ایک کے اشعار ہزار کے قریب ہیں ۔ کارنامہ بلخ ، شاعر کے سفر بلخ کا بیان ہے ۔ باقی سب مثنویوں کا موضوع سیر روح ، سلوک و طریقت اور تزکیہ نفس ہے ۔ زندگی کے آخری ایام میں سنائی ، مسلمانوں کی خراب حالت اور ان کی بد اطواری کے خاص طور پر ناقد رہے ۔ ایک مفصل قصیدہ کا ابتدائیہ یوں ہے :

مسلمانان ، مسلمانان ، مسلمانی ، مسلمانی
ازین آیین بے دینان ، پشیمانی پشیمانی
مسلمانی کنون اسمیست برعرفی و عاداتی
دریغا ، کو مسلمانی ، دریغا کو مسلمانی

علامہ اقبال کو سنائی سے بڑی ارادت تھی ۔ مولانائے روم کی ارادتِ سنائی نے اس محبت کو دوبالا کر دیا تھا ۔ سفر افغانستان میں جب انھوں نے غزنی میں مزار سنائی کی زیارت کی ، تو فرطِ جذبات سے زار و قطار رو پڑے اور بے خود ہو گئے[۱۴] ۔ بال جبریل میں ایک

---

۱۴ ۔ سیر افغانستان تالیف سید سلیمان ندوی ۔ خود اقبال فرماتے ہیں :
در فضای مرقد او سوختم تا متاع نالۂ اندوختم

سہ جزئی منظومہ جسے شاعر مشرق نے 'افکار پریشان' کا نام دیا ، زیارت مزار سنائی کا ارمغان ہے ۔ اس نظم کا جوشِ بیان ، قابلِ ستائش ہے ۔ ابتدا میں شاعر نے لکھا ہے :

"اعلحضرت شہید . . . نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۹۳۳ ع میں مصنف کو حکیم سنائی کے مزار مقدس کی زیارت نصیب ہوئی ۔ یہ چیز 'افکار پریشان' جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے ، اسی روز سعید کی یادگار میں سپرد قلم کیے گئے :

ما از پی سنائی و عطار آمدیم"

نقل شدہ مصرع کی حقیقت بیان ہو چکی کہ رومی کا نہیں ہے ۔ سنائی کے جس قصیدہ کی طرف علامہ نے ارشاد فرمایا ، اس کا مطلع مندرجہ ذیل ہے :

مکن در جسم و جان منزل ، کہ این دونست و آن والا
قدم زین ہر دو بیرون نہ ، نہ اینجا باش و نہ آنجا

اقبال نے ۲۵ شعر کی اس نظم یا غزل مسلسل میں سنائی کے قصیدہ کے اشعار ، قوافی اور تعبیرات کا اتباع فرمایا ہے ۔ آپ نے اسے قصیدۂ سنائی کے مقابلے میں مختصر رکھا ۔ نظم کے آخری بند میں دو تین نعتیہ اشعار ضمناً لکھنے کے بعد ، آخری شعر میں علامہ فرماتے ہیں :

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لؤلوے لالا

قصیدہ مذکور میں سنائی کا ایک شعر ہے :

چو علمت ہست خدمت کن ، چو دانایان کہ زشت آید
گرفتہ چینیان احرام و مکی خفتہ در بطحا

مصرع ثانی ، اقبال کے شعر میں یوں تضمین ہوا ہے :

حضورِ حق میں اسرافیل[۴] نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا
ندا آئی کہ آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
"گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا"

سنائی کا ایک شعر ہے :

نہ صوت از بہر آن آمد کہ سوزی زہرہ زہرہ
نہ حرف از بہر آن آمد کہ دزدی چادر زہرا رض

اقبال نے اس قافیہ و ردیف سے یوں استفادہ کیا ہے :

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر رض و دلق اویس رض و چادر زہرا رض ؟

سنائی کا ارادت مندانہ ذکر اقبال کی مثنوی 'مسافر' میں بھی ہے - سنائی کے محولہ بالا قصیدہ کا ایک بیت ہے :

کہ یا رب مر سنائی را سنائی[۱۵] دہ تو در حکمت
چنان کز وی برشک آید روانِ بو علی سینا

اقبال ، روح سنائی کے جواب میں گویا اس بیت کی تحلیل فرماتے ہیں کہ :

بو علی دانندۂ آب و گل است
بی خبر از خستگیہای دل است
نیش و نوش بو علی سینا بہل
چارہ سازیہای دل از اہل دل

---

۱۵ - سناء کے معنی روشنی کے ہیں -

اقبال ایسے مفکر اور صاحب پیغام شاعر سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ وہ کلیۃً کسی کا مقلد ہوگا ، خصوصاً معنوی اعتبار سے - مثنوی مسافر میں انھوں نے سنائی سے ارادت کا اظہار کرتے ہوئے ، اپنا اور حکیم موصوف کا ایک معنی خیز موازنہ پیش کیا ہے :

آن 'حکیم غیب' آن صاحب مقام
'ترک جوشِ' رومی از ذکرش تمام
من ز 'پیدا' او ز 'پنہان' در سرور
ہر دو را سرمایہ از ذوق حضور
او نقاب از چہرۂ ایماں گشود
فکرِ من ، تقدیر مومن وا نمود
ہر دو را از حکمت قرآں سبق
او ز حق گوید ، من از مردان حق
در فضای مرقد او سوختم
تا متاع نالۂ اندوختم

اقبال نے اس 'متاع نالہ' کو 'روح حکیم سنائی از بہشت برین جواب میدھد' کے زیر عنوان ، حکیم موصوف کے پیغام سے منسوب کر دیا اور اس میں عشق و معرفت ، فقہ اور نو آفرینی نفس و وجود کے بارے میں افکار عالیہ کو بیان فرمایا ہے :

بشنود مردی کہ صاحب جستجوست
نغمۂ را کو ہنوز اندر گلوست

معاملہ واقعی ایسا ہی ہے - سنائی کے 'نغمہ در گلو' کو سننے کے لیے اقبال ایسے 'صاحب جستجو مرد' کی ضرورت تھی - مندرجہ ذیل اشعار سے واضح ہے کہ یہ افکار ، سنائی کی تصانیف میں اس آسانی و

صراحت کے ساتھ دست یاب نہیں :

راز دان خیر و شر گشتم ز فقر
زنده و صاحب نظر گشتم ز فقر
یعنی آن فقری که داند راه را
بیند از راه خودی الله را
زنده ای تا سوز او در جان تست
این نگه دارندهٔ ایمان تست
مومنان زیر سپهر لاجورد
زنده از عشق اند و نی از خواب وخورد
می ندانی عشق و مستی از کجاست ؟
این شعاعِ آفتاب مصطفیٰ ؐ است
با خبر شو از رموز آب و گل
پس بزن بر آب و گل اکسیرِ دل
مصطفیٰ ؐ بحر است و موج او بلند
خیز و این بحری بجوی خویش بند
مدتی بر ساحلش پیچیده ای
لطمه های موج او نا دیده ای
یک زمان خود را بدریا در فگن
تا روان رفته باز آید به تن
ای مسلمان جز براه حق مرو
نا امید از رحمت عالی مشو
پرده بگذار آشکارایی گزین
تا بلرزد از سجود تو زمین

۴- انوری ابیوردی ، حکیم اوحد الدین محمد (م تقریباً ۵۸۷ھ)

حکیم انوری ، مسلم الثبوت استاد ہیں ۔ غزل میں ان کے مقلدین میں سعدی ایسے اساتذہ ہیں ۔ قصیدہ میں ان کے پائے کے فارسی شاعر انگشت شمار ہیں ۔ کسی شاعر نے قصیدے میں ان کا وہی مقام متعین کیا ہے جو رومی مثنوی میں فردوسی کا ہے یا غزل میں سعدی کا :

در شعر سہ تن پیمبرانند هر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

انوری نے کچھ عرصہ خاوری تخلص رکھا ۔ اس کے بیشتر قصائد سلطان سنجر سلجوقی کی مدح میں ہیں ۔ ان کے اشعار کے الفاظ با شکوہ اور معانی دقیق ہیں ۔

قصائد کے علاوہ انوری کے اخلاقی اشعار قابلِ توجہ ہیں ۔ انھوں نے مملق کے خلاف اور دوسروں کے احسانات قبول کرنے سے اجتناب برتنے کے بارے میں کافی لکھا ہے ۔ ایک مختصر قطعہ ملاحظہ ہو :

آلودہ منت کسان کم شو
تا یکشبہ در وُثاق تو نانست
راضی نشود بہیچ بی نفی
ہر نفس کہ از نفوس انسانست
ای نفس برشتۂ قناعت شو
کآنجا ہمہ چیز نیک ارزانست
تا بتوانی حذر کن از منت
کاین منت خلق کاهش جانست

چندانکہ مروت است در دادن
در نا ستدن ہزار چندانست

انوری نے ملوکانہ استعمار کے خلاف بھی خوب لکھا ہے ، اور دور استبداد میں ایسا کرنا ، کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ سات ابیات پر مشتمل مندرجہ ذیل قطعہ آج بھی ملوک ، امراء اور حکام کے لیے وجہٴ ندامت بن سکتا ہے :

آن شنیدستی کہ روزی زیرکی با ابلہی
گفت کین والی شہر ما گدایی بی حیاست
گفت چون باشد گدا آن کز کلاهش تکمہ ای
صد چو مارا روزها بل سالها برگ و نواست
گفتش ای مسکین غلط اینک ازینجا کرده ای
آن همہ برگ و نوا دانی کہ آنجا از کجاست ؟
در و مروارید طوق اشک اطفال من است
لعل یاقوت ستامش خون ایتام شماست
او کہ تا آبِ سبو پیوستہ از ما خواستہ است
گر بجویی یا بمغز استخوانش ز آنِ ماست
خواستن گدیہٴ بداست خواهی عشرخوان گاهی خراج
ز انکہ گردہ نام باشد ، یک حقیقت را رواست
چون گدایی چیز دیگر نیست جز خواهندگی[16]
هر کہ خواهد گر سلیمان است و گر قارون گداست

اقبال نے اس قطعے کو اپنے پانچ اشعار میں ڈھالا اور انوری سے اقتباس

---

۱۶ - دیوان انوری جلد ۲ مرتبہ استاد محمد تقی مدرس رضوی صفحہ ۵۲۸ -

کرنے کا اعتراف فرمایا ۔ بالِ جبریل میں موجود اس قطعے کا عنوان 'گدائی' ہے :

میکدے میں ایک دن اک رند زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے ؟
کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا ؟
اس کے آبِ لالہ گوں کی خون دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے ؟ مرد غریب و بے نوا
مانگنے والا گدا ہے ، صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے ، میرو سلطان سب گدا

انوری کی زندگی کا ایک قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کے کسی حاسد نے اہل بلخ کی ہجو لکھی اور مشہور کر دیا کہ اس کا لکھنے والا انوری ہے ۔ انوری کا گذر جب بلخ میں ہوا تو اہل بلخ نے اس کی مرمت کر دی اور اگر قاضی حمید الدین بلخی ، مقامات حمیدی کے مصنف (م ۵۹۰ھ) آڑے نہ آتے ، تو اس کے پرخچے اڑ جاتے ۔ اس موقع پر انوری نے اہل بلخ کے نام ایک معذرت نامہ یا صراحت نامہ لکھا جس کا مطلع اس طرح ہے :

ای مسلمانان فغان از دور چرخ چنبری
و ز نفاق تیر و قصد ماہ و کید مشتری

اقبال نے اپنی مشہور نظم 'نالۂ یتیم' میں جسے انھوں نے فروری ۱۹۰۰ء میں انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں پڑھا تھا ،

اس قصیدہ کے مطلع کے مصرع اولٰی کو تضمین فرمایا ہے :

تو نے رکھا ہے کسے حرماں نصیبی سے بری
"ای مسلمانان فغان از دور چرخ چنبری"[۱۷]

انوری کے ایک دوسرے قصیدے کا مطلع ہے :

اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب
خویشتن را در چنین نعمت پس از چندین عذاب

علامہ اقبال نے بال جبریل کی ایک نظم میں مطلع مذکور کے مصرع اولٰی کو تضمین کیا ہے :

رومۃ الکبری ، دگر گوں ہوگیا تیرا ضمیر
"اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب"

اپنے ایک مقالہ 'تصوف وجودیہ' میں اقبال نے لفظ 'شمن' بمعنی بت پرست کی خاطر ، انوری کے ایک مصرع سے استناد کیا ہے :

تا سجدہ برد ہیچ شمن ہیچ صنم را[۱۸]

یہ مصرع ، انوری کے قصیدہ کے ایک شعر سے ماخوذ ہے ۔ قصیدہ کسی سلجوقی وزیر کی مدح میں ہے اور شعر یوں ہے :

خاک درت از سجدۂ احرار مجدر
تا سجدہ برد ہیچ شمن ہیچ صنم را

بہر حال ، اقبال ، انوری کی تعلیم خود داری سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔

---

۱۷ - باقیات اقبال صفحہ ۳۷ -
۱۸ - مقالات اقبال صفحہ ۱۸۳ -

خود داری ، اقبال کی اساسی تعلیم ہے اور اس کی توضیح کی ضرورت نہیں ۔

۷۔ خاقانی شروانی ، حکیم بدیل افضل الدین (م ۵۹۵ھ)

حکیم خاقانی ، قصیدے میں انوری کی ردیف کا شاعر ہے ۔ دیگر اصنافِ سخن میں بھی اس کا پایہ بہت بلند ہے ۔ اس کی ولادت ، آذر بائجان کے شہر شروان میں ہوئی ۔ متداول ، علوم و فنون میں اسے تبحر حاصل تھا ۔ اس کی ماں عیسائی تھی جو بعد میں مسلمان ہو گئی ۔ ماں کی مصاحبت کی بنا پر خاقانی کے کلام میں عیسائی روایات و اساطیر کی بھر مار ہے ۔

خاقانی کو حسان العجم کہتے ہیں ۔ 'زہدیات' اور 'قلندریات' میں وہ سنائی کا مقلد ہے :

چون فلک دور سنائی در نوشت
آسمان چون من سخن گستر بزاد

باریک بیانی ، دقیق گوئی ، ابداع مضامین اور با شکوہ الفاظ کے انتخاب میں خاقانی کو بے بدل ماننا پڑتا ہے ۔

مثنوی تحفۃ العراقین ، خاقانی کے سفر حج کا ثمرہ ہے ۔ یہ مثنوی واقعاتِ سفرِ حج اور ضمناً مضامین حکمت پر مشتمل ہے ۔ علامہ اقبال نے 'ضرب کلیم' میں خاقانی کی توصیف کی اور اسی مثنوی کے ایک شعر پر تضمین کی ہے :

وہ صاحب تحفۃ العراقین ارباب نظر کا قرۃ العین
ہے پردہ شگاف اس کا ادراک پردے ہیں تمام چاک در چاک
خاموش ہے عالمِ معانی کہتا نہیں حرف لن ترانی

پوچھ اس سے یہ خاکداں ہے کیا چیز
ہنگامۂ این و آن ہے کیا چیز
وہ محرم عالم مکافات
اک بات میں کہہ گیا ہے سو بات
"خود بوی چنین جہان توان برد
کابلیس بماند و بوالبشر مرد"

مندرجہ بالا اشعار میں خاقانی کی توصیف دیکھی جا سکتی ہے۔ 'ضرب کلیم' کی ایک نظم 'ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام' میں بھی اقبال نے مثنوی تحفۃ العراقین کے دو شعر تضمین فرمائے ہیں ۔ اپنے ایک خط میں اقبال نے توضیح فرمائی ہے[19] کہ قائد قریشی سے مراد حضرت علی ہیں اور بخاری سے ، بو علی سینا بخارائی :

دل در سخن محمدی بند
ای پور علی زبو علی چند ؟
چون دیدۂ راہ بین نداری
قائد قرشی بہ از بخاری

اپنے ایک مضمون میں بھی اقبال نے خاقانی کے دو شعر تضمین فرمائے ہیں ۔ 'اسلام اور وطنیت' کے عنوان پر لکھے جانے والے اس مقالے میں خاقانی کے اشعار کا سیاق یہ ہے کہ دین فلسفہ پر مقدم ہے ۔[20]

اپنے ایک دوسرے مضمون[21] میں اقبال نے خاقانی کے ایک

---

۱۹ - اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ -
۲۰ - حرف اقبال صفحہ آخر (۲۴۰) - اشعار یہ ہیں :
مرکب دین کہ زادۂ عرب است داغ یونانش بر کفل منہید
مشتی اطفال نو تعلیم را لوح ادبار در بغل منہید
۲۱ - مقالات اقبال صفحہ ۳۲ -

مصرع کو 'زوال' بمعنی زائل کنندہ کے استناد کی خاطر نقل کیا ہے :

ابر انعامش زوال قحط قحطان آمدہ

یہ مصرع ، خاقانی کے 'قصیدہ وداع از کعبہ و مدح خلیفہ المقتضی باللہ عباسی ، سے ماخوذ ہے ۔ پورا شعر یوں ہے :

آفتاب گوہر عباس امام الحق کہ ہست
ابر انعامش زوال قحط قحطان آمدہ

ان تضمینات اور بیانات میں اقبال اور خاقانی کی مناسبات طبع ہویدا ہیں : خاقانی ، خرد و فلسفہ پر عشق و جذبۂ دین کی برتری کا حامی ہے ۔ وہ مفکر ہے اور آشکارا ، معنی آفرینی کرتا ہے ۔ مثنوی تحفۃ العراقین ، خاقانی کے عشق رسول کی آئینہ دار ہے ۔ یہ خصوصیات اقبال کے ہاں کس قدر زیادہ ملتی ہیں !

۸۔ **نظامی گنجوی** ، حکیم ابو محمد الیاس ، جمال الدین (م تقریباً ۶۱۰ھ)

حکیم نظامی ، قادر کلام شاعر تھے ۔ ان کی پنج گنج یا خمسہ —— مخزن الاسرار ، خسرو و شیرین، لیلیٰ و مجنوں ، بہرام نامہ اور اسکندر نامہ پانچ مثنویاں —— ادب فارسی کا لازوال سرمایہ ہے۔ کتنے ہی متاخر شعراء ہیں جنھوں نے خمسۂ نظامی کا جواب لکھا ، اور نظامی کی رزم و بزم کے استادانہ بیان کا اعتراف کیا ۔ نظامی دیگر اصناف سخن کے بھی استاد ہیں ۔ ان کا کئی غزلیات کا دوسروں نے اتباع کیا ہے ، مثلاً ایک غزل کا مطلع دیکھیں جس کے قالب کئی شعراء نے اختیار کیے ہیں :

جوانی بر سر کوچ است دریاب این جوانی را
کہ شہری باز کی بیند غریب کاروانی را[۲۲]

اقبال نے دیباچہ 'پیام مشرق' میں نظامی کی مثنوی ہفت پیکر کے اس شعر کو نقل کیا ہے :

گفت کز جملۂ ولایت روس
بود شہری بہ نیکویی چو عروس

مذکورہ کتاب کا ایک قطعہ 'خرابات فرنگ' نظامی سے منسوب ایک غزل سے ہم آہنگ نظر آتا ہے ۔ اقبال کا قطعہ یوں ہے :

دوش رفتم بہ تماشای خرابات فرنگ
شوخ گفتاریٔ رندی[۲۳] دلم از دست ربود
گفت این نیست کلیسا کہ بیابی در وی
صحبت دخترک زہرہ وش و نای و سرود
این 'خرابات فرنگ' است و ز تاثیر میش
آنچہ مذموم شمارند ، نماید محمود
نیک و بد را بترازوی دگر سنجیدیم
چشمۂ داشت ، ترازوی نصاری و یہود
خوب ، زشت است اگر پنجۂ گیرات شکست
زشت ، خوب است اگر تاب و توان تو فزود
تو اگر در نگری جز بہ ریا نیست حیات
ہر کہ اندر ، گر و صدق و صفا بود نبود

---

۲۲ - دیکھیے سبک ہندی والے حصے میں نظیری کی غزل کا مطلع ۔
۲۳ - اقبال کی تصریح کے مطابق ، یہاں جرمن فلسفی نیٹشا مراد ہے جس نے مسیحی مدنیت کا خوب مذاق اڑایا ہے ۔

دعـوی صدق و صفا پردۂ نامـوس ریـاست
پیر مـا گفت مس از سـیم بیایـد انـدود
فاشں گفـتم بتو اسرار نہـانخانـۂ زیست
بکسی بـاز مـگو تـا کـہ بیابی مقصود

اب نظامی سے منسوب[۲۴] غزل کا انتخاب ملاحظہ ہو ۔ اقبال کے ہاں صرف 'فزود' اور 'اندود' دو نئے قوافی ہیں :

دوشں رفـتم بخـرابـات مرا راہ نبـود
میـزدم نالـہ و فریاد کس از من نشنود
یـا نبد ہیچکس از بـادہ فروشـان بیـدار
یا کـہ مـن ہیچ کسم ، ہیچکسم در نـگشود
پاسی از شب چـو بستند بیشترک یـا کمتر
رنـدی از غرفـہ برون کرد سـر و رخ بنمود
گفت خـیر است در اینـوقت کرا میخواہی ؟
بی محـل آمـدنت بر در مـا بہر چـہ بود ؟
گفتمش در بگشا ، گفت بـرو ہرزہ مـگو
کانـدر اینوقت کسی بہـر کسی در نـگشود
این نـہ مسجد کـہ بہر لحظہ درش بگشایند
کـہ تو دیر آئی و انـدر صف پیش استی زود
ایں خرابـات مغـانست در او مستانـد
شاہـد و شمع و شراب و دف و نی چنگ و سرود

---

۲۴ - یہ غزل نظامی گنجوی کی نہیں بلکہ دسویں و گیارھویں صدی ہجری کے کسی ملا نظامی کی ہے ۔ نظامی نام کے کئی شعراء ایران اور ہندوستان میں گزرے ہیں ۔ دیکھیے شعر و ادب فارسی صفحہ ۱۰۶ ۔

اسی وزن میں ، البتہ مختلف ردیف کے[۲۵] ساتھ ، ایک مسلسل غزل خواجہ عصمت بخارائی (م۸۲۹ھ) نے بھی لکھی ہے ۔

ضرب کلیم میں بعنوان 'جاوید سے' کے زیر عنوان ، اقبال نے ایک غزل نما نظم اور دو قطعے لکھے اور ان میں اپنے فرزند جاوید اقبال (اور ضمناً مسلمان نوجوانوں) کو قیمتی مشورے دیے ہیں ۔ اس سلسلے کے پہلے اور دوسرے منظومے میں اقبال نے نظامی کی مثنوی 'لیلیٰ و مجنوں' کے دو اشعار نقل و تضمین کیے ہیں :

غافل منشین نہ وقت بازی است
وقت ہنر است و کار سازی است
اپنے نور نظر سے کیا خوب
فرماتے ہیں حضرت نظامی
خوائی کہ بزرگ بایدت بود
فرزندی من ندارد سود

اپنے 'نور نظر' یعنی محمد نظامی سے ۔ فرزند نظامی (محمد) کی عمر مثنوی لیلیٰ و مجنوں لکھے جاتے وقت چودہ برس تھی جبکہ اقبال کے نور نظر 'ضرب کلیم' کی اشاعت اول کے وقت کوئی بارہ برس کے تھے ۔ اس دلچسپ تضمین کو سمجھنے کی خاطر، مثنوی لیلیٰ و مجنوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

ای چاردہ سالہ قرۃ العین
بالغ نظر علوم کونین

---

۲۵ - مطلع و مقطع یوں ہے :

سرخوش از کوی خرابات گزر کردم دوش
بطلب گاری ترسا بچہ ، بادہ فروش
گر ترا ہست در این شیوہ سر یکرنگی
دین و دانش بیکی جرعہ عصمت بہ فروش

آن روز کہ ہفت سالہ بودی
چون گل بچمن حوالہ بودی
واکنون کہ بچارہ رسیدی
چون سرو ، بر اوج برکشیدی
غافل منشین نہ وقت بازی است
وقت ہنر است و کار سازی است
نام و نسبت بخرد سالی است
نسل از شجر بزرگ خالی است
جائی کہ بزرگ بایدت بود
فرزندی من ندارت سود

ایک اور دلچسپ امر یہ ہے کہ نظامی نے از راہ تعلی ، یہاں اپنے آپ کو 'خاتم الشعراء' اور 'بلند نام' کہا تھا :

در شعر مپیچ و در فن او
چون اکذب اوست ، احسن او
زین فن مطلب بلند نامی
کان ختم شد است بر نظامی

اس کے مقابلے میں اقبال 'ادب برائے زندگی' کے نظریے کے تحت ، شاعری' محض کو بلند نامی کا موجب نہیں جانتے ۔ انھوں نے شاعر محض ہونے سے کئی موقعوں پر اظہار برأت کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ شاعروں کی کمی نہیں : 'صد انوری و ہزار جامی' ۔ اپنی شہرت اور منزلتِ عالی کا مدار 'صدقِ مقال' پر ہے ۔ یہ خداداد صلاحیت ہے اور موروثی نہیں :

نایاب نہیں متاعِ گفتار
صد انوری و ہزار جامی

اک صدق مقال ہے کہ جس سے
میں چشم جہاں میں ہوں گرامی
اللہ کی دین ہے جسے دے
میراث نہیں بلند نامی

ان چند مواقع کے علاوہ ، نظامی کا اقبال کے ہاں کوئی خاص انعکاس نہیں ملتا ۔

۹ ۔ **عطار نیشاپوری** ، شیخ محمد ابو حامد فرید الدین کدکنی (م ۶۱۸ھ)

عطار بالاتفاق ، سنائی کے بعد دوسرے بڑے عرفانی شاعر ہیں ۔ ان کے سوانح اور تصانیف پر کافی لکھا گیا ہے ۔ ایران کے دو معاصر نامور استادوں ، سعید نفیسی[۲۵(الف)] اور بدیع الزمان فروزانفر[۲۶] نے ان کے بارے میں جداگانہ تالیفات پیش کی ہیں ۔

عطار ایک کثیر التصانیف شخص تھے اور ان کے تقریباً جملہ آثار برصغیر ہند و پاکستان میں متداول اور موجود رہے ہیں ۔ مقبولیت کے اعتبار سے ان کی منثور کتاب تذکرۃ الاولیاء ، مثنوی منطق الطیر اور مثنوی الٰہی نامہ معروف تر ہیں ۔ اقبال نے کم از کم مذکورہ بالا دو مثنویاں اور دیوان عطار کا کچھ حصہ ضرور مطالعہ فرمایا ہوگا ۔ سنائی اور عطار ، رومی کے معنوی پیشرو تھے اور ان کا مطالعہ اقبال کے لیے ویسے بھی باعث کشش تھا ۔

اقبال ، عطار کی تقلید میں ایک 'نئی منطق الطیر' (گلشن راز جدید کے مانند منطق الطیر جدید) لکھنے کے آرزومند[۲۷] تھے ۔ جاوید نامہ

---

۲۵ (الف) ۔ جستجو در احوال و آثار عطار نیشاپوری ، تہران ۱۳۲۰ ش ۔
۲۶ ۔ شرح احوال و نقد و تحلیل آثار شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری ، دانشگاہ تہران ۱۳۴۰ ش ۔
۲۷ ۔ ترجمان خودی صفحہ ۳۵ ، تالیف پروفیسر سید محمد عبدالرشید فاضل ۔

کی تالیف نے ایک حد تک ان کی یہ آرزو پوری کر دی ۔ اس کتاب میں عطار نے ارتقاء اور حقیقت محمدی کے موضوع پر کہا ہے :

صد ہزاران سبزہ پوش از غم بسوخت
تاکہ آدم را چراغی بر فروخت
صد ہزاران خلق در تاراج رفت
تا محمد یک شبی معراج رفت

تقریباً یہی بات مثنوی اسرار خودی میں اقبال نے 'تکمیلِ خودی' کے ضمن میں یوں کہی ہے :

ہر یک گل خون صد گلشن کند
از پیٔ یک نغمہ صد شیون کند
خاستہ او نقش صد امروز ہست
تا بیارد صبح فردایی بدست
شعلہ ہائے او صد ابراہیم[۴] سوخت
تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت

منطق الطیر میں درج ذیل شعر حمدیہ ہے :

حمد بی حد مرخدای پاک را
آنکہ ایمان داد مشتِ خاک را

اقبال کے نبوت محمدی کے احساسِ امتنان[۲۸] نے مثنوی 'پس چہ باید کرد' میں اس شعر کو نعتیہ بنا دیا ۔ تصرف یافتہ صورت میں آپ نے اسے یوں نقل فرمایا ہے :

---

۲۸ - می توانی منکر یزدان شدن ۔ منکر از شأن نبیؐ نتوان شدن (جاوید نامہ)

از دم سیراب آن امی لقب
لالہ رست از ریگ صحرای عرب
او دلی در پیکر آدم نہاد
او نقاب از طلعت آدم گشاد
"حمد بیحد مر رسول پاک را
آنکہ ایمان داد مشت خاک را"

مثنوی 'گلشن راز' میں شیخ محمود نے عطار کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا :

مرا زین شاعری خود عار ناید
کہ در صد قرن یک عطار ناید

اقبال نے بھی 'گلشن راز جدید' میں اس شعر کو تضمین فرما کر عطار کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار فرما دیا ہے۔ پیام مشرق میں اقبال کی ایک دلآویز نظم (غزل نما) 'کشمیر' ہے۔ اس کے کل چھ ابیات ہیں اور اس میں شاعر نے وصف نگاری اور منظر کشی کا اعجاز دکھا دیا ہے :

رخت بہ کاشمر کشا ، کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہان جہان ببین ، لالہ چمن چمن نگر
باد بہار موج موج ، مرغِ بہار فوج فوج
صلصل و سار زوج زوج ، بر سر نارون نگر
تا نہ فتد بہ زینتش چشم سپہر فتنہ باز
بستہ بچہرۂ زمین ، برقع نسترن نگر
لالہ ز خاک بر دمید ، موج بآبجو تپید
خاک شرر شرر ببین ، آب شکن شکن نگر

زخمه به تارِ ساز زن ، باده به ساتگین بریز
قافلهٔ بهار را ، انجمن انجمن نگر
دخترکی 'برهمنی' لاله رخی ، سمن بری
چشم بروی او کشا ، باز بخویشتن نگر

اقبال کی منقولہ نظم ، بظاہر عطار کی ایک طویل مسلسل غزل کے تتبع میں ہے ۔[۲۹] اس نادر تشبیہات اور دلآویز زبان کی حامل غزل کا ایک انتخاب ملاحظہ ہو :

باد شمال می رسد ، جلوهٔ نسترن نگر
وقت سحر ز عشق گل ، بلبل نعره زن نگر
سبزهٔ تازه روی را نو خط جویبار بین
لالهٔ سرخ روی را سوخته دل چو من نگر
خیری سر فگنده را در غم عمر رفته بین
سنبل شاخ شاخ را مروهٔ چمن نگر
یاسمن لطیف را همچو عروس بکر بین
باد مشاطه فعل را جلوه گر سمن نگر
تا گل پادشاه وش تخت نهاد در چمن
لشکریان باغ را خیمهٔ نسترن نگر
هین که گذشت وقت گل، سوی چمن نگاه کن
روی نصیب صبح بین ، ابر گلاب زن نگر

معنوی اعتبار سے عطار اور اقبال کے ہاں 'شیطان' کے ذکر کا ایک خاص پہلو حیرت انگیز طور پر متشابہ ہے ۔ عطار نے یوں تو منطق الطیر اور مصیبت نامہ میں بھی شیطان کا ذکر ہمدردانہ انداز

---

۲۹ ۔ منشورات اقبال ، شائع کردہ بزم اقبال لاہور ۔

میں کیا ہے ، مگر اللّٰہی نامہ کا مقالہ ہشتم اس ضمن میں زیادہ قابلِ توجہ ہے۔ ہم اس موضوع پر ایک مقالہ[۳۰] بھی لکھ چکے ہیں کہ اقبال اور عطار کے ہاں شیطان کی تعبیرات کا ایک پہلو یکساں نوعیت کا ہے ۔ اقبال نے شیطان کے مؤحد ہونے اور اس کے طالبِ فراق ہونے نیز مقاومانہ کشمکش کے لیے اس کی اہمیت کے بارے میں کافی لکھا ہے ۔ اقبال نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیطان صاحبانِ عمل اور اہل دل سے نبرد آزمائی کرتا ہے اور کمزور ایمان والے افراد کو وہ منہ نہیں لگاتا ۔ اس کے علاوہ انکار شیطان کے طلسم اور شیطان کی صوری قربت کے بارے میں انھوں نے کافی لکھا ہے مثلاً :

آسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا

جرم ما از دانہ ای ، تقصیر او از سجدہ ای
نی بآن بیچارہ می سازی نہ با ما ساختی

تاگسستن از جہاں آسان نبود
کار بیش افگند از ترک سجود
چاک کن پیراہن تقلید را
تا بیاموزی ازو توحید را

ای خداوند صواب و ناصواب
من شدم از صحبتِ آدم خراب

---

۳۰ - سہ ماہی اقبال لاہور ، اکتوبر ۱۹۶۹ء

ہیچ گہ از حکم من سر بر نتافت
چشم از خود بست و خود را در نیافت
بندۂ صاحبِ نظر باید مرا
یک حریفِ پختہ تر باید مرا
آنکہ گوید 'از حضور من برو
آنکہ پیش او نیرزم با دو جو'

چہ شیطانی ، خرامش واژگونی
کند چشم ترا کور از فسونی
من او را مرد شیطانی شمارم
کہ گیرد چون نخچیر زبونی
حرف ضرب او مرد تمام است
کہ او آتش نسب، والا مقام است
نہ ہر خاکی سزاوار نخ اوست
کہ صید لاغری بر او حرام است
ز ما آن راندۂ درگہ خوشتر
حق او را دیدۂ ، ما را شنیدہ

اس قسم کے مضامین اب اللہی نامہ کے مقالہ ہشتم کی مختلف داستانوں میں دیکھیں :

نمی خواہند طاعت کردن من
کنند آنکہ گنہ در گردن من
محک نقد مردان در کف اوست
ز مشرق تا بہ مغرب در صفِ اوست

اگر لعنت کنندم بر دو عالم
نگردد عشق جانم ، ذره ای کم
چرا در چشم تو خرد است ابلیس
که رهزن شد بزرگان را به تلبیس
یقین میدان ، امیرانی که هستند
که صد تن را چو تو گردن شکستند
اگرچه بر سر تو پادشاهند
ولی در خیل شیطان یک گدا اند
دسی ابلیس خالی نیست زین موز
ز ابلیس لعین مردی در آموز
اگرچه لعنتی از پی در آریم
به پیش غیر او کی سر در آریم
عزیزا ، قصهٔ ابلیس بشنو
زمانی ترک کن ، تلبیس بشنو
اگرچه رانده و ملعون راهست
همیشه در حضور پادشاه است
چو لعنت می کنی او را شب و روز
از او باری مسلمانی در آموز
اگر شیطان تو گردد مسلمان
شود سحر تو فقر و کفر ایمان
اگر خواند ترا یک تن به لعنت
به یک ساعت فرو ریزی ز محنت
در آن ساعت که ملعون گشت ابلیس
زبان بگشاد در تسبیح و تقدیس

کہ لعنت خوشتر آید از تو صد بار
کہ سر پیچیدن از تو سوی اغیار . . .

۱۰- خواجہ معین الدین چشتیؒ سید سجز (م ۶۳۳ھ)

تصانیفِ اقبال میں حضرت خواجہ غریب نواز سجزی اجمیری کا ذکر دو بار ضمناً اور ارادۃً ملتا ہے ، اور تیسری بار کے ذکر میں حضرت خواجہ سے منسوب ایک شعر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے - یہ تینوں موارد بانگ درا (حصہ اول) اور اسرار خودی کے ہیں :

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس زمیں میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

سید ہجویر ، مخدوم امم
مرقد او پیرِ سنجر[۳۱] را حرم

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است
'بس بنای لا الہ گردیدہ است'[۳۲]

ہم بھی حضرت خواجہ کا ذکر تیمن و تبرک کے طور پر کر رہے ہیں -

---

۳۱ - اصل میں سجز (س ج ز) ہے جو سگز کے مانند سیستان/سگزستان وغیرہ کا مخفف ہے -
۳۲ - سرداد و نداد دست در دست یزید حقا کہ بنای لا الہ ہست حسین

حضرت خواجہ اجمیری ، بہت بڑے صوفی اور مبلغ اسلام تھے ۔ برصغیر کے مسلمانوں کو ان کی خدمات عام طور پر یاد ہیں ۔ اس خطے میں غلغلۂ اسلام ان ہی کی بابرکت مساعی کی بدولت بلند ہوا ۔ آپ کے نام کے ساتھ چند رسائل اور ایک مختصر دیوانِ فارسی منسوب ہے ۔ تقریباً گیارہ سو اشعار کا حامل یہ دیوان برصغیر میں چھپ چکا ہے مگر جیسا کہ پروفیسر محمود خاں شیرانی[۳۳] اور پروفیسر سعید نفیسی نے لکھا ہے ،[۳۴] حضرت خواجہ سے اس دیوان کا انتساب اشتباہی ہے ۔ اصل شاعر کا نام معین الدین محمد زمجی ہے اور معین الدین ہروی کے نام سے معروف ہے ۔ اس کا انتقال ۹۰۳ھ میں ہوا ہے ۔ وہ مولانا جامی کا معاصر تھا ۔ بظاہر لقب 'معین الدین' کے اشتراک سے لوگوں نے دھوکا کھایا اور اس دیوان کو حضرت خواجہ غریب نواز کے نام سے موسوم کر دیا گیا ۔ واللہ اعلم ۔

سبک خراسانی کے چند شعراء کا ضمنی ذکر :

اقبال کے ہاں قطران تبریزی اور شیخ اوحد الدین کا ضمنی ذکر ملتا ہے ۔ اس کے علاوہ فرخی سیستانی اور خواجہ انصاری کے ذکر کا قرینہ بھی موجود ہے ۔

فرخی توصیف و تمدیح کا سادہ بیان کرنے والا اور دلآویز شاعر تھا ۔ اس کے اشعار میں جوش و خروش اور نشاط و سرمستی نظر آتی ہے ۔ وہ پہلے امیر خلف بانو اور ابو المظفر چغانیاں کے درباروں سے وابستہ رہا ، پھر دربار محمودی میں آیا ۔ سلطان محمود کی اکثر مہمات میں

---

۳۳ - بحوالہ بحث و نظر صفحہ ۲۱۵ (حاشیہ) ۔
۳۴ - تاریخ نظم و نثر فارسی در ایران و در زبان فارسی جلد ۱ صفحہ ۱۵۳-۱۵۴ ۔

وہ شامل رہا اور زور دار قصیدے لکھے - ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ع میں سلطان محمود کے انتقال پر اس نے جو مرثیہ لکھا ، وہ بھی مراثی کا گل سرسبد کہلا سکتا ہے - اس کا مطلع ہے :

شہر غزنین نہ ہانست کہ من دیدم پار
چہ فتاد است کہ امسال دگرگون شدہ کار؟

اقبال نے مثنوی 'مسافر' میں غزنی کے ذکر میں دو بار 'پار' کا استعمال اس طرح کیا ہے کہ گویا وہ فرخی کے مرثیے کی طرف متوجہ اور اس لفظ کے استعمال کے ناظر ہیں :

خیزد از دل نالہ ہا بی اختیار
آہ آن شہری کہ اینجا بود 'پار'
سینہ بگشادم بآن بادی کہ 'پار'
لالہ است از فیض او در کوہسار

فرخی کا انتقال ۴۲۹ ہجری میں ہوا ہے -

قطران تبریزی (م ۴۶۵ھ) فارسی کا صاحب دیوان اور قادرکلام شاعر ہے - اس کا دیوان کئی بار چھپ چکا ہے - اقبال نے اپنے ایک مقالہ[۳۵] میں لفظ شمن (بت پرست) کے استناد کی خاطر اس کا درج ذیل شعر نقل کیا ہے :

این یکی ماند چو بوچہر شمن روی چمن
وان دگر ماند چو بر چہر صنم اشک شمن

اقبال کے ہاں ، قطران کا ذکر اسی قدر ہے -

---

۳۵ - مقالات اقبال صفحہ ۱۸۳ -

شیخ اوحد الدین کرمانی (م ۶۳۵ھ) کا ذکر اقبال نے ضمنی طور پر مثنوی اسرار خودی کے اردو دیباچے میں کیا تھا جو دوسرے اڈیشنوں سے حذف ہو چکا ہے۔ شیخ کے کلام کے بارے میں چونکہ اقبال کی رائے یہ تھی کہ یہ منفی جذبات کا حامل ہے۔ اس لیے غالباً آپ نے اسے درخور اعتنا نہ جانا۔ شیخ کے فارسی کلام[۳۶] پر جو طائرانہ نگاہ ہم نے ڈالی، اس کے ذریعے اقبال اور شیخ کے درمیان کوئی صوری یا معنوی ربط نظر نہ آ سکا۔

پیر ہرات، شیخ الاسلام خواجہ محمد عبداللہ انصاری (م ۴۸۱ھ) بڑے نامور مبلغ، واعظ، مصنف، معلم اور شاعر تھے۔ نثر فارسی میں ان کے فنی رسائل کا ایک خاص مقام ہے۔ طبقات الصوفیہ اور تفسیر کشف الاسرار و وعدۃ الابرار دراصل مواعظ کے مجموعے (امالی) ہیں۔ مؤخرالذکر کتاب، جس کی دس ضخیم جلدیں تہران یونیورسٹی نے شائع کی ہیں، کو ان کے ایک تلمیذ محمد میبدی نے ۵۲۰ھ میں مرتب کیا تھا۔ خواجہ علیہ الرحمۃ کے صوفیانہ رسائل بھی بے حد اہم ہیں۔ ان کا مزار ہرات میں ہے۔ مولانا حالی ان کے اعقاب میں سے تھے۔

ذیل کی دو بیتی خواجہ عبداللہ کے علاوہ دیگر شعراء[۳۷] سے بھی منسوب ہے لیکن بظاہر خواجہ موصوف نے ہی کہی ہوگی:

غازی ز پی شہادت اندر تک و پوست
و آنرا کہ غم تو کشت، فاضل تر ازوست

---

۳۶ - کلام، عرفاء کے تذکروں جیسے ریاض العارفین میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۳۷ - جیسے شیخ سعدی۔

فردای قیامت این بدان کی ماند
کآن کشتۂ دشمن است و این کشتۂ دوست

اقبال نے اپنے ایک مکتوب میں مندرجہ بالا دو بیتی کی ظاہری صورت کو سراہا مگر جہادِ اسلام کو جہادِ نفس کے مقابلے میں دوسرے درجے پر قرار دینے پر اس کے معانی پر اعتراض کیا ہے۔[۳۸] مگر جہاد اصغر اور جہاد اکبر کی یہ بحث حدیث نبوی ؐ سے ماخوذ ہے اور مولانائے روم نے بھی ان معانی کو بیان[۳۹] کیا ہے۔ اس کے باوجود، مندرجہ بالا دو بیتی میں چونکہ شہداء کو شہدائے نفس کے مقابلے میں فروتر دکھایا گیا ہے، اس لیے اقبال کا اعتراض بھی مؤجہ نظر آتا ہے!۔

بہرصورت، سبکِ خراسانی کے ان ۱۴ شعراء کے اجمالی ذکر کے بعد اب سبکِ عراقی کے چند شعراء کی نوبت ہے۔

---

۳۸ - اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۳۔
۳۹ - مثنوی دفتر پنجم، اشعار طبع نکلسن کے مطابق ۳۷۸۰ تا ۳۸۰۹۔

سبک عراقی کے چند شاعر اور اقبال[ح]

سبک عراقی میں مذکور 'عراق' سے مراد 'عراق عجم' ہے جو رے (مشمولہ موجودہ تہران) ، اصفہان اور آذر بائجان کے علاقوں کے لیے بولاجاتا رہا ہے مگر ساتویں صدی ہجری کے اواسط سے نویں صدی ہجری کے ربع سوم تک ایران اور برصغیر وغیرہ کے سب علاقوں میں بالعموم اسی سبک کا رواج رہا ہے - یہ فارسی کی دلآویز ترین سبک ہے اور اقبال کا بیشتر کلام اسی سبک کا آئنہ دار ہے - البتہ ناقدین کلام اقبال کے سبک کو 'سبکِ اقبال' کہتے ہیں جس کی وجہ مقدمے میں بیان ہو چکی ہے - سبک عراقی کے مندرجہ ذیل شعراء اقبال کی نثر و نظم میں کسی نہ کسی صورت میں مذکور ملتے ہیں :

رومی ، عراقی ، سعدی ، محمود شبستری ، قلندر پانی پتی ، امیرخسرو، اوحدی مراغی ، حضرت شیخ چراغ دہلوی ، خواجہ حافظ ، جامی ، بابا فغانی ، ملا جمال عرشی ، وحشی بافقی ، صحابی استر آبادی، یحییٰ شیرازی اور کمال خجندی - بعض شعراء کا ذکر ضمنی اور سرسری نوعیت کا ہے -

سبک عراقی ، شعر فارسی کی تکمیل یافتہ سبک ہے - صنائع و بدائع ، اصناف شاعری اور ابداعات کے لحاظ سے اس سبک کے شعراء

نقطۂ عروج پر پہنچ گئے اور متأخر شعراء نے اس ضمن میں کوئی خاص اضافہ نہیں کیا ۔ موضوعات کے اعتبار سے بھی یہ سبک شعر ، عمیق اور غنی ہے ۔ تغزل ، تصوف ، علم کلام، دینی و اخلاق مسائل ، فلسفہ و تمدن ، نیز واسوخت (تغزل کے برعکس) وغیرہ ، اس سبک کے شعراء کے ہاں دیکھے جا سکتے ہیں ۔ اس عصر میں شاعری بالعموم دربار سے دور رہی ۔ شعراء نے اپنے سوزِ دل اور ذوق کی بنا پر شعر کہے اور اکثریت دربار کے صلہ و تشویق سے بے نیاز رہی ۔ اس عصر میں شعر فارسی کے اساطین و اراکین عالم وجود میں آئے اور انھیں بادشاہوں یا امیروں کی سرپرستی سے چنداں سروکار نہ تھا ۔ رومی ، عراقی اور بابا فغانی کی سرپرستی کس نے کی ؟ سعدی اور حافظ کے قدردان ضرور تھے مگر انھوں نے اپنے میلان اور ذوق کے خلاف شعر نہیں لکھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عصر کے چنگیزی اور تیموری فتنے بھی اساتذہ شعراء پر بہت کم اثر انداز ہوئے ہیں ۔ بہرحال سبک عراقی کے مندرجہ ذیل پانچ بڑے خصوصیات ہیں :

۱ ۔ فارسی غزل کی صوری و معنوی تکمیل ، اس سبک کا خاصہ ہے ۔ اس ضمن میں رومی ، عراقی ، سعدی اور حافظ کے نام لکھ دینا کافی نظر آتا ہے ۔ سعدی نے بجا فرمایا ہے کہ :

ع حد ہمین است سخندانی و زیبائی را

سبک عراقی کی غزل میں ہر قسم کے موضوعات ملتے ہیں ۔

۲ ۔ صنائع لفظی و معنوی اور علمی اصطلاحات کا استعمال اس سبک شاعری کی سب اصناف کا طرہ امتیاز ہے ۔

۳ ۔ عربی کلمات اور اصطلاحات ، سبک عراقی کی شاعری میں وافر مقدار میں ملتے ہیں ۔ قادرکلام شعراء نے ان کلمات اور اصطلاحات

کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ ثقل بیان مفقود ہے۔

۴ - فقر و تصوف کے موضوعات یوں تو سبک خراسانی کے بعض شعراء کے ہاں ملتے ہیں ، مگر سبک عراقی کے بعض اساتذہ جیسے رومی ، محمود شبستری اور حافظ کے ہاں یہ موضوعات اوج کمال پر پہنچ گئے ہیں۔

۵ - تمثیلی اور مبہم (صنعت ابہام یا توریہ کے ساتھ) بیان سبک عراقی کا ایک نمایاں ہنر ہے۔ مولانائے روم کا ارشاد ہے :

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران

جیسا کہ اشارۃً کہا گیا ، اور اس حصے کا تقابلی مطالعہ بھی نمایاں کرے گا ، کلام اقبال کا بیشتر حصہ ، سبک عراقی کا مظہر ہے۔ غزل کے میدان میں اقبال نے بیشتر سبک عراق کے شعراء کی غزلیات کے قالب اپنائے اور ان میں اپنا خون جگر بھرا ہے۔ مثنوی میں بھی اقبال ، رومی ، محمود شبستری اور قلندر پانی پتی کے صوری مقلد ہیں۔ اقبال ، رومی ، محمود شبستری اور کئی دیگر مشاہیر کے مانند شعر برائے شعر سے اظہار بیزاری فرماتے ہیں۔ وہ شعر برائے زندگی کے قائل اور مؤید تھے اس کے باوجود ، خالصۃً شاعری کے نقطۂ نظر سے بھی ان کا کلام اوجِ کمال پر ہے۔ اس امر کی وضاحت ضروری ہے۔ یہاں ارتجالاً ان کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ اشعار 'سبک عراقی' کے بڑے سے بڑے شاعروں کی شاعری کے ہم پلہ ہیں :

نغمہ ام از زخمہ بی پرواستم — من نوای شاعر فرداستم
در نمی گنجد بجو عمانِ من — بحرہا باید پیٔ طوفانِ من

حسن خلاق بهار آرزوست
جلوه اش پروردگارِ آرزوست
سینهٔ شاعر تجلی زار حسن
خیزد از سینای او انوار حسن
از دمش بلبل نوا آموخت است
غازه اش رخسارِ گل افروخت است
خضر و در ظلماتِ او آبِ حیات
زنده تر از آبِ چشمش کائنات

دلا نارائی پروانه تا کی
نگیری شیوهٔ مردانه تا کی
یکی خود را بسوز خویشتن سوز
طواف آتش بیگانه تا کی
تنی پیدا کن از مشت غباری
تنی محکم تر از سنگین حصاری
درون او دلِ درد آشنای
چو جوی در کنار کوهساری
شنیدم در عدم پروانه می گفت
دمی از زندگی تاب و تبم بخش
پریشان کن سحر خاکسترم را
و لیکن سوز و ساز یک شبم بخش
هزاران سال با فطرت نشستم
باو پیوستم و از خود گسستم
و لیکن سرگزشتم این دو حرف است
تراشیدم ، پرستیدم ، شکستم

ساحل افتاده گفت ، گرچه بس زیستم
هیچ نه معلوم شد آه که من چیستم
موجی ز خود رفتهٔ تیز خرامید و گفت
هستم اگر میروم ، گر نه روم نیستم

نعره زد عشق که خونین جگری پیدا شد
حسن لرزید که صاحب نظری پیدا شد
فطرت آشفت که از خاک جهان مجبور
خودگری، خودشکنی، خودنگری پیدا شد
خبری رفت ز گردون به شبستان ازل
حذر ای پردگیان ، پرده دری پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش بآغوشِ حیات
چشم وا کرد و جهان دگری پیدا شد
زندگی گفت که در خاک تپیدم همه عمر
تا ازین گنبد دیرینه دری پیدا شد

یاد ایامی که خوردم بادهها با چنگ و نی
جام می در دست من ، مینای می در دست وی
در کنار آنی خزان ما زند رنگ بهار
ورنیائی ، فرودین افسرده تر گردد ز دی
بی تو جانِ من چو آن سازی که تارش در گسست
در حضور از سینهٔ من ، نغمه خیزد پی به پی
زنده کن باز آن محبت را که از نیروی او
بوریای ره نشینی در فتد با تخت کی

آنچه در بزم شوق آورده ام دانی که چیست ؟
یک چمن گل ، یک نیستان ناله ، یک میخانه سی
دوستان خرم که بر منزل رسید آوارۂ
من پریشان جاده های علم و دانش کرده طی

فقر مؤمن چیست ؟ تسخیر جهات
بنده از تاثیر او مولا صفات
فقر کافر خلوت دشت و در است
فقر مومن ، لرزۂ بحر و بر است
زندگی آن را سکون غار و کوه
زندگی این را ز مرگ با شکوه
آن خدا را جستن از ترکِ بدن
این خودی را بر فسان حق زدن
آن خودی را کشتن و واسوختن
این خودی را چون چراغ افروختن

مندرجہ بالا ۳۲ اشعار ، ہم نے اپنی پسند کے مطابق اپنے حافظے سے نقل کیے ہیں ورنہ علامہ مبرور کا سارا ہی کلام منتخب اور ایسا ہموار ہے کہ اس کا مجدداً انتخاب اپنے ذوق کو دھوکا دینے کے مترادف ہوگا ۔ بہرصورت اب سبک عراقی کے ان ۱۶ شعراء کا اجمالی ذکر ہوتا ہے جو تصانیف و تحریرات اقبال میں مذکور ہیں ۔

۱ - رومی (مولوی)[1]

مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی اور ان کی 'مثنوی شریف'،

---

۱ - رومی کو ایران اور ترکی میں بالترتیب مولوی اور مولانا کے خصوصی القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں ۔

مطالعہ اقبال کے ضمن کی اہم کڑیاں ہیں ۔ معاشیات کے موضوع پر اقبال کی تالیف علم الاقتصاد (طبع اول ۱۹۰۳ء) کے سوا ، ان کی کوئی منثور یا منظوم کتاب رومی کے متنوع ذکر سے خالی نہیں ہے ۔ اقبال برملا اور بار بار رومی کے فیضان کا ذکر کرتے اور اپنے آپ کو ان کا معنوی مرید قرار دیتے ہیں ۔ رومی کو انھوں نے پیرحق سرشت ، مرشد روم ، مرشد رومی اور پیر روم وغیرہ کے القاب کے ساتھ یاد فرمایا اور ان کے ساتھ غیرمعمولی ارادت دکھائی ہے ۔ جرمن پروفیسر ڈاکٹر انیماری شیمل نے اپنے ایک مقالے میں لکھا[۲] تھا کہ شمس العلماء شبلی نعمانی کی تالیف 'سوانح مولانائے روم' نے اقبال کو رومی کا گرویدہ بنایا تھا ۔ شبلی کی کتاب بعض تسامحات[۳] کے باوجود 'رومی' متکلم' کا آج بھی ایک قابلِ قدر تعارف نامہ ہے ، مگر شیمل نے محض قیاس آرائی کی ہے ۔ اقبال کا ماحول ، اور مسلمانانِ ہند کا عام ماحول بھی ، رومی کے ذکر سے معمور تھا ۔ اقبال مدت العمر تصانیف رومی ـــــ مثنوی ، دیوان کبیر اور فیہ ما فیہ[۴] ـــــ میں غوطہ زن رہے ۔ پیام مشرق کا دیباچہ مظہر ہے کہ شمس الدین افلاکی (م ۷۶۰ھ) کی 'مناقب العارفین' بھی ان کی نظر سے گزری تھی ۔

دیوان کبیر (دیوان شمس تبریزی) کی متعدد غزلیات مثنوی کے وزن میں ہیں ۔ اسی لیے اپنے ایک مکتوب مؤرخہ ۳ اپریل ۱۹۱۹ء میں اقبال مصرع زیر کے بارے میں پوچھتے نظر آتے ہیں کہ مثنوی

---

۲ ۔ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد ، فروری ۱۹۷۰ء میں میرا مترجمہ مقالہ ۔
۳ ۔ مثلاً فیہ ما فیہ کے بارے میں قیاس آرائیاں اور رومی کے متصوفانہ پہلو سے انصراف ۔
۴ ۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا عبد الماجد دریا بادی نے بار اول اس کتاب کو شائع کیا اور اس ضمن میں اقبال کا مشورہ شامل رہا ہے ۔ (دیکھیں اقبال نامہ جلد ۱ میں مولانا کے نام خط)۔

کے کس دفتر کا ہے : ع

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

اقبال فرماتے ہیں کہ اس وقت تک ، انھوں نے پوری مثنوی کا مطالعہ نہیں کیا [۵] مثنوی اسرار خودی (اور گلشن راز جدید کے سوا تمام مثنویاں ہی) کو اقبال نے مثنوی معنوی کے اسلوب پر لکھا اور اس کی تمہید میں بھی ایک مصرع دیوان کبیر (جلد ۴ بتصحیح بدیع الزمان فروزانفر) کا نظر آتا ہے : ع

ساقیا برخیز و می در جام کن

بہرصورت ، اقبال کے مندرجہ بالا خط کے حوالے سے بعض حضرات یہ قیاس کرتے ہیں کہ وہ رومی کے آثار پڑھے بغیر یوں ہی ان کے ارادت مند بن گئے تھے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے ۔ اقبال کے ہاں مثنوی کا انعکاس از دفتر اول تا دفتر ششم ہے ۔ اپنے ایک مکتوب مؤرخہ ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء بنام حکیم محمد حسین عرشی امرتسری میں علامہ نے لکھا تھا :

"... میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکا ہوں ۔ اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی" [۶]

یہ حقیقت اب مسلمہ ہے کہ عصر حاضر میں رومی کی طرف ایک جہان کے متوجہ ہونے میں اقبال کا نمایاں حصہ ہے ۔[۷] رومی کے نابغۂ روزگار ہونے کو ہر دور میں لوگوں نے قابل توجہ مانا ، مگر

---

۵ - اقبال نامہ جلد ۱ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی مرحوم ۔
۶ - ایضاً جلد دوم صفحہ ۲۷-۲۸ ۔
۷ - دیکھیں ماہ نو کراچی اپریل ۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کا مقالہ ۔

اس دور میں اقبال کی توصیفات و توجیہات نے لوگوں کو رومی کا زیادہ گرویدہ بنایا ہے ۔ اقبال کی بے پناہ عقیدتِ رومی اس امر سے ہویدا ہے کہ انھوں نے مثنوی اسرار و رموز کے بعض قوافی ، بتقلید رومی کمزور رکھے تھے (اقبال نامہ جلد ۱ ، خط بنام سید سلیمان ندوی) ۔ اس کے علاوہ کئی موقعوں پر وہ اپنی معانی آفرینی کا سہرا باصرار رومی کے سر باندھتے رہتے ہیں ۔[۸] شمس الدین افلاکی کے علاوہ خواجہ محمد پارسا نقشبندی (م ۸۲۲ھ) اور کئی دیگر حضرات نے رومی کے مناقب لکھے ، مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی توصیفات کا پلہ ان سب مناقب سے بدرجہا بھاری ہے ۔ کسی دوسرے نے رومی کی اس قدر توصیف نہیں کی ۔

رومی بلخ میں پیدا ہوئے ، آپ کے والد محمد بہاء الدین (م ۶۲۸ھ) بڑے جید عالم تھے ۔ ۶۱۷ ہجری میں انھوں نے بلخ سے ہجرت کی اور نیشاپور ، بغداد اور مکہ مکرمہ کی سیاحت و زیارت کی ۔ واپسی پر ترکی کے شہر ملاطیہ آئے ۔ چار سال بعد لارندہ اور سات سال بعد قونیہ منتقل ہوئے ۔ قونیہ سلاجقہ روم کا دارالحکومت تھا اور یہی مقام مولانا کا مدفن بنا ۔ رومی علوم عقلی و نقلی کے بڑے عالم تھے ۔ انھوں نے متاہل[۹] اور قابل احترام زندگی شروع کی ۔ مدرس تھے اور بڑے تزک و احتشام سے رہتے تھے ۔ ۶۴۲ ہجری میں شمس الدین تبریزی نام کے ایک درویش کی ملاقات نے رومی کی کایا پلٹ دی ۔ رومی و شمس تبریزی کی ملاقات کا واقعہ مختلف طریقوں سے لکھا جاتا رہا ہے ۔(۹ ا) اقبال کے ہاں (مثنوی اسرار خودی میں) بھی اسے

---

۸ ۔ 'فکر اقبال' کی تمہید میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے شواہد
۹ ۔ مولانا کے ہاں دو بیویوں سے ۳ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی تھی ۔
۹ (الف) ۔ رسالہ در احوال و آثار مولانا جلال الدین محمد ۔

دیکھا جا سکتا ہے :

آگہی از قصۂ اخوند روم
آنکہ داد اندر حلب درس علوم ؟
پای در زنجیر توجیہاتِ عقل
کشتیش طوفانی ظلمات عقل
موسی بیگانہ سینای عشق
بی خبر از عشق و از سودای عشق
از تشکک گفت و از اشراق گفت
و ز حکم صد گوہر تابندہ سفت
عقدہ ہای قول مشائین گشود
نور فکرش ہر خفی را وا نمود
گرد و پیشش بود انبار کتب
بر لب او شرح اسرار کتب
پیر تبریزی ز ارشادِ کمال[۱۰]
جست راہ مکتب ملا جلال
گفت این غوغا و قیل و قال چیست ؟
این قیاس و وہم و استدلال چیست ؟
مولوی فرمود نادان لب بہ بند
بر مقالاتِ خردمندان مخند
پای خویش از مکتبم بیرون گذار
قیل و قال است این ، ترا با وی چہ کار ؟

---

۱۰ - یعنی خواجہ کمال الدین جنیدی۔

قال ما از فهم تو بالاتر است
شیشهٔ ادراک را روشن گر است
سوز شمس از گفتهٔ ملا فزود
آتشی از جانِ تبریزی گشود
بر زمین برق نگاه او فتاد
خاک از سوزِ دم او شعله زاد
آتش دل خرمن ادراک سوخت
دفتر آن فلسفی را پاک سوخت
مولوی بیگانه از اعجاز عشق
ناشناس نغمه های ساز عشق
گفت این آتش چسان افروختی ؟
دفتر اربابِ حکمت سوختی ؟
گفت شیخ ای مسلم زنار دار
ذوق و حال است این ، ترا با وی چه کار
حالِ ما از فکر تو بالا تر است
شعلهٔ ما کیمیای احمر است
ساختی از برف حکمت ساز و برگ
از سحابِ فکر تو بارد تگرگ
آتشی افروز از خاشاک خویش
شعلهٔ تعمیر کن از خاک خویش
علم مسلم کامل از سوز دل است
معنیٔ اسلام ترک آفل است ...

رومی کے احباب میں جو ان کی شعر گوئی کے محرک بھی رہے،

صلاح الدین زرکوب اور حسام الدین چلپی قابل ذکر ہیں ۔ مثنوی رومی کا عمدہ مطبوعہ نسخہ فی الحال وہی ہے جسے آنجہانی نکلسن نے شائع کیا تھا ۔ مثنوی کے ۲۷ ہزار اشعار کے علاوہ ، دیوان کبیر کے کوئی ۶۰ ہزار اشعار، سوز و ساز رومی کے مظہر ہیں ۔ رومی فارسی کے سب سے بڑے رباعی گو بھی ہیں ۔ دیوان کبیر میں کوئی ۸ ہزار رباعیات ہیں ۔ مولانا ، اپنے عصر میں بے حد محترم و معزز تھے ۔ مرید انھیں 'خداوندگار' (مربی) کہتے تھے ۔ شعر میں رومی کا کوئی تخلص نہ تھا ۔ فیہ مافیہ ، مواعظ اور مکتوباتِ رومی کا عمق مسلم ، مگر رومی کی اہم ترین تصنیف ، مثنوی معنوی ہی ہے ۔ اس کی متعدد زبانوں[11] میں شروح لکھی گئی ہیں ۔ استاد فروزانفر مرحوم فرماتے تھے کہ انسانی فکر نے جو انگشت شمار اہم تصانیف پیش کی ہیں ، ان میں ایک یہ مثنوی ہے ۔ اقبال کے ہاں بھی بیشتر تاثرات اسی کتاب کے ہیں ، مگر آگے بڑھنے سے پہلے ، مناقبِ رومی بزبان اقبال دیکھ لیں ۔

اقبال کی توصیفات رومی

ان توصیفات کی ترتیب یہاں ، کتب اقبال کی ترتیبِ اشاعت کے مطابق ہے — اسرار و رموز ، پیام مشرق ، بانگِ درا ، زبور عجم جاوید نامہ ، بال جبریل ، ضرب کلیم ، مسافر مع پس چہ باید کرد اور ارمغان حجاز :

باز بر خوانم ز فیض پیر روم
دفتر سربستہ اسرار علوم

---

۱۱ ۔ اقبال ریویو کراچی جولائی ۱۹۷۱ء میں میری ترجمہ کردہ ، استاد فروزانفر کی توضیحات ۔

جان او از شعله ها سرمایه دار
من فروغ یک نفس مثل شرار
شمعِ سوزان تاخت بر پروانه ام
باده شبخون ریخت بر پیمانه ام
پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوه ها تعمیر کرد
ذره از خاک بیابان رخت بست
تا شعاع آفتاب آرد بدست
موجم و در بحر او منزل کنم
تا دُر تابندهٔ حاصل کنم
من که مستی با زصهبایش کنم
زندگانی از نفسهایش کنم
شب دلِ من مائل فریاد بود
خامشی از یاریم آباد بود
شکوه آشوب غم دوران بُدم
از تهی پیمانگی نالان بدم
این قدر نظاره ام بیتاب شد
بال وپر بشکست وآخر خواب شد
رومی خود بنمود پیر حق سرشت
کو بحرف پهلوی قرآن نوشت
گفت ای دیوانهٔ ارباب عشق
جرعه‌ای گیرازشراب ناب عشق...

مرشد رومی حکیم پاکزاد
سر مرگ و زندگی بر ما گشاد
مرشدرومی‌چه‌خوش فرموده است
آنکه یم درقطره اش آسوده است
مطرب‌غزلی بیتی‌از مرشد روم‌آور
تاغوطه زند جانم درآتش تبریزی

گفت رومی هر بنای کهنه[۱۲] کآبادان کنند
می ندانی اول آن بنیاد را ویران کنند

راز معنی مرشد رومی گشود
فکر من بر آستانش در سجود
روح رومی پرده‌ها را بر درید
از پس کُه پارهٔ آمد پدید
طلعتش رخشنده مثل آفتاب
شیب او فرخنده چون عهد شباب
پیکر روشن ز نور سرمدی
در سراپایش سرور سرمدی
بر لب او سر پنهانِ وجود
بندهای حرف و صوت از خود گشود
حرف او آئینه ای آویخته
عشق با سوز درون آمیخته ...

---

۱۲ - رومی کا شعر یوں ہے :
ہر بنای کہنہ کآبادان کنند اول آن بنیاد را ویران کنند

پیر رومی را رفیق راه راز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکه رومی مغز را داند ز پوست
پای او محکم فتد درکوی دوست
شرح او کردند و او را کس ندید
معنی او چون غزال از ما رمید
رقص تن[۱۳] درگردش آرد خاک را
رقص جان برهم زند افلاک را
رقص جان آموختن کاری بود
غیر حق را سوختن کاری بود
علم و حکم از رقصِ جان آید بدست
هم زمین هم آسمان آید بدست
فرد از وی صاحب جذب کلیم
ملت از وی وارث ملک عظیم

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ، ایک کلیم سر بکف
علاج آتش رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

---

۱۳ - فرقۂ مولویہ کے رقص و سماع کی طرف اشارہ ہے -

گسسته تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تو ہے نغمۂ رومی سے بے نیاز اب تک

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر
منزلش برتر ز ماہ و آفتاب
خیمہ را از کہکشاں سازد طناب
نور قرآن درمیانِ سینہ اش
جام جم شرمندہ از آئینہ اش
از نی آن نی نواز پاک باز
باز شوری در نہاد من فتاد ۔ ۔ ۔

جہد کن در بیخودی ، خود را بیاب
زود تر ، واللہ اعلم بالصواب
ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جملہ موجودات را
ہر ہلاک امت پیشین کہ بود
زانکہ بر جندل گمان بردند عود
دانند آنکو نیک بخت و محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است ۱۴۰۳/۴
عشق مور و مرغ آدم را بس است
'عشق تنہا ہر دو عالم را بس است'
معنی آن باشد کہ بستانند ترا
بی نیاز از نقش گردانند ترا

معنی آن نبود که کور و کر کند
مرد را بر نقش عاشق ترکند ۲/۷۲۰-۷۲۱
آدمی دید است و باقی پوست است
دید آن باشد که دید دوست است ۱/۱۳۰۶
جمله تن را درگداز اندر نظر
در نظر رو ، در نظر رو ، در نظر ۶/۴۶۳
چیست روباهی ؟ تلاش ساز و برگ
شیر مولا جوید آزادی و مرگ[۱۴]
بود گبری در زمان بایزید
گفت او را یک مسلمان سعید
خوشتر آن باشد که اسلام آوری
تا بیابی صد نجات و سروری
گفت این ایمان اگر ای مرید
آنکه دارد شیخ عالم بایزید
من ندارم طاقت آن تاب آن
کآن فزون آمد ز کوششهای جان ۵/۳۳۵۶ - - -
بیش نه گامی که آمد آن مقام
کاندرو بی حرف میروید کلام
غم خور و نان غم افزایان مخور
زانکه عاقل غم خورد کودک شکر ۳/۴۵۱۳
خود بدانی قدر تن از جان بود
قدر جان از پرتو جانان

---

۱۴ - پورا شعر یوں ہے :
شیر دنیا جوید اشکاری و برگ شیر مولا جوید آزادی و مرگ

تـا مسلمان بـاز بـیند خـویش را
از جهـانی برگزیـند خویـش را
مال را گر بهر دین باشی حمول
نعم مـال صالح گویـد رسـول ص ۱/۹۸۴
رزق از حق جو ، مجو از زید و عمر
مستی از حق جو ، مجو از بنگ و خمر
گل مخر ، گل را مخـور ، گل را مجـو
زانکه گل خـوار است دائم زرد رُو
دل بجـو تـا جاودان بـاشی جـوان
از تجـلی چهـره ات چـون ارغـوان ۲/۲۴۴۱-۲۴۴۲
بنده باش و بر زمین رو چون سهنـد
چـون جـنازه نی کـه برگردن برند
اهل دین را بـاز دان از اهل کـین
هم نشین حـق بجـو ، بـا او نشین
کـه نبایـد خورد و جو همچو خزان
آهوانـه در خـتن چـر ارغـوان ۵/۲۴۷۳، ۲۴۷۸
هر که کاه و جو خورد قربان شـود
هر که نور حق خورد ، قرآن شـود
خشک مغز[۱۵] و خشک تار و خشک پوست
از کجـا میـایـد این آواز دوست !
بـر سماع راست هر کـس چیر نیست
طعمـهٔ هر مرغکی انجیر نـیست ۱/۲۷۶۳

---

۱۵ - بال جبریل ، پیر رومی و مرید ہندی - مثنوی کے متعدد نسخے ہم نے دیکھے ، مگر یہ شعر ملا نہیں -

دست هر نااهل بیارت کند
سوی ما در آ که تیارت کند
ز آتش مردان حق می سوزمت
نکته ای از پیر روم آموزدت
نکته ها از پیر روم آموختم
خویش را در آتش او سوختم

بکام خود دگر آن کهنه می ریز
که با جامش نیرزد ملک پرویز
ز اشعار جلال‌الدین رومی
به دیوار حریم دل بیاویز
بگیر از ساغرش آن لاله رنگی
که تاثیرش دهد لعلی به سنگی
غزالی را دل شیری به بخشد
بشوید داغ از پشتِ پلنگی
نصیبی بردم از تاب و تب او
شبم مانند روز از کوکب او
غزالی در بیابان حرم بین
که ریزد خندهٔ شیر از لب او
سراپا درد و سوز آشنائی
وصال او زبان دان جدائی
جمال عشق گیرد از نی او
نصیبی از جلال کبریائی

گره از کار این ناکاره وا کرد
غبار رہگذر را کیمیا کرد
نِی آن نیَ نوازی پاکبازی
مرا با عشق و مستی آشنا کرد
بروی من در دل باز کردند
زخاک من جہانی ساز کردند
ز فیض او گرفتم اعتباری
کہ با من ماہ و انجم ساز کردند

اقبال نے اپنے انگریزی خطبات اور دوسری تحریروں میں بھی رومی کو خراج تحسین پیش کیا ہے ۔ ایک خط میں (دیکھیے حوالہ نمبر ٦) آپ نے لکھا ہے :

"مثنوی رومی کے پڑھنے سے اگر قلب میں گرمئی شوق پیدا ہو جائے ، تو اور کیا چاہیے ؟ شوق خود مرشد ہے ۔ ۔ ۔"

تضمینات و منقولہ اشعار و مصاریع

تضمینات کے ضمن میں اقبال اردو و فارسی شعراء میں ممتاز ہیں مگر ان کے ہاں فارسی کے ہر شاعر سے زیادہ ، اشعار رومی کی تضمینات ملتی ہیں۔ رومی کے کئی اشعار اور مصرعے اقبال کے ہاں چند بار تضمین ہوئے ہیں ۔ یہ تضمینات دراصل تعلیاتِ رومی کا زبدہ اور عصارہ (نچوڑ) ہیں اس لیے ان سب کو یہاں نقل کر دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا ۔ مثنوی نسخۂ نکلسن کے مطابق ، بعض اشعار کے الفاظ مختلف ہیں مگر ہم اشعار کو تصانیف اقبال کے مطابق نقل کر رہے ہیں ۔ کچھ اشعار دیوان کبیر کے بھی ہیں :

خوشتر آن باشد که سر دلبران
گفته آید در حدیث دیگران (دفتر اول ۱۳۶)

علم را برتن زنی ماری بود
علم را بر جان زنی یاری بود
در درونم سنگ و اندر سنگ نار
آب را بر نار من نبود گذار
هر کسی از ظن خود شد یار من
و ز درونِ من نجست اسرارِ من ۶/۱
نکته ها چون تیغ پولادست تیز
گر نداری تو سپر از ما گریز[۱۵الف]

۶۹۱/۱

نور حق را کس نجوید زاد و بود
خلعت حق را چه حاجت تار و پود ۱۰۳۹/۴
مسکن یار است و شهر شاه من
پیش عاشق این بود حب‌الوطن ۳۸۰۷/۳
مگسل از ختم رسل ایام خویش
تکیه کم کن بر فن و برگام خویش
نقش حق را هم بامر حق شکن
بر زجاج دوست سنگ دوست زن
ظاهر نقره گر اسپیدست و نو
دست و جامه هم سیه گردد ازو ۴۴۹/۱

---

۱۵ الف) - نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل (اقبال ، بال جبریل)

مرغ پر نارسته چون پران شود
طعمهٔ هر گربهٔ دران شود ۱/۵۸۳
قلب پهلو می زند با زر به شب
انتظار روز می دارد ذهب ۱/۳۲۹۴
ظاهرش را پشه ای آرد بچرخ
باطنش آمد محیط هفت چرخ
تا دل صاحب دلی نامد بدرد
هیچ قومی را خدا رسوا نکرد
زیرکی بفروش و حیرانی بخر
زیرکی ظن است و حیرانی نظر ۴/۱۴۰۷
بندهٔ یک مرد روشن دل شوی
به که بر فرق سر شاهان روی
بال بازان را سوی شاهان برد
بال زاغان را به گورستان برد ۶/۱۴۴۴
مصلحت در دین ما جنگ و شکوه
مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوه ۶/۴۹۴
پس قیامت شو قیامت را ببین
دیدن هر چیز را شرط است این ۶/۷۵۶
آن که ارزد صید را عشق است و بس
لیکن او کی گنجد اندر دام کس
دانه باشی مرغکانت برچنند
غنچه باشی کودکانت برکنند
دانه پنهان کن سراپا دام شو
غنچه پنهان کن گیاه بام شو ۱/۱۸۳۳ ...

تو همی گوئی مرا دل نیز هست
دل فراز عرش باشد ، نی به پست
تو دل خود را دلی پنداشتی
جستجوی اهل دل بگذاشتی ۳/۲۳۴۵، ۲۳۶۳
آن که بر افلاک رفتارش بود
بر زمین رفتن چه دشوارش بود ؟
علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و رقت آید از نان حلال ۱/۱۶۴۴
خلوت از اغیار باید نی ز یار
پوستین بهر دی آمد ، نی بهار ۲/۲۵
کار مردان روشنی و گرمی است
کار دونان ، حیله و بی شرمی است ۱/۳۲۰

پیکر از ما هست[16] شد نی ما ازو
باده از ما مست شد نی ما ازو
دفتر صوفی سواد و حرف نیست
جز دل اسپید مثل برف نیست
زاد دانشمند آثار قلم
زاد صوفی چیست آثارِ قدم
همچو صیادی موی اشکار شد
گام آهو دید و بر آثار شد

---

۱۶ - اس شعر سے آغاز پذیر ۱۱ اشعار علامہ مرحوم کے انگریزی خطبات میں سے منقول ہیں - بعض اشعار کا آپ نے صرف انگریزی ترجمہ درج فرمایا ہے -

چند گامش گام آهو در خور است
بعد ازان خود ناف آهو رهبر است
راه رفتن یک نفس بر بوی ناف
خوشتر از صد منزل گام و طواف ۲/۱۵۹ ...

از جمادی مردم و نامی شدم
و ز نما مردم بحیوان بر زدم
مردم از حیوانی پس و آدم شدم
پس چه ترسم کی ز مردن کم شدم
حمله دیگر بمیرم از بشر
تا بر آرم از ملایک پر و سر
بار دیگر از مَلک قربان شوم
آنچ اندر وهم ناید آن شوم
پس عدم گردم ، عدم چون ارغنون
گویدم که انا الیه راجعون ۳/۳۹۰۲ ...

هر خیالی را خیالی میخورد[۱۷]
فکر هم بر فکر دیگر می چرد ۵/۷۲۹
کرده ای تأویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن ، نی ذکر را[۱۸]

به خرد راه عشق می پوئی ؟
به چراغ آفتاب می جوئی ؟

---

۱۷ - اقبال نامه جلد ۲ -
۱۸ - مکتوبات اقبال مرتبه سید نذیر نیازی صفحه -

بگشائی لب که قند فراوانم آرزوست[۱۹]
بنمای رخ که باغ و گلستانم آرزوست
یک دست جام باده و یک دست زلف یار
رقص چنین میانهٔ میدانم آرزوست
گفتی ز ناز بیش مرنجان مرا ، برو
آن گفتنت که 'بیش مرنجانم' آرزوست
ای عقل تو ز شوق پراگنده گوی شو
ای عشق نکته های پریشانم آرزوست
این آب و نان چرخ چو سیل است بیوفا
من ماهیم ، نهنگم و عمانم آرزوست
جانم ملول گشت ز فرعون و ظلم او
آن نور حبیب موسی عمرانم آرزوست
دی شیخ با چراغ همی گشت گرد شهر
کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست
زین همرهانِ سست عناصر ، دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم که بافت می نشود جسته ایم ما
گفت آنکه یافت می نشود آنم آرزوست
شعلهٔ در گیر زد بر خس و خاشاک من
مرشد رومی که گفت 'منزل ما کبریاست'[۲۰]

---

۱۹ - رومی نے اس قالب میں دو دوسری غزلیں بھی کہی ہیں اور یہ سب بظاہر شیخ روزبہان بقلی شیرازی (م ۶۰۶ ھ) کی ایک غزل کے تتبع میں ہیں - ملاحظہ ہو المعارف فروری ۱۹۷۰ء میں میرا مقالہ -

۲۰ - خود ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم
زین دو چرا نگذریم منزل ما کبریاست

با نسیم آواره بودم در نشاط
'بشنو از نی،[۲۱] می سرودم در نشاط
همچو نی از نیستان خود حکایت می کنم
بشنو ای گل ، از جدائیها شکایت می کنم
آن حکیم غیب ، آن صاحب مقام
'ترک جوش' رومی[۲۲] از ذکرش تمام
عطار روح بود و سنائی دو چشم او
ما از پی سنائی و عطار آمدیم[۲۳]

رومی کا تتبع و استقبال :

اقبال کے ہاں رومی کے صوری اور معنوی تتبع کی کافی مثالیں موجود ہیں :

رومی : هر نفس آواز عشق می رسد از چپ و راست
ما بفلک می رویم ، عزم تماشا کراست
خود ز فلک برتریم و ز ملک افزون تریم
زین دو چرا نگذریم ، منزل ما کبریاست

اقبال : گریهٔ ما بی اثر ، نالهٔ ما نارساست
حاصل این سوز و ساز ، یک دل خونین نواست

رومی : بگشای لب که قند فراوانم آرزوست
بنمای رخ که باغ و گلستانم آرزوست

---

۲۱ - یہ اور بعد کا شعر مثنوی کے بیت آغازی کا ناظر ہے ۔
۲۲ - ترک جوشش کردہ ام من نیم خام ۔ از حکیم غزنوی بشنو تمام
۲۳ - بیت از بہاء الدین محمد معروف بہ بہا ولد (م ۶۱۲ ھ) ، فرزند رومی ۔ عجیب ہے کہ یہ بیت رومی کے نام سے شہرت پا گیا ہے ۔ (دیکھیے سنائی کا ذکر سبک خراسانی کے ذیل) ۔

اقبال : تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا که مسلک شبیرم آرزوست

رومی : اگر دل از غم دنیا جدا توانی کرد
نشاط و عیش بباغ بقا توانی کرد

اقبال : درون لاله چون صبا توانی کرد
بیک نفس گرهِ غنچه وا توانی کرد

رومی : چمنی که تا قیامت گل او بهار بادا
صنمی که بر جمالش در جهان نثار بادا

اقبال : عرب از سرشک خونم همه لاله زار بادا
عجم رمیده بو را نفسم بهار بادا

رومی : جانان ، نظری فرما چون جان نظر های
چون گویم دل بردی چون عین دلِ مائی

اقبال : این گنبد مینائی ، این پستی و بالائی
در شد بدل عاشق با این همه پهنائی

رومی : بباغ آئیم فردا جمله یاران
همه یاران همدل همچو یاران

اقبال : زمستان را سر آمد روزگاران
نواها زنده شد در شاخساران

رومی: ای یار مقام دل ، پیش او دمی کم زن
زخمی که زنی بر ما مردانه و محکم زن

اقبال : با نشهٔ درویشی در ساز و دمادم زن
چون پخته شدی خود را بر سلطنت جم زن

رومی : پرده بردار ای حیات و جان جان افزای من
غمگسار و همنشین و مونس شبهای من

اقبال : شعله در آغوش دارد عشق بی پروای من
بر نخیزد یک شرر از حکمت نازای من

رومی : من بی خود و تو بیخود ما را که برد خانه
من چند ترا گفتم کم خور دو سه پیمانه

اقبال : فرق نه نهد عاشق در کعبه و بت خانه
این جلوت جانانه ، آن خلوت جانانه

رومی : ای شادی آن روزی کز راه تو باز آئی
در روز که جان تابی چون ماه ز بالائی

اقبال : این گنبد مینائی ، این پستی و بالائی
در شد بدل عاشق باین همه پهنائی

رومی : هر خیالی را خیالی می خورد
فکر هم بر فکر دیگر می چرد

اقبال : زیر گردون آدم ، آدم را خورد
ملتی بر ملت دیگر چرد

رومی : گر نفرمودی قصاصی بر جناة
یا نگفتی فی القصاص آمد حیاة

اقبال : گفت قاضی فی القصاص آمد حیات
زندگی گیرد با این قانون ثبات

رومی : کرده ای تاویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن نی ذکر را

خویش را تاویل کن نه اخبار را
مغز را بـه گوی نی گلزار را
بر هوا تاویل قـرآن می کنی
پست و کج شد از تو معنی سنی (دفتر اول)

اقبال : زمـن بـر صوفی و ملا سلامی
که پیغـام خـدا گفتند مـا را
ولی تاویل‌شان در حیرت انداخت
خـدا و جـبریل و مصطفیٰ را

(یا) خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ یہ پیران حرم بے توفیق

رومی : آن که شیران را کند روبـه مزاج
احتیـاج است احتیـاج است احتیاج

اقبال : حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
حاجت ہے کرتی شیروں کو روباہ

رومی : کل یوم هـو فی شأن بخوان
مرورا بی کار و بی فـعلی مدان ۳۰۷۱/۱

اقبال : راز هـا با مرد مومن باز گوئی
شرح رمز کل یـوم باز گـوئی

رومی : اندرین وادی مرو بی این دلیل
لا احب الآفلین گو چون خلیل

اقبال : جهان یکسر مقـام آفـلین است
درین غربت سرا عرفان همین است

اس کے علاوہ اقبال کی متعدد مستانہ فارسی غزلوں کا لب، و لہجہ مولانائے روم کی غزلوں کے انداز پر ہے۔ ہم یہاں علامہ مرحوم کی چند ایسی غزلیات کے مطلعے یا بعض دوسرے اشعار نقل کر رہے ہیں :

این جہان چیست؟صنم‌خانہ پندار من است
جلوہ او گرو دیدۂ بیدار من است
درون سینۂ ما سوز آرزو ز کجاست ؟
سبو ز ماست، ولی بادہ در سبو ز کجاست؟
سوز سخن ز نالۂ مستانۂ دل است
این شمع را فروغ ز پروانۂ دل است

بدہ آن دل کہ مستی ہای او از بادۂ خویش است
بگیر آن دل کہ ازخود رفتہ و بیگانہ اندیش است
صد نالہ شب گیری ، صد صبح بلا خیزی
صد آہ شرر ریزی ، یک شعر دل آویزی
علمی کہ تو آموزی مشتاق نگاہی نیست
واماندہ راہی ہست ، آوارۂ راہی نیست
ما از خدای گم شدہ ایم او بجستجوست
چون ما نیازمند و گرفتار آرزوست
کف خاک برگ و سازم برہی فشانم او را
با میدانیکہ روزی بفلک رسانم او را
از ہمہ کس کنارہ گیر صحبت آشنا طلب
ہم ز خدا خودی طلب، ہم ز خودی خدا طلب
مثل شرر ذرہ را تن بہ تپیدن دہم
تن بہ تپیدن دہم ، بال پریدن دہم

من بـندهٔ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من ، عقل است غلام من
صورت نپرستم من بت خانـه شکستم من
آن سیل سبک سیرم ، هر بند گسستم من
موج را از سینهٔ دریا گسستن می توان
بحر بی پایان بجوی خویش بستن می توان
بی تو از خواب عدم دیده گشودن نتوان
بی تو بودن نتوان ، با تو نبودن نتوان
چو خورشید سحر پیدا نگاهی میتوان کردن
همین خاک سیه را جلوه گاهی می توان کردن
بجهـان درد مندان تو بگو چـه کار داری ؟
تب و تاب ما شناسی ؟ دل بی قـرار داری ؟
از چشم سـاقی ، مست شرابم
بی می خرابم ، بی مـی خـرابم
این هم جهانی ، آن هم جهانی
این بـیکرانی ، آن بـیکرانی

اقبال اپنے آپ کو 'رومئی عصر' کہتے ہیں اور بوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) نیز امام فـخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) کے فلسفیانہ و متکلمانہ مباحث پر تمثیلات رومی کو ترجیح دیتے ہیں :

چـو رومی در حرم دادم اذان من
از و آمـوختم اسرار جـان من
بـدور فتنـهٔ عصر کهن او
بـدور فـتنهٔ عصرِ روان من

شرارۂ جستہ ای گیر از درونم
کہ من مانند رومی گرم خونم

بوعلی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردۂ محمل گرفت
حق اگر سوزی ندارد حکمت است
شعر می گردد چو سوز از دل گرفت

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی ، کبھی پیچ و تاب رازی
نہ مہرہ باقی ، نے مہرہ بازی
جیتا ہے رومی ، ہارا ہے رازی

علاج ضعف یقین اس سے ہو نہیں سکتا
غریب گرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق
چو مرمۂ رازی را از دیدہ فرو شستم
تقدیر امم دیدم پنہان بکتاب اندر
مرا از منطق آید بوی خامی
دلیل او دلیل نا تمامی
برویم بستہ درہا را گشاید
دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اقبال اپنے آپ کو ، رومی کے مانند ، بت شکن قرار دیتے ہیں ۔ بت شکنی ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے انجام دی تھی ، مگر صوفیہ نے نفس شکنی کو بھی تمثیلاً بت شکنی قرار دیا کیونکہ ان کی نظر میں ہر وہ چیز 'بت' تھی جو توجہ الی الحق میں مانع ہو ۔

رومی نے قرن ہفتم ہجری میں خوف و ہراس ، مال و منال سے بیجا بیزاری ، توکل کے غلط مفہوم کا سہارا لینے، کاہلی و بے عملی برتنے اور خشک تفلسف و تقشف کو مرجع آمال قرار دینے والے اصنام کا قلع قمع کیا ۔ اقبال نے بھی عصر حاضر میں مادیت ، تشکک، الحاد ، بے عملی ، ہوس دولت اور ترس مرگ کے بت توڑے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ (جزوی تشبیہ کا سہارا لے کر) اپنے آپ کو بت شکن یا خیبر شکن قرار دیتے ہیں :

عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل[۴]
بیا کہ مثل خلیل[۴] این طلسم در شکنیم
کہ جز تو ہر چہ درین دیر دیدہ ام، صنم است
طلسم عصر حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانند براھیم
بنا را و چہ بی پروا نشستم

بزبان رومی فرماتے ہیں :

جز تو ای دانای اسرار فرنگ
کس نکو نہ نشست در نار فرنگ
باش مانند خلیل اللہ مست
ہر کہن بت خانہ را باید شکست
تا می از میخانۂ من خوردہ ای
کہنگی را از تماشا بردہ ای

معنی دین و سیاست باز گوی
اہل حق را زین دو حکمت باز گوئی

بہر صورت ، اقبال نے عصر حاضر میں تعلیماتِ رومی کو عام کرنے کی خاطر انتھک کوشش کی تاکہ پیران حرم ، صحنِ حرم میں رہیں اور صحنِ کلیسا (افرنگ نوازی) سے دامن کشاں اور توبہ کناں اٹھ آئیں ۔ مثنوی مسافر کی غزلِ واحد کا مندرجہ ذیل شعر ہمارے مدعا کو واضح کر دے گا :

وقت است کہ بگشایم میخانۂ رومی باز
پیران حرم دیدم در صحنِ کلیسا مست

اب مناسب ہوگا اگر رومی و اقبال کے پسندیدہ مشترک موضوعات کی ایک جھلک دیکھ لیں ۔

مرغوب مشترک موضوعات :

رومی و اقبال کا پہلا مشترک موضوع 'قوت اشراق' یعنی باطنی حواس کا قائل ہونا ہے ۔ یہ موضوع یوں تو سب صوفیہ نے بیان کیا کہ ذکر کے ذریعے باطنی حواس کے اشراق کا امکان ہے اور باطنی قویٰ ایسے حقائق کے ادراک میں مدد دیتے ہیں جو حواس خمسہ کے بس میں نہیں ، مگر رومی و اقبال نے اس مضمون کو صدہا انداز میں بیان کیا اور بڑے لطیف معانی پیدا کیے ہیں ۔ ان حضرات کے ہاں یہ مدعا قلب ، دل ، نظر ، ضمیر اور بالخصوص 'عشق' کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوا ہے ۔ اقبال فرماتے ہیں :

ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

رومی کے ہاں 'عشق' بڑے وسیع معانی رکھتا ہے اور اقبال کے ہاں، بلا مبالغہ ، اس سے بھی وسیع تر - اقبال نے عشق کے جزئیات اور اسالیبِ بیان میں بہت کچھ اضافے فرمائے مگر کلیات وہی رومی والے نظر آتے ہیں یعنی دونوں کے نزدیک 'عشق' ایک ایسی قوت ہے جو کائنات کے ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے اور اس سے محیرالعقول کارنامے وجود میں لائے جا سکتے ہیں - عشق ، جرأت و ہمت کا سرچشمہ ہے - اسے عواقب و مہالک کا خطرہ نہیں - عشق ، فیصلہ کرنے میں عقل کے مانند متذبذب اور متردد نہیں - اسے حیلہ تراشیوں اور مکاریوں سے غرض نہیں - وہ بے باکی ، درست کاری اور سعی پیہم سکھاتا ہے - اقبال کے تصور خودی کا عنصر لازم یہی عشق ہے - بہرصورت ، عشق یا اس کے مرادفات کے تلازمات کے پردے میں رومی و اقبال نے فلسفیوں ، متکلموں ، فقہاء اور دیگر موشگافوں اور مصلحت اندیشوں پر انتقادات لکھے ہیں - دونوں کے نزدیک اس کائنات کے تحرک اور کارزارِ حیات کی گرمی کا اہم عنصر 'عشق' ہے - انبیاء کرام[۴] ، عشق کے مبلغ رہے ہیں - پس مومن واقعی اور عاشق ، مرادف کلمات ہیں - رومی و اقبال نے صدہا بلکہ ہزارہا اشعار 'عشق' کی توصیف میں لکھے ہیں - پھر بھی ایک انتخاب پیش کر دینا قابلِ معذرت نہ ہوگا :

رومی : آتش عشق است کاندر نی فتاد
جوشش عشق است کاندر می فتاد
جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد
شاد باش ای عشق خوش سودای ما
ای طبیب جملہ علتہای ما

ای دوای نخوت و ناموس ما
ای تو افلاطون و جالینوس ما
عقل در شرحش چو خر در گل بخفت
شرح عشق و عاشقی هم عشق گفت
پر و بال ما کمند عشق اوست
موکشانش میکشد تا کوی دوست
علت عاشق ز علتها جداست
عشق اصطرلاب اسرار خداست
با دو عالم عشق را بیگانگی است
و اندر آن هفتاد و دو دیوانگی
غیر هفتاد و دو ملت کیش او
تخت شاهان تخته بندی پیش او
پس چه باشد عشق دریای عدم
در شکسته عقل را آنجا قدم
تو بیک خواری گریزانی ز عشق
تو بجز نامی چه میدانی ز عشق
عشق را صد ناز و استکبار هست
عشق با صد ناز میآید بدست
دور گردون را ز موج عشق دان
گر نبودی عشق بفسردی جهان
کی جمادی محو گشتی در نبات
کی فدای روح گشتی نامیات
روح کی گشتی فدای آن دمی
کز نسیمش حامله شد مریمی

هر یکی بـر جـا فسردی هـمچو یخ
کی بـدی پران و جویان چون ماخ
ذره ذره عـاشقـان آن جمال
می شتـابـد در عـلو هـمچو نهال
عشق جوشد بحـر را مـانند دیگ
عشق سایـد کوه را مانـند ریگ
عشق بشکافـد فلک را صد شکاف
عشق لرزانـد زمین را از گـزاف
با محـمدؐ بـود عشق پاک جفت
بهر عشق او را خدا 'لولاک' گفت
گـر نـبودی بهر عشق پاک را
کی وجودی داد می افلاک را
من بـدان افـراشتم چرخ سنی
تا علو عشق را فـهمی کـنی . . .
عـاشقم من بـر فن دیوانگی
مـیرم از فرهـنگی و فـرزانگی
عشق می گوید بگوشم پست پست
صید بودن خوشتر از صیـادیست
بال نی و گـرد عالم می پرنـد
دست نی و گوز مـیدان می برنـد
عـاشقان را کار نـبود باوجود
عاشقـان را هست بی سرمـایه سود
عشق آن شعله است کوچون برفروخت
هر چه جز معشوق باقی جمله سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر آخر که بعد لا چه ماند
ماند الا الله و باقی جمله رفت
شاد باش ای عشق شرکت سوز رفت
خود هم او بود اولین و آخرین
شرک جز از دیدهٔ احول مبین
آن طرف که عشق میافزود درد
بوحنیفه و شافعی درسی نگفت
عاشقان را هر زمانی مُردنیست
مردن عشاق خود یکنوع نیست
آزمودم مرگ من در زندگیست
چون رهم زین زندگی پایندگیست
ای حیات عاشقان در مردگی
دل نیابی جز که در دل بردگی
عاشقان را هر نفس سوزیدنیست
بر دهِ ویران خراج و عشر نیست
ملت عشق از همه دینها جداست
عاشقان را مذهب و ملت خداست
هست صوفی صفا چون ابن وقت
وقت را همچون پدر بگرفته سخت
لیک صافی غرق عشق ذوالجلال
ابن کس نی ، فارغ از اوقات و حال
غرقهٔ نوری که او لم یولد است
لم یلد لم یولد آن ایزد است

رو چنین عشقی گزین گر زنده ای
ورنه وقت مختلف را بنده ای
منگر اندر نقش زشت و خوب خویش
بنگر اندر عشق و بر مطلوب خویش
منگر این را که حقیری یا ضعیف
بنگر اندر همت خود ای شریف
عاشقم من کشتهٔ قربانی لا
جانِ من نوبت گه طبل بلا
ای حریفان من از آنها نیستم
کز خیالاتی در این ره بیستم
من چو اسماعیلیانم بی حذر
بل چو اسماعیل[۴] آزادم ز سر
عشق ز اوصاف خدای بی نیاز
عاشقی بر غیر او باشد مجاز
ز آنکه آن مس زر اندود آمدست
ظاهرش نور اندرون دُود آمدست
چون رود نور و شود پیدا دخان
بفسرد عشق مجازی آن زمان
چون شود پیدا دخان غم فزا
بفسرد ، نی عشق ماند نی هوا
عشق ربانیت خورشید کمال
امر نور اوست ، خلقان چون ظلال
عاشقی کز عشق یزدان خورد قوت
صد بدن پیشش نیرزد تره توت

عاشقِ عشق خدا وانگاه مزد ؟
جبرئیل[۴] مؤتمن وانگاه دزد ؟
عاشق آن لیلیٰ کور و کبود
ملک عالم پیش او یک تره بود
از محبت تلخها شیرین شود
از محبت مسمها زرین شود
از محبت دُرد ها صافی شود
و ز محبت دردها شافی شود
از محبت سجن ، گلشن می شود
و ز محبت بار ، بختی می شود
از محبت سنگ ، روغن می شود
بی محبت موم آهن می شود
از محبت نیش ، نوشی می شود
و ز محبت شیر ، موشی می شود
از محبت مرده ، زنده می شود
و ز محبت ، شاه بنده می شود
در نگنجد عشق در گفت و شنید
عشق دریائی است ، قعرش ناپدید
قطره های بحر را نتوان شمرد
هفت دریا پیش آن بحر است دُرد (مثنوی)

عالم چو همه میکده بادهٔ عشق است
مستی می و عشق بیک جا نتوان کرد

چون از دل عاشق خبری نیست کسی را
انکار دل عاشقِ شیدا نتوان کرد
بمیرید بمیرید درین عشق بمیرید
درین عشق چو مردید، همه روح پذیرید
بمیرید بمیرید، ازین مرگ مترسید
کزین خاک بر آئید، سموات بگیرید
بمیرید بمیرید و زین ابر برآئید
چو زین ابر برآئید، همه بدر منیرید (دیوان کبیر)

اقبال :

بباغان باد فروردین دهد عشق
براغان غنچه چون پروین دهد عشق
شعاع مهر او قلزم شگاف است
بماهی دیدهٔ ره بین دهد عشق
به برگ لاله رنگ آمیزی عشق
بجان ما بلا انگیزی عشق
اگر این خاکدان را واشگافی
درونش بنگری خون ریزی عشق
بیا ای عشق ای رمز دل ما
بیا ای کشتِ ما، ای حاصل ما
کهن گشتند این خاکی نهادان
دگر آدم بنا کن از گل ما
تهی از ها و هو میخانه بودی
گل ما از شرر بیگانه بودی
نبودی عشق و این هنگامهٔ عشق
اگر دل چون خرد فرزانه بودی

عقلی که جهان سوزد ، یک جلوهٔ بیباکش
از عشق ، بیاموزد ، آئینِ جهانتابی
عشق است که در جانت هر کیفیت انگیزد
از تاب و تبِ رومی تا حیرت فارابی
این حرف نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید ، با این همه بیتابی
هر معنی پیچیده در حرف نمی گنجد
یک لحظه بدل در شو، شاید که تو دریابی

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست
اصل عشق از آب و باد و خاک نیست
در جهان هم صلح و هم پیکار عشق
آب حیوان تیغ جوهردار عشق
از نگاد عشق خارا شق شود
عشق حق آخر سراپا حق بود
کوه پیش عشق چون کاهی بود
دل سریع السیر چون کاهی بود

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریاں و بے تیغ و سناں عشق
کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق

کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؓ خیبر شکن عشق

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ، موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو
عشق خود اک سیل ہے ، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبرئیل ، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام ، عشق ہے کاس الکرام[۲۴]
عشق فقیہہ حرم ، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل ، اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات
عشق سے نور حیات ، عشق سے نار حیات
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات
صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

---

۲۴ - ابن فارض مصری (م ۶۳۲ ھ) کے قصیدہ خمریہ سیمیہ میں ہے :
شربنا ، علی ذکر الحبیب ، مدامۃ - سکرنا بھا ، من قبل ان یخلق الکرم
دیکھیے دیوان ابن الفارض -

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰؐ ، عقل تمام بولہب
گاہ بحیلہ می برد گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب ، عشق کی انتہا عجب
عشق کے ہیں معجزات ، سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکاں و مکیں ، عشق زماں و زمیں
عشق سراپا یقیں ، اور یقیں فتح باب
عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثلِ ہوس
پر شہباز سے ممکن نہیں پرواز مگس
اگر ہو عشق تو کفر ہے مسلمانی
وگرنہ مرد مسلماں بھی کافر و زندیق
بے جرأت رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق ید اللّٰہی

آن حرف دل فروز کہ راز است و راز نیست
من فاش گویمت کہ شنید ؟ از کجا شنید ؟
دزدید ز آسمان و بہ گل گفت شبنمش
بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید

ز عشق درس عمل گیر و ہر چہ خواہی کن
کہ عشق جوہر ہوش است و جان فرہنگ است
در بود و نبود من اندیشہ گمانہا داشت
از عشق ہویدا شد این نکتہ کہ ہستم من

اگرچہ عقل فسون پیشہ لشگری انگیخت
تو دل گرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست
نشانِ راہ ز عقل بزار حیلہ مپرس
بیا کہ عشق کمال ز یک فنی دارد
من بندہ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من ، عقل است غلام من
عقل است چراغ تو در راہگذاری نہ
عشق است ایاغ تو با بندۂ مردم زن

رومی ایک صوفیٔ صافی تھے اور ساتھ ساتھ ایک مفکر متکلم بھی۔ اقبال بھی معنوی اعتبار سے صوفی تھے اور ذہنی طور پر قرون اولیٰ کی طرف ہجرت کر کے زندگی گذار گئے۔[۲۵] ان کے مفکر فلسفی و متکلم ہونے کے بارے میں بحث تحصیل حاصل ہے۔ عیاں را چہ بیاں؟ اقبال کی تصانیف میں تصوف، فلسفہ اور کلامی مباحث حیرت انگیز حد تک ممزوج و مخلوط نظر آتے ہیں۔ اشتراکِ موضوعات کے اعتبار سے رومی و اقبال کا شعریانہ نقطۂ نظر قابل توجہ ہے۔ معتزلہ ان کے ہاں بالعموم مطرود نظر آتے ہیں۔ اقبال نے ایک دوبیتی میں ابوالحسن اشعری (م ۳۲۴ھ) کے نظریۂ دوام روح پر صاد بھی کیا ہے:

یہ نقطہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

---

۲۵ - مکتوبات اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی۔

جبر و قدر کے پیچیدۂ مسئلے کے بارے میں دونوں کا نقطہ نظر معتدل ہے کہ انسان ارادہ و عمل میں آزاد ہے مگر اس کی آزادی علی الاطلاق بھی نہیں ۔ وہ ایک 'دستِ غیب' کا دست نگر ہے ۔ رومی کی تمثیلات ، 'شیر و خرگوش' کے مکالمے (دفتر پنجم) میں دیکھی جا سکتی ہیں ۔ اقبال نے اس موضوع پر میر حاصل بحث کی ہے ۔ اقبال ، جزوی توافق کا سہارا لے کر بات کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں ۔ ایسا مفکر پورے طور پر کسی کا مقلد نہیں ہوتا ۔

میان آب و گل خلوت گزیدم
ز افلاطون و فارابی بریدم
نکردم از کس دریوزۂ چشم
جہان را جز بچشم خود ندیدم

یہاں مثال کے طور پر اقبال کے پیش کردہ بعض تازہ بتازہ کلامی مباحث کی طرف اشارہ کر دیں ۔ 'توحید' کے ضمن میں اقبال فرماتے ہیں کہ اس کے تقاضے مسلمانوں کی وحدت فکر و نظر اور اتحاد ہے ۔ نبوت کے لیے وہ رومی کے مانند معجزہ کی شرط کے حامی نہیں مگر فرماتے ہیں کہ نبی برحق ، ایک محکم و استوار امت وجود میں لاتا ہے جبر و قدر (تقدیر و تدبیر) کے مسئلے پر یہاں تک تو اقبال ، رومی سے ہم آہنگ ہیں کہ :

سراپا معنی سربستہ ام من
نگاہ حرف بازان بر نتابم
نہ مختارم توان گفتن نہ مجبور
کہ خاک زندہ ام ، در انقلابم

چہ گویم از چگون و بی چگونش
برون مجبور و مختار اندرونش
چنین فرمودۂ ، سلطان بدر است
کہ ایمان درمیان جبر و قدر است
تو ہر مخلوق را مجبور گوئی
اسیر بند نزد و دور گوئی
ولی جان از دم جان آفرین است
بچندین جلوہ ہا خلوت نشین است
ز جبر او حدیثی درمیان نیست
کہ جان بی فطرت آزاد جان نیست
شبیخون بر جہان کیف و کم زد
ز مجبوری بمختاری قدم زد

لیکن علامہ مرحوم نے متعدد تقدیرات کا نظریہ بھی پیش کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کی تقدیر ، جیسا کہ عرف عام میں کہا جاتا ہے ، ہمیشہ کے لیے مقرر نہیں کر دی ۔ خدا کی دیگر نعمتوں کے مانند تقادیر بھی لاتعداد ہیں ۔ البتہ فرد ہو یا قوم ، اس کی ایک ابتدائی تقدیر ضرور موجود ہے ۔ جوں جوں اس فرد یا قوم کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے ، اس کی تقدیر بھی بہتر نہج اختیار کر لیتی اور بدلتی رہتی ہے ۔ زوال پذیر فرد یا قوم کا معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ خلاصہ یہ کہ تقدیر بدلتی رہتی ہے ، بشرطیکہ قوم یا فرد خود بدلے ۔ اقبال کی یہ توجیہ یا تاویل دراصل ایک معروف آیۂ قرآن سے مستفاد ہے ۔ پیامِ مشرق کے دیباچے میں آپ نے لکھا تھا :

"... اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے

حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو ۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے 'ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم'[۲۶] کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے ، زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے"...
جاوید نامہ میں آپ نے فرمایا ہے :

گر زیک تقدیر خون گردد جگر
خواہ از حق حکم تقدیر دگر
تو اگر تقدیر نو خواہی رواست
زانکہ تقدیرات حق لا انتہاست
ارضیان نقد خودی در باختند
نکتۂ تقدیر را نشناختند
رمز باریکش بحر فی مضمر است
تو اگر دیگر شوی ، او دیگر است
خاک شو نذر ہوا سازد ترا
سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا
شبنمی ؟ افتندگی تقدیر تست
قلزمی ؟ پایندگی تقدیر تست
رنج بی گنج است ، تقدیر این چنین
گنج بی رنج است ، تقدیر ابن چنین

---

۲۶ - قرآن مجید ، الرعد ۱۳۰ -

اصل دین این است اگر ای بی خبر
می شود محتاج ازو محتاج تر
وای آن دینی که خواب آرد ترا
باز در خواب گران دارد ترا
سحر و افسون است یا دین است این ؟
حب افیون است یا دین است این ؟
طبع روشن مرد حق را آبروست
خدمت خلق خدا مقصود اوست
نوع دیگر بین جهان دیگر شود
این زمین و آسمان دیگر شود

ضرب کلیم کا ایک شعر اور ارمغان حجاز کی ایک دوبیتی بھی اس ضمن میں معروف ہے :

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟
ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے ؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے ؟
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے ؟

موت سے بے خوفی اور مال و منال کے رد و قبول میں حد وسط کا قائل ہونا ، رومی و اقبال کے دیگر مشترک پسندیدہ مضامین بیاں ہیں ۔ ان کے نزدیک مال و دولت اس صورت میں برا ہے کہ اس سے غلط استفادہ ہو ورنہ اس کے ذریعے خودی اور بے خودی دونوں کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے ۔ رومی موت کو ارتقائے حیات انسانی کی ایک صورت

قرار دیتے ہیں ۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اعزہ و احباب کی موت پر متأثر نہ ہوتے اور خوش و خرم رہتے تھے ۔ فرماتے تھے کہ فلاں بندہ نے ایک مرحلۂ ارتقاء طے کرلیا اس لیے غم کیسا اور نوحہ و فریاد کیوں ؟ صلاح الدین زرکوب کے جنازے میں مولانا نے پائے کوباں شرکت کی اور فرقۂ مولویہ کے لوگوں نے خود مولانا کو اس طرح دفن فرمایا کہ پائے کوبی اور نے نوازی ہو رہی تھی(ا) ۔ اس سے واضح ہے کہ مولانا نے اپنے ترس و ہیبت والے زمانے میں لوگوں کو موت سے کس قدر بیباک بنا رکھا تھا ۔ اقبال بھی موت کو ارتقائے حیات کی ایک صورت بتاتے ہیں(ب) مگر ان کے نزدیک یہ صاحبانِ خودی کے لیے مخصوص ہے ۔ انا ہائے ضعیف کا انجام خدا جانے ۔ علامہ مرحوم حبِ حال اور ترس مرگ کو مسلمانوں کے لیے خصوصاً بڑے فتنے قرار دیتے رہے ۔ ان فتنوں نے زکواۃ و خیرات اور جہاد کی روح کو خراب کرکے رکھ دیا ۔ یہاں ہم مولانائے موصوف اور علامہ مبرور کے چند اشعار نقل کرتے ہیں :

رومی : مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کی ز مُردن کم شدم
حملہ دیگر بمیرم از بشر
تا بر آرم از ملائک پر و سر
و ز ملک ہم بایدم جستن ز جو
کل شئی ھالک الا وجہہ

الف ۔ مناقب العارفین جلد ۲ (طبع انقرہ) صفحہ ۷۹۳ ۔
ب ۔ سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی فقط ذوق پرواز ہے زندگی (اقبال)

زندگی در مردن و در محنت است
آب حیوان در درون ظلمت است
نه چنان مرگی که در گوری روی
مرگ تبدیلی که در زوری روی
میرود چون زندگانی بر خاکدان
مرده و جانش شده بر آسمان
مال را گر بهر دین باشی حمول
نعم مال صالح گوید رسول[۳]
آب در کشتی هلاکِ کشتی است
زیر کشتی بهر کشتی پُشتی است
چونکه مال و ملک را از دل براند
ز آن سلیمان[۴] خویش جزمسکین نخواند
چیست دنیا ؟ از خدا غافل بدن
نی قماش و نقده و فرزند و زن

اقبال : زندگی محکم ز تسلیم و رضاست
موت تیرِ بخ و طلسم و سیمیاست
بندهٔ حق ضیغم و آهوست مرگ
یک مقام از صد مقام اوست مرگ
می فتد بر مرگ آن مرد تمام
مثل شاهینی که افتد بر حمام
هر زمان میرد غلام از بیم مرگ
زندگی او را حرام از بیم مرگ
بندهٔ آزاد را شانی دگر
مرگ او را می دهد جانی دگر

او خود اندیش است و مرگ اندیش نیست
مرگ آزادان ز آنی بیش نیست
مرد مومن خواهد از یزدان پاک
آن دگر مرگی که بر گیرد ز خاک
آن دگر مرگ انتهای راه شوق
آخرین تکبیر در جنگاه شوق

آنکه بود الله او را ساز و برگ
فتنهٔ او ترس مال و ترس مرگ
رفت از و آن مستی و ذوق و سرور
دین او اندر کتاب و او بگور

از مرگ ترسی ای زنده جاوید ؟
مرگ است صیدی ، تو در کمینی
جانی که بخشند دیگر نگیرند
آدم بمیرد از بی یقینی

ازان مرگی که می آید چه باک است
خودی چون پخته گردد لا زوال است
ز مرگ دیگری لرزد دل من
دل من ، جان من ، آب و گل من
ز کار عشق و مستی بر فتادن
شرار خود بخاشاکی ندادن

بدست خود کفن بر خود بریدن
بچشم خویش مرگ خویش دیدن
ترا این مرگ هر دم در کمین است
بترس از وی کہ مرگ ما ھمین است
کند گور تو اندر پیکر تو
نکیر و منکر او در بر تو

اقبال نے اپنی انگریزی یادداشتوں(ج) (نوشتہ ۱۹۱۰ء) میں بھی رومی کی عظمتِ نبوغ کو سراہا ہے۔ فرماتے ہیں انھوں نے حضرت مسیح کے مانند زندگی کے عمیق حقائق بیان کیے اور یہ کام بعد میں ولیم شیکسپیئر نے بھی انجام دیا۔

مولانا کی مثنوی کے بیت اول اور کئی دوسرے ابیات میں 'نے' کا ذکر ہے۔ مولانا موسیقی کے دلدادہ اور نےؔ نواز تھے مگر اقبال نے نےؔ، نےؔ نواز اور نےؔ نوازی کے کلمات سے کس قدر عمدہ معانی پیدا کیے اور ان کلمات کو شاعرانہ زبان دے دی۔ اب نےؔ نواز اور نےؔ نوازی، شاعر اور شاعری کے لیے متداول کلمات ہیں:

کوئی دیکھے تو میری نےؔ نوازی
نفس بندی، مقام نغمہ تازی
نگہ آلودۂ انداز افرنگ
طبیعت غزنوی، قسمت ایازی
جمال عشق و مستی نےؔ نوازی
جلال عشق و مستی بے نیازی

ج - Stray Reflections صفحہ ۵۵ -

کمال عشق و مستی ظرف حیدرؓ
زوال عشق و مستی حرف رازی
بجلوت نی نوازی ہای من بین
بخلوت خود گدازیہای من بین
گرفتم نکتۂ فقر از نیاکان
ز سلطان بی نیازی ہای من بین
اگر می آید آن دانای رازی
بدہ او را نوای دلگدازی
ضمیر امتان را می کند پاک
حکیمی یا کلیمی نی نوازی
وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی
نہ جدا رہے نوا گر تب و تابِ زندگی سے
کہ ہلاکی امم ہے ، یہ طریق نے نوازی

رومی و اقبال کے کئی دیگر مشترک موضوعات بھی ہیں مثلاً فقر کا خاص تصور ، عرفان ذات (خودی ، رومی کے ہاں ابتدائی نوعیت میں) ، شرف انسانی ، حیات دوام اور برتری عشق برعقل وغیرہ ، مگر یہاں اس سے زیادہ لکھنے کا موقع نہیں ۔ ان ہی مناسبات کی بنا پر اقبال مدت العمر رومی کا طرح طرح سے ذکر کرتے رہے جیسے :

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایران ، وہی تبریز ہے ساقی
حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں

شاعری کو مثل آن عالی جناب ؟
نیست پیغمبر ولی دارد کتاب
پیر روم آن صاحب 'ذکر جمیل'
ضرب او را سطوت ضرب خلیل[۴]
رومی آن عشق و محبت را دلیل
تشنه کامان را کلامش سلسبیل
پیر رومی آن امام راستان
آشنای هر مقام راستان . . .
آفتابی که از تجلی او
افق شام و روم نورانی
شعله اش در جهانِ تیره نهاد
به بیابان چراغ رهبانی(د)
معنی از حرف(ه) او همی روید
صفت لاله های نعمانی . . .

شعرائے نغز بیان کی دنیا میں کمی نہیں مگر عالم اسلام میں شاعرانِ مصلح کا جب ذکر ہونے لگے تو مرحلۂ اول ہی میں رومی کا ذکر آئے گا اور اس کے بعد اقبال کا۔ تاریخ اسلام میں کئی قسم کے مصلحین کا تذکرہ ملتا ہے ، رحمہم اللہ تعالیٰ مگر شعر کے ذریعے احیائے ملت کرنے والوں میں رومی و اقبال کے بعد کوئی نمایاں نام بمشکل ملے گا :

د - گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی (اقبال : نظم طلوع اسلام)
ہ - یہ اشعار بالترتیب بال جبریل ، پس چہ باید کرد اور پیام مشرق میں سے ہیں -

در غم دیگربسوز و دیگران را هم بسوز
گفتمت روشن حدیثی گر توانی دار گوش
کہہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری
ہاں سنا دے محفل ملت کو پیغام سروش
آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوز جوہر گفتار سے

(اقبال : شمع اور شاعر)

۲ - عراقی ہمدانی ، شیخ ابراہیم فخرالدین (م ۶۸۸ھ)

عراقی ہمدانی ، ممتاز شاعر ہیں ۔ استاد سعید نفیسی نے لکھا ہے کہ عراقی کا سوز و ساز غزل کے میدان میں کسی دوسرے فارسی شاعر کے ہاں نہیں ملتا ۔[۲۷] ہمیں اس بات سے پورا اتفاق نہیں ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ عراقی کی بعض غزلیں ، ان کے نامور معاصرین ، رومی و سعدی کی غزلوں کے پایے کی ہیں ۔

عراقی کا مولد ہمدان ہے ۔ وہ حافظ قرآن تھے ۔ جوانی میں وہ ملتان آئے اور وہاں اپنے ماموں شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کے سلسلہ کے مشہور عارف ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م تقریباً ۶۶۶ھ) کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوئے ۔ وہ ۲۵ برس سے زیادہ عرصہ ملتان رہے ۔ شیخ زکریا نے انھیں اپنا داماد اور خلیفہ بھی بنا لیا تھا مگر اپنے خسر اور مرشد کی وفات کے کچھ عرصہ بعد وہ دیار روم و عرب کو چل دیے ۔ قونیہ میں انھوں نے مولانائے روم اور شیخ صدرالدین قونوی (م ۶۷۳ھ) سے ملاقات کی تھی ۔ وہ شیخ

---

۲۷ - کلیات شیخ عراقی : مقدمہ ۔

صدرالدین سے بیعت بھی ہوئے تھے ۔ آخری عمر میں عراق ، شام چلے گئے اور دمشق میں انتقال فرمایا ۔ ان کا مزار ، شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار سے متصل بتایا جاتا ہے ۔

عراق کا کلیات شعر کئی بار چھپ چکا ہے ۔ ان کی مثنوی عشاق نامہ بھی سوز و ساز کی حامل ہے۔ لمعات ، تصوف کے موضوع پر ان کا بلند پایہ رسالہ ہے ۔ اصطلاحات صوفیہ کے نام سے فارسی نثر میں ان کا ایک رسالہ دست یاب ہے ۔ اس کے علاوہ 'غایۃ المکان فی درایۃ الزمان' کے عربی عنوان کے تحت ایک فارسی رسالہ بھی بعض قلمی نسخوں میں ان کے نام کے ساتھ منسوب ملتا ہے ۔ کتب خانہ رضا، رام پور میں موجود ایک مخطوطہ میر سید علی ہمدانی ، شاہ ہمدان (م ۷۸۶ھ) سے بھی منسوب ہے ۔ اقبال کے ہاں اس رسالے کے کئی حوالے ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ، کے خطبہ سوم ، پنجم اور ہفتم ، نیز بعض مجموعہ ہائے مکتوبات[۲۸] میں ملتے ہیں ۔ یہ رسالہ دراصل مشہور فلسفی صوفی شیخ ابوالمعالی عبداللہ عین القضاۃ ہمدانی (م ۵۲۵ھ) کی تالیف ہے اور علی ہمدانی یا عراقی ہمدانی سے اس کا انتساب اشتباہی نوعیت کا ہے ۔ متن عین القضاۃ کے مجموعہ رسائل میں چھپ چکا ہے ۔ جناب عبدالحمید کمالی نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جسے اقبال اکادمی نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا ہے ۔

رسالہ مذکور کے مترددانہ حوالوں کے علاوہ ، اقبال کے ہاں عراقی کا ذکر و استقبال (تتبع) معمولی نوعیت کا ہے ۔ رموز بے خودی میں وہ عراقی کے اشعار کے وجد آفرین پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

---

۲۸ ۔ ملاحظہ ہو انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار ۔

صوفی قوالیاں کرتے ہیں اور قرآن مجید کی طرف اعتنا نہیں کرتے :

صوفیٔ پشمینہ پوش حال مست
از شراب نغمۂ قوال مست
آتش از شعر عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآن محفلش

ارمغان حجاز کی ایک دوبیتی میں عراقی کے شعر کے عاشقانہ پہلو کی طرف اشارہ ملتا ہے ۔ عاطفۂ عشق و محبت عراقی و اقبال کا ایک مشترک موضوع ہے :

گہی شعر عراقی را بخوانم
گہی جامی زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگِ عرب را
شریک سوز و ساز ساربانم

عراقی کی معروف ترین غزل کا مطلع حسب ذیل ہے :

نخستین بادہ کاندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند

کہتے ہیں اس غزل کو سن کر شیخ زکریا نے عراقی پر خصوصی توجہ فرمائی تھی ۔ اس غزل کا ہر شعر سوز عشق کا عکاس ہے ۔ اس کے ۱۳ اشعار میں سے چند یوں ہیں :

لبِ میگونِ جانان جام در داد
شراب عاشقانش نام کردند
چو گوی حسن در میدان فگندند
پیک چوگان ، دو عالم رام کردند

از آن لب کآرزوی جمله دلهاست
نصیب بیدلان دشنام کردند
دلی را تا بدست آرند ، هر دم
سر زلفین خود را دام کردند
نهاں با محرمی رازی به گفتند
جهانی را از آن اعلام کردند
بعالم هر کجا درد و غمی بود
بهم کردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند ؟۲۹

اسی غزل کے انداز میں اقبال کی درج ذیل غزل ، مثنوی 'گلشن راز جدید' میں ہے :

فنا را بادۂ هر جام کردند
چه بی دردانه او را عام کردند
تماشا گاه مرگ ناگهان را
جهان ماه و انجم نام کردند
اگر یک ذره اش خوی رم آموخت
بافسون نگاهی رام کردند
قرار از ما چه می جوئی که ما را
اسیر گردش ایام کردند

---

۲۹ - اقبال نے بال جبریل میں کہا ہے :
تو نے یہ کیا غضب کیا ، مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

خودی در سینۂ چاکی نگہدار
ازین کوکب چراغ شام کردند

اس غزل کے سارے قوافی ، عراقی کی غزل سے مستعار ہیں - یہی نہیں اس غزل کے مطلع کا انعکاس علامہ اقبال کی پیام مشرق اور ارمغان حجاز کی ایک ایک دو بیتی میں موجود ہے جیسے :

بخود باز آورد رند کہن را
میٔ 'برنا کہ من در جام کردم
من این می چون مغان دورپیشین
'ز چشم مست ساقی وام' کردم
گناہ عشق و مستی عام کردند
دلیل پختگان را خام کردند
بآہنگ حجازی می سرایم
'نخستین بادہ کاندر جام کردند'

۳ - سعدی شیرازی ، شیخ مصلح الدین (م تقریباً ۶۹۱ھ)

سعدی ، فارسی نثر و نظم کے بے بدل استاد ہیں - ان کے چھ رسائل اور گلستان ، فارسی نثر کے شاہکار ہیں - شیخ کی مثنوی 'بوستان' بھی اخلاقی مثنویوں کی سرتاج ہے - شیخ کے دیوان میں غزلیات ، رباعیات ، اخلاقی قصائد ، قطعات ، ترجیع و ترکیب بند اور مفردات وغیرہ ملتے ہیں - ایک سے ایک بہتر ، ان کے بعض اشعار عربی میں بھی ہیں :

شعرِ من و حسن تو نفزاید کس
حد ہمین است سخندانی و زیبائی را (سعدی)

شیخ سعدی ، برصغیر پاک و ہند میں، بلکہ فارسی کے ادنیٰ رواج والے علاقوں میں بھی ، معروف ہیں ۔ اس لیے ان کے ذکرِ مزید سے ہاتھ روک کر ہم اقبال کے رابطہ با سعدی شیخ کی بات کرتے ہیں ۔

اقبال نے اپنی مرتبہ ایک درسی کتاب[۳۰] میں سعدی کا جو عمدہ انتخاب درج فرمایا ، وہ ان کے مطالعۂ سعدی کی بین دلیل ہے ۔ اپنے ایک مقالے 'اردو زبان پنجاب میں' میں اقبال نے عروضی بحث کے ضمن میں سعدی کا یہ شعر نقل کیا ہے :

چنان نادر افتادہ در روضہ
کہ در لاجوردی طبق بیضہ

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں اقبال 'خیمہ زدن' کے محاورہ کے استناد[۳۱] کی خاطر سعدی کا یہ شعر پیش کرتے ہیں :

صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار
وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار

ذیل کا شعر 'مقالات اقبال' میں منقول اور بانگ درا (حصہ سوم) میں تضمین شدہ ملتا ہے :

مرا از شکستن چنان عار ناید
کہ از دیگران خواستن مومیائی

بانگِ درا (حصہ سوم) کے درج ذیل میں بھی اس کی تحلیل ہے :

مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
مورِ بی پر ، حاجتی پیشِ سلیمانی مبر

---

۳۰ ۔ ملاحظہ ہو انوار اقبال ۔
۳۱ ۔ اقبال نامہ جلد اول صفحہ ۸۸ ۔

ایک دوسرا شعرِ سعدی بھی 'مقالات اقبال'[۳۲] میں منقول ہے کہ :

خشت اول چون نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اقبال کے مندرجہ ذیل شعر (جاوید نامہ) میں سعدی کے اسی شعر کا تاثر نظر آتا ہے :

خشت را معمار ما کج می نہد
خوی بط با بچۂ بط می دہد

سعدی کی گلستان (باب اول) کی ایک حکایت میں یہ شعر ملتا ہے :

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت
نوشیروان نمرد کہ نام نکو گذاشت

اقبال نے اپنے ایک ابتدائی منظومے میں اس شعر کے مفہوم کو سمویا ہے۔ جنوری ۱۹۰۱ء میں ملکہ وکٹوریا کے انتقال پر اپنے مرثیے میں آپ نے کہا :

وکتوریا نمرد کہ نام نکو گذاشت
ہے زندگی یہی جسے پروردگار دے[۳۳]

سعدی کے دوسرے مصرعے اور اشعار ذیل کی صورت میں اقبال کے ہاں تضمین شدہ ملتے ہیں :

خرما نتوان یافت ازان خار کہ کشتیم
دیبا نتوان بافت ازان پشم کہ رشتیم
دریغ آمدم زان ہمہ بوستان
تہی دست رفتن سوی دوستان

---

۳۲ - مقالات اقبال صفحہ ۳ -
۳۳ - باقیات اقبال صفحہ ۹۱ -

اگر یک سر موی برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

یکی قطره باران ز ابری چکید
خجل شد چو پهنای دریا بدید
که جایی که دریاست من کیستم
گر او هست حقا که من نیستم[۳۴]
تو کار جهان را نکو ساختی
که با آسمان نیز پرداختی ؟

دلی که عاشق و صبور بود مگر سنگ است ؟
ز عشق تا به صبوری هزار فرسنگ است[۳۵]
به آن قوم از تو می خواهم گشادی
فقیهش بی یقینی ، کم سوادی
بسی نادیدنی را دیده ام من
"مرا ای کاشکی مادر نزادی"[۳۶]

بنی آدم اعضای یک دیگرند
که در آفرینش ز یک جوهرند

---

۳۴ - از بوستان سعدی ۔ اقبال نے ان اشعار کو اس طرح تضمین فرمایا کہ خودی کے معانی سے مطابقت حاصل کر سکیں ۔
۳۵ - ارسغان حجازی کی ایک دوبیتی (صفحہ ۶۲) کا یہ شعر بھی سعدی کے اسی بیت کے زیر اثر ہے کہ :
بفرما ہر چہ می خواہی بجز صبر
کہ ما از وی دو صد فرسنگ دوریم
۳۶ - سعدی کے متداول کلیات میں یہ مصرع نہیں ملتا ۔

تحلیلات ، تحولات اور استقبالات

اقبال نے کہیں کہیں ، سعدی کے جملوں یا شعروں کو بانداز دگر بیان کیا یا ان کی طرف توجہ ظاہر کی ہے :

سعدی : ای تماشا گاہ عالم روی تو
تو کجا بہر تماشا می روی ؟

اقبال : ای فلک مشت غبار کوی تو
'ای تماشا گاہ عالم روی تو،
ہمچو موج آتش تہ پا سی روی
'تو کجا بہر تماشا سی روی ؟'

سعدی : تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ

اقبال : تا توانی گردن از حکمش مپیچ
تا نہ پیچد گردن از حکم تو ہیچ

سعدی : " زمانہ اگر با تو نسازد ، تو با زمانہ بساز " (گلستان)

اقبال : حدیث بے خبران ہے 'تو با زمانہ بساز'

سعدی : "دہ درویش در گلیمی بخسپند
ولی دو پادشاہ در اقلیمی نگنجند" (گلستان ، باب اول)

اقبال : چہ عجب اگر دو سلطان بولایتی نگنجد
عجب انیکہ سی نگنجد بدو عالمی فقیری

اقبال نے یہاں شعری ضروریات کے پیش نظر درویش اور اقلیم کی جگہ بالترتیب فقیر اور ولایت کے کلمات استعمال کیے ہیں۔

سعدی : " رائی بی قوت مکر و افسون است
و قوت بی رای جهل و جنون "

(گلستان ، باب ہشتم)

اقبال : اہلِ حق را زندگی از قوت است
قوت ہر ملت از جمعیت است
رای بی قوت ہمہ مکر و فسون
قوت بی رای جہل است و جنون

سعدی : بنادان آنچنان روزی رساند
کہ دانا اندران حیران بماند

اقبال : فرنگ آئین رزاقی بداند
باین بخشد ، ازو وامی ستاند
بہ شیطان آنچنان روزی رساند
کہ یزدان اندران حیران بماند

سعدی : " بزرگی بہ عقل است نہ بہ مال " (گلستان ، باب اول)

اقبال : سخنگو طفلک و برنا و پیر است
سخن را سالی و ماہی نباشد

سعدی کی بعض 'لفظیات' سے قطع نظر جو اقبال کے ہاں ملتے ہیں اور جنھیں ہم ایک مقالے میں بیان[۳۷] کر چکے ، میدان غزل کے چند مقامات تتبع دیکھیں :

سعدی : آن شکر خندہ کہ پر جوش دہانی دارد
نہ دل من ، کہ دل خلق جہانی دارد

---

۳۷ - سہ ماہی اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۰ء (اقبال اور سعدی)

اقبال : عاشق آن نیست کہ لب گرم فغانی دارد
عاشق آنست کہ بر کف دو جہانی دارد

سعدی : دلی کہ عاشق و صبور بود مگر سنگ است ؟
ز عشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است

اقبال : بیا کہ ساقی گل چہرہ دست بر چنگ است
چمن ز باد بہاران جواب ارتنگ است

سعدی : خوبرویان جفا پیشہ وفا نیز کنند
بکسان درد فرستند ، و دوا نیز کنند

اقبال (با تغیر قافیہ) :
تکیہ بر حجت و اعجاز بیان نیز کنند
کار حق گاہ بہ شمشیر و سنان نیز کنند

سعدی : سر آن ندارد امشب کہ بر آید آفتابی
چہ خیالہا گزر کرد و گزر نکرد خوابی

اقبال : شب من سحر نمودی کہ بہ طلعت آفتابی
تو بہ طلعت آفتابی ، سزد اینکہ بی حجابی

سعدی : بپایان آمد این دفتر حکایت ہمچنان باقی
بصد دفتر نشاید گفت حسب الحال مشتاقی

اقبال : درین محفل کہ کار او گزشت از بادہ و ساقی
ندیمی کو کہ در جامش فرو ریزم مئی باقی

سعدی کی مقبولیت ، قادر کلامی اور استادی ہمہ مسلم ، مگر اقبال کے لیے وہ زیادہ باعثِ کشش نہ تھے، خصوصاً معنوی اعتبار سے۔ سعدی کی تعلیمات تقاضائے وقت کے مطابق ، مصلحت اندیشی اور ڈپلومیسی پر مبنی ہیں کہ بقول حالی :

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

اقبال ایسی کشتیٔ بادبانی بننے کے مخالف تھے - زندگی کی کچھ اقدار ہیں اور کچھ اصول - اقبال کی نظر میں وہ اقدار و اصول اہم ہیں نہ کہ مصلحت اندیشی - ان کا پیغام یہ ہے کہ اقدار حیات اور اصولِ اخلاق کی وابستگی سے آدمی نامساعد حالات کو بدلتا رہے اور زمانے کا تابع بن کر رہے :

مرد خودداری کہ باشد پختہ کار
با مزاج او بسازد روزگار
گرنسازد با مزاج او جہان
می شود جنگ آزما با آسمان
در جہان نتوان اگر مردانہ زیست
ہمچون مردان جان سپردن زندگی است
کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جوانمرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق ، تو بھی اُدھر جا

اقبال کی تحریروں اور بیانات میں سعدی سے منسوب دو واقعات ملتے ہیں جو تصانیف سعدی کی رو سے درست نظر نہیں آتے - ایک کشمیریوں کی ہجو گوئی ہے - اقبال نے ایک خط کے جواب میں اس واقعہ کے بارے میں تردید آمیز نقل قول کیا ہے، اور اس بیان پر صاد نہیں کیا - فرمایا ،[۳۸] شیخ سعدی نے مسلمہ طور پر کبھی کسی کی ہجو نہیں کہی - اہل کشمیر کی آخر وہ ہجو کیوں لکھتے ؟ دوسرا واقعہ دراصل ایک حکایت کا وجود یا عدم ہے - بقول اقبال ، سعدی نے اپنی کسی حکایت میں ایک شوہر اور اس کی بیوی کا مکالمہ

---

۳۸ - انوار اقبال -

لکھا ہے : بیوی ، ایک ہمسایہ دکاندار کی گراں فروشی کی شاکی تھی مگر شوہر کہتا تھا کہ گراں فروشی کے باوجود ہمیں اس دکاندار سے داد و ستد کرنا چاہیے ۔ 'آخر وہ ہمارے سہارے یہاں دکان کھولے ہوئے ہے اور حق ہمسائگی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی خاطر ایثار کرتے رہیں' ۔[۳۹] یہ حکایت تصانیفِ سعدی میں مفقود ہے اور غالباً کسی دوسرے مصنف کی ہوگی ۔ اقبال ایک تقریر کے دوران اسے سعدی سے منسوب کر گئے ، اور اکثر ایسا ہو جایا کرتا ہے ۔

۴۔ محمود شبستری ، شیخ سعدالدین تبریزی (م ۷۲۰ھ)

محمود شبستری ایک بڑے مدرس ، صوفی ، عالم اور عارف تھے ۔ گلشن راز اور سعادت نامہ ان کی معروف مثنویاں ہیں ۔ سورہ فاتحہ کی ایک عرفانی تفسیر بھی ، جس کا ایک مخطوطہ تہران یونیورسٹی کے کتب خانہ مرکزی میں موجود ہے ، ان سے منسوب ہے ۔ یہاں ہمارا مدعا گلشن راز کی مناسبت سے اقبال کی مثنوی 'گلشن راز جدید' کا اجمالی ذکر کرنا ہے ۔

گلشن راز ، ایک ہزار ابیات پر مشتمل ایک عرفانی مثنوی ہے جس میں فلسفے اور تصوف سے پیدا شدہ ۱۵ یا ۱۷ سؤالات کے جوابات ملتے ہیں ۔ یہ سؤالات (بظاہر منظوم صورت میں) شیخ سید حسین حسینی ہراتی (م ۷۱۸ھ) نے ۷۱۰ ہجری میں ان کے پاس بھیجے تھے تاکہ شیخ محمود ان کا جواب لکھیں ۔ شیخ محمود نے ان مسائل کے جوابات علی الفور لکھ دیے ، اور یہ جوابات فارسی ادب کی ایک بے نظیر مثنوی کی صورت میں نمودار ہوئے ۔ گلشن راز کی متعدد شروح

---

۳۹ ۔ گفتار اقبال ۔ (دیکھیے اشاریہ) ۔

لکھی گئیں - دنیا کی ہر معروف زبان میں اس کے منثور یا منظوم تراجم موجود ہیں - اس کتاب نے بعد کے شعرائے فارسی کے لیے اصطلاحات فراہم کیں - چشم ، لب ، شراب ، شمع ، شاہد ، خرابات ، خراباتی ، ترسا ، کفر ، بت ، زنار اور زناری وغیرہ کلمات کی دلآویز تعبیرات اس مثنوی میں دیکھی جا سکتی ہیں -[۴۰]

علامہ اقبال کا یہ بڑا افتخار ہے کہ انھوں نے تقریباً سات صدیاں گزر جانے کے بعد ، شیخ محمود کی مثنوی کا جواب اپنی مثنوی 'گلشن راز جدید' (مشمولہ زبور عجم) کی صورت میں دیا ہے - اقبال نے صرف ۱۱ سؤالوں کا انتخاب کیا اور انھیں ۹ سؤالوں کی صورت میں مدغم کر کے شیخ محمود کی مثنوی کا جواب دیا ہے - گلشن راز کی تمہید کے ۶۰ اشعار ہیں اور گلشن راز جدید کے ۳۴ - اس تمہید میں دونوں شاعری' محض سے بیزار نظر آتے ہیں - شیخ محمود فرماتے ہیں کہ شاعری تو عطار ایسے اساتذہ کا کام تھا - ہم نے بیانِ معانی پر توجہ دی ہے - اقبال نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا ہے - فرماتے ہیں :

بطرز دیگر از مقصود گفتم
جواب نامۂ محمود گفتم
ز عہد شیخ تا این روزگاری
نزد مردی بجان ما شراری
کفن در بر بخاکی آرمیدیم
ولی یک فتنۂ محشر ندیدیم

---

۴۰ - بجواب ، سوال ۱۳ تا ۱۵ -

گذشت از پیش آن دانای تبریز
قیامتها که رست از کشت چنگیز
نگاهم انقلابی دیگری دید
طلوع آفتابی دیگری دید
گشودم از رخ معنی نقابی
بدست ذره دادم آفتابی
دمی در خویشتن خلوت گزیدم
جهانی لا زوالی آفریدم
بجانم رزم مرگ و زندگانی است
نگاهم بر حیات جاودانی است
ز جان خاک ترا بیگانه دیدم
باندام تو جان خود دمیدم
بخاک من دلی چون دانه کشتند
بلوح من خط دیگر نوشتند
مرا ذوق خودی چون انگبین است
چه گویم؟ واردات من همین است

اقبال اور محمود کی مثنویوں کا ایک صوری تقابلی مطالعہ ذیل کے جدول سے نمایاں ہوگا:

شیخ محمود کے ہاں		علامہ اقبال کے ہاں	
شمارہ سوال اور تعداد اشعار		شمارہ سوال اور تعداد اشعار	
۱ و ۲	۲۱۳	۱	۳۴
۱۰	۶۸	۲	۲۸
۹	۴۷	۳	۳۷

شیخ محمود کے ہاں		علامہ اقبال کے ہاں	
شمارہ سوال	اور تعداد اشعار	شمارہ سوال	اور تعداد اشعار
۶ و ۱۲	۳۴	۴	۳۰
۳	۲۲	۵	۳۰
۱۱	۶۷	۶	۳۴
۴	۸۰	۷	۳۱
۷	۳۱	۸	۳۷
۵	۱۸	۹	۲۶

ظاہر ہے کہ اقبال کی مثنوی ، شیخ محمود کی مثنوی کے مربع کا ایک ضلع ہے ۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے 'فکر اقبال' میں دونوں مثنویوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے ۔ 'گلشن راز جدید ، کو بشیر احمد ڈار اور محمد ہادی حسین صاحبان نے جداگانہ طور پر انگریزی میں ترجمہ کیا ہے ۔

اقبال نے شیخ محمود کی تعریف کی اور انھیں 'دانائے تبریز ، لکھا جب کہ اپنے آپ کو انھوں نے دانائے راز کہا مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ انھوں نے شیخ کے بیان کردہ کسی مضمون سے اتفاق کیا ہے ۔ ہمارے نزدیک 'اقبال اور شعرائے فارسی' کی مناسبت سے ۳ باتوں کا جاننا ضروری ہے : ایک یہ کہ اقبال نے اپنی اس مثنوی میں شیخ محمود کی مثنوی کی بحر (ہزج مسدس محذوف یا متصور یعنی مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل یا فعولن) اختیار کی ہے ۔ دوسرے یہ کہ گو اقبال بھی شیخ محمود کے مانند شاعری' محض سے اظہار برأت کرتے ہیں ، مگر ان کی مثنوی کے اشعار شیخ محمود کی مثنوی کے اشعار سے بہتر اور مؤثر تر ہیں ۔ شیخ محمود کی 'گلشن راز'

کا آخری حصہ بڑا دلآویز ہے[۴۱] مگر ظاہر ہے کہ اقبال نے اسے درخور اعتنا نہیں جانا ۔ تیسری یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شیخ نے ہر سؤال کا جواب وحدت وجود اور فنائے خودی کی تعلیم کے رنگ میں دیا ہے ۔ اقبال کا ہر جواب ، شیخ کے جواب کی تقریباً ضد ہے ۔ انھوں نے ہر جواب کو 'خودی' کے رنگ میں دیا ہے ، اور یہی ان کا کمال ہے ۔ بہتر ہوگا کہ شیخ حسین بن منصور حلاج (م ۹۰۳ھ) کے نعرۂ انا الحق کے بارے میں دونوں کے چند ابیات نقل کر دیں :

محمود : انا الحق کشف اسرارست مطلق
بجز حق کیست تا گوید انا الحق
ہمہ ذرات عالم ہمچو منصور
تو خواہی مست گیر و خواہ مخمور
در آ در وادی ایمن کہ ناگاہ
درختی گویدت انی انا اللہ[۴۲]
روا باشد انا الحق از درختی
چرا نبود روا از نیک بختی ؟
ہر آنکس را کہ اندر دل شکی نیست
یقین داند کہ ہستی جز یکی نیست
جناب حضرت حق را دوئی نیست
در آن حضرت من و ما و توئی نیست

---

۴۱ - یعنی چشم ، لب ، رخ ، زلف ، خط ، خال ، شراب ، شمع ، شاہد ، خراباتی ، بت ، زنار اور ترسائی کی تعبیرات بزبان شمع - (دیکھیے میرا مقالہ ماہنامہ ماہ نو کراچی بابت اپریل ۱۹۶۹ء میں) -
۴۲ - اشارہ بہ قرآن مجید ۲۸ : ۳۰ -

من و ما و تو و او هست یک چیز
که در وحدت نباشد هیچ تمیز
هر آنکه خالی از چون و چرا شد
انا الحق اندر و صوت و صدا شد
جز از حق نیست دیگر هستی الحق
هو الحق گوی و گر خواهی انا الحق
نمود وهمی از هستی جدا کن
ره بیگانه خود را آشنا کن

اقبال : من از رمز انا الحق باز گویم
دگر با هند و ایران راز گویم
خودی از کائنات رنگ و بو نیست
حواس ما میان ما و او نیست
حساب روزش از دور فلک نیست
بخودبینی ، ظن و تخمین و شک نیست

جهان پیدا و محتاج دلیلی
نمی آید بفکر جبرئیلی

خودی پنهان ز حجت بی نیاز است
یکی اندیش و دریاب ، این چه راز است
خودی را حق بدان باطل مپندار
خودی را کشت بی حاصل مپندار
خودی چون پخته گردد لازوال است
فراق عاشقان عین وصال است

دوام حق جزای کار او نیست
کہ او را این دوام از جستجو نیست
وجود کوهسار و دشت و در هیچ
جهان فانی ، خودی باقی ، دگر هیچ
بخود گم بہر تحقیق خودی شو
انا الحق گوی و صدیقِ خودی شو

سب جوابات کا رنگ اسی قبیل کا ہے ۔ شیخ محمود فنائے خود کا درس دیتے نظر آتے ہیں ۔ اقبال بقائے خودی کا ۔

مثنوی 'گلشن راز جدید' کے علاوہ ، اقبال نے شیخ محمود کا ذکر کہیں نہیں فرمایا ہے ۔

۵ - بوعلی قلندر ، شرف الدین پانی پتی (م ۷۲۴ھ)

حضرت بوعلی ، شعر میں شرف ، قلندر اور بوعلی تخلص کرتے تھے ۔ بڑے پائے کے بزرگ اور صاحب دل شخص تھے ۔ انھوں نے عالم اسلام کی سیاحت فرمائی اور قونیہ میں مولانائے روم سے بھی ملاقات کی تھی ۔ آپ آداب شرع کے پابند تھے مگر آزاد منشی کی بنا پر اپنے آپ کو 'قلندر' کہتے تھے ۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ سر تراشیدہ ، ابرو صاف ، بے ریش اور لا ابالی درویش تھے (یعنی اصطلاحی قلندر) مگر ان کی جلالتِ شان میں کلام نہیں ۔ حضرت قلندر کے اشعار کا نمونہ حسب ذیل ہے :

نہ ترسم ز آتش دوزخ نہ پروای جنان دارم
منم شوریدۂ جانان نخواهم حور و غلمان را

چہ گفتی این سخن کفر است گر گوئی شوی کافر
بر وای واعظ نادان چہ دانی سرمستان را
شرف بر بند لب از گفتن اشعار رندانہ
شکایتہاست ز اشعار تو ہرگبر و مسلمان را

اقبال نے تصریح فرمائی ہے[۴۳] کہ انھوں نے اپنے والد ماجد شیخ نور محمد مرحوم کے حسب الارشاد ، مثنوی اسرار خودی کو جناب قلندر پانی پتی کی معروف مثنوی کے اسلوب میں لکھنا شروع کیا تھا۔ اس مثنوی پر مثنوی معنوی اور ساقی نامہ ظہوری کے اثرات کا بھی انھوں نے اعتراف فرمایا ہے (دیکھیے اس کتاب میں رومی اور ظہوری کا ذکر) مثنوی رموز بیخودی میں یوں تو قلندر کی مثنوی[۴۴] کے ایک شعر کی طرف اشارہ ہے ، اور اسرار خوی میں بھی ان کا ایک ہی شعر منقول ملتا ہے ، مگر اقبال نے اس مثنوی میں ان کا ایک واقعہ لکھ کر اور 'قلندریت' سے اپنی وابستگی دکھا کہ ہمیں یہاں جناب قلندر کا ذکر کرنے کی رغبت دلا دی ہے۔ علامہ کا بیان کردہ واقعہ بظاہر سلطان علاء الدین خلجی کے عہد سے مربوط ہے۔ علاء الدین ایسے مقتدر بادشاہ کا گورنر (عامل شہر) بھی کیسا باشکوہ ہوگا مگر بادشاہ نے حضرت قلندر کے کسی مرید کی بے احترامی کی تلافی کی خاطر گورنر کو معطل کیا اور حضرت امیر خسرو کی سفارت کے ذریعے ان سے معذرت خواہی بھی کی۔ اقبال یہاں اس امر کا استنباط کر رہے ہیں کہ حضرت قلندر کی 'خودی'

---

۴۳ - اقبال نامہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ -
۴۴ - پشت پا زن تخت کیکاؤس را سر بدہ از کف مدہ ناموس را

عشق الٰہی سے مستحکم تھی ، اس لیے ان کے سامنے بادشاہ ہیچ تھے۔
اشعار ملاحظہ ہوں :

با تو میگویم حدیث بوعلیؒ
در سواد ہند نام او جلی
آن نوا پیرای گلزار کہن[۴۵]
گفت با ما از گلِ رعنا سخن
خطہ این جنتِ آتش نژاد
از ہوای دامنش مینو سواد
کوچک ابدالش سوی بازار رفت
از شراب بوعلیؒ سرشار رفت
عامل آن شہر می آمد سوار
ہمرکاب او غلام و چوبدار
پیش رو زد بانگ ای ناہوشمند
بر جلوداران عامل رہ مبند
رفت آن درویش سر افگندہ پیش
غوطہ زن اندریم افکار خویش
چوبدار از جام استکبار مست
بر سردرویش چوب خود شکست
از رہ عامل فقیر آزردہ رفت
دلگران و ناخوش و افسردہ رفت
در حضور بوعلی فریاد کرد
اشک از زندان چشم آزاد کرد

---

۴۵ - یعنی : مرحبا ای بلبل باغ کہن از گل رعنا بگو با ما سخن

صورت برقی کہ بر کہسار ریخت
شیخ سیل آتش از گفتار ریخت
از رگ جان آتش دیگر گشود
با دبیر خویش ارشادی نمود
خامہ را بر گیر و فرمانے نویس
از فقیرے سوے سلطانے نویس
بندہ ام را عاملت بر سر زدہ است
بر متاع جان خود اخگر زدہ است
باز گیر این عاملِ بد گوہری
ورنہ بخشم ملک تو با دیگری
نامۂ آن بندۂ حق دست گاہ
لرزہ ہا انداخت در اندام شاہ
بہر عامل حلقۂ زنجیر جست
از قلندر عفو این تقصیر جست
خسرو شیریں زبان ، رنگین بیان
نغمہ پایش از ضمیر کن فکان
فطرتش روشن مثال ماہتاب
گشت از بہر سفارت انتخاب
چنگ را پیش قلندر چون نواخت
از نوائی شیشۂ جانش گداخت۔۔

'قلندر و قلندریت' کی مناسبت سے اقبال کے بارے میں ہم ایک دو[۴۶]

---

۴۶ - سہ ماہی اقبال ریویو جنوری ۱۹۷۱ء (اقبال اور آئین جوانمرداں) اور سہ ماہی اقبال لاہور اپریل ۱۹۷۵ء نیز فارسی میں سہ ماہی معارف اسلامی تہران بہار ۱۳۵۴ھ - شمسی - (گرو - قلندریہ و ۔۔۔)

مقالے لکھ چکے ، مگر یہاں بھی ان کے چند اشعار نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ قیاس غالب ہے کہ قلندر دوستی اور اپنے آپ کو قلندر کہلانے کا ایک سبب اقبال کی نظر میں حضرت بوعلی کی ذات ہوئی ہوگی کیونکہ ان کے والد اور دوسرے بزرگ اکثر ان کا ذکر کیا کرتے تھے ، اور اقبال ایسے بالغ نظر شخص کے لیے جناب قلندر کی حریت کیشی ، آزاد مشربی اور بے قید و بندی میں بڑی کشش تھی ۔ اب قلندریت کی توصیف میں ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

قلندران کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندی بہ مہر و مہ پیچند
بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند
بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر
بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند
نظام تازہ بہ چرخ دو رنگ می بخشند
ستارہ ہای کہن را جنازہ بر دوشند

دبدبۂ قلندری ، طنطنۂ سکندری
آن ہمہ جذبۂ کلیم، این ہمہ سحر سامری
آن بہ نگاہ می کشد ، این با سپاہ می کشد
آن ہمہ صلح و آشتی، این ہمہ جنگ و داوری
ضرب قلندری بیار ، سد سکندری شکن
رسم کلیم تازہ کن ، رونق ساحری شکن

ازل سے فطرت احرار میں ہیں دوش بدوش
قلندری و قبا پوشی و کلہ داری
مرقد کا شبستان بھی اسے راس نہ آیا
آرام قلندر کو تہِ خاک نہیں
خاموشی افلاک تو ہے قبر میں لیکن
بے قیدی و پہنائی افلاک نہیں ہے

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جوانمرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق تو بھی ادھر جا
مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں ، راکب ہے قلندر

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش
حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مرد قلندر نے کیا راز خودی فاش

۶ - امیر خسرو ، حضرت یمین الدولہ ، طوطیٔ ہند دہلوی (م ۷۲۵ھ)

اک نظر میں خسرو ملک سخن ، خسرو ہوا
میں کہیں خالی نہ پھر جاؤں تری سرکار سے[۴۷]

خسرو شیریں زبان ، رنگین بیان
نغمہ ہایش از ضمیر کن فکان

---

۴۷ - ترجمان خودی صفحہ ۲۴ -

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو

مندرجہ بالا تین اشعار اس امر کے غماز ہیں کہ حضرت امیر خسرو کی حیات ، اور ان کا فکر و فن اقبال کے لیے کس قدر پر کشش رہا ہے ۔

امیر خسرو ، برصغیر کی فارسی نثر و نظم کے اساطین میں شامل ہیں ۔ ان کا کلام افغانستان ، روس اور ایران وغیرہ میں بھی متداول اور عزیز ہے ۔ آپ امیر سیف الدین محمود کے فرزند تھے جو منگولوں کی قتل و غارت گری کے ایام میں برصغیر میں وارد ہوئے تھے ۔ خسرو ۶۵۱ ہجری میں ضلع ایٹہ کے مقام پٹیالی میں پیدا ہوئے ۔ متداول علوم و فنون میں تبحر حاصل کیا اور ابتدائے شباب ہی سے لکھنے پڑھنے اور شعر گوئی کی طرف میلان ظاہر کیا ۔ خسرو ، فن موسیقی میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور بعض 'مقاماتِ موسیقی' کی ایجاد بھی ان سے منسوب ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں ایک خاص قسم کی موسیقیت کا احساس ہوتا ہے ۔ خسرو نے فارسی کے علاوہ ، مقامی زبان میں بھی شعر کہے جنھیں ہم ہندی یا اردو کا قدیم نمونہ قرار دیتے ہیں ۔ آپ کی کوئی ۲۲ تصانیف موجود ہیں ۔ آپ کا دیوان شعر تحفۃ الصغر ، وسطالحیات ، غرۃالکمال ، بقیہ نعتیہ اور نہایۃالکمال عنوان کے پانچ حصوں پر مشتمل ہے ۔ آپ نے مطلع الانوار ، شیرین خسرو ، لیلیٰ مجنوں ، آئنہ اسکندری اور ہشت بہشت ، نام کی مثنویوں کے ذریعے خمسہ نظامی کا جواب لکھا ۔ آپ کی پانچ دوسری مثنویاں ، مفتاح الفتوح ، دول رانی خضر خان ، نہ سپہر ، تغلق نامہ اور قران السعدین ، معاصر واقعات کے بارے میں

ہیں - تاریخ علائی ، افضل الفوائد، انشائے خسروی اور اعجاز خسروی (۳ جلد) ان کی معروف منثور کتابیں ہیں - آخری کتاب ، ایرانی اور تورانی فارسی کے فرق پر بھی روشنی ڈالتی ہے - امیر خسرو اور ان کے ہمدم امیر حسن سجزی (م ۷۳۷ھ) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃاللہ علیہ (م ۷۲۵ھ) کے سرشار مریدوں میں شامل تھے - خسرو مملوک ، خلجی اور تغلق بادشاہوں کے ہاں یکساں مکرم و محترم رہے - کئی شاہزادوں اور امراء نے بھی ان کی قدر کی -

علامہ اقبال کے ہاں خسرو کا ذکر و تتبع انگشت شمار ہے - ۱۹۰۲ع میں اقبال نے ایک اردو و فارسی نظم 'تحفۂ انگشتری' کے عنوان سے لکھی جس میں انھوں نے اپنے دوست منشی سراج الدین کشمیری کے ارمغانِ انگشتری کا شکریہ ادا کیا ہے - اس نظم کا ایک شعر ہے :

در لہانور آمد و چشم تماشا شد تمام
بود در کشمیر چشم انتظار انگشتری

اقبال نے لکھا ہے کہ امیر خسرو نے قران سعدین نام کی مثنوی میں لاہور کو لہانور لکھا ہے ، مگر قران سعدین[۴۸] مطبوعہ تہران میں لہانور کہیں نہیں 'لہاوور' ملتا ہے :

قوت این سیل کزیشان رسید
آب لہاوور بملتان رسید

زبور عجم (حصہ اول) کی ایک غزل میں اقبال نے خسرو کا ایک مصرع

---

۴۸ - صفحہ ۷۱ -

تضمین فرمایا ہے :

"بامید اینکہ روزی بہ شکار خواهی آمد"
زکمند شهریاران رم آهوانہ دارم

خسرو کی غزل میں یہ مصرع یوں آیا ہے :

خبرم شد است کامشب بر یار خواهی آمد
سر من فدای راهی کہ سوار خواهی آمد
همہ آهوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
بامید اینکہ روزی بشکار خواهی آمد
بلب آمد است جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازان کہ من نمانم بچہ کار خواهی آمد
بیک آمدن ببردی دل و جان صد چو خسرو
کہ زید اگر بدینسان دو سہ بار خواهی آمد ؟

ارمغان حجاز کی ایک دوبیتی میں امیر خسرو کا ایک شعر تضمین شدہ ملتا ہے ۔ شعر امیر موصوف کی مثنوی شیرین خسرو[۴۹] کا ہے :

"بسا کس انده فردا کشیدند
کہ دی مردند و فردا را ندیدند"
خنک مردان کہ در دامان امروز
هزاران تازہ تر هنگامہ چیدند

اس کتاب کی ایک دوسری دوبیتی میں امیر خسرو کے ایک مصرعے کی تضمین دیکھی جا سکتی ہے :

---

۴۹ - شیریں و خسرو طبع ماسکو ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۳۸ -

به روی عقل و دل بگشای هر در
بگیر از پیر هر میخانه ساغر
دران کوش از نیاز سینه پرور
"که دامن پاک داری ، آستین تر"[۵۰]

حضرت امیر خسرو کے دیوانوں پر نظر ڈالیں ، تو میدان غزل میں اقبال اور ان کے مندرجہ ذیل روابط بھی نظر آتے ہیں :

خسرو : سرم فدات چو تیغ تو گرد سرگردد
دلم نه ماند که تیر ترا سپر گردد

اقبال : جهان ما همه خاک است وپی سپر گردد
ندانم اینکه نفسهای رفته بر گردد

خسرو : خطاب طلعت تو نامهٔ زمین کردند
فرشتگان همه بر رویت آفرین کردند

اقبال : دم مرا صفت باد فرودین کردند
گیاه راز سرشکم چو یاسمین کردند

خسرو : مرا بسوی تو پیوند دوستی خام است
بآفتاب ز ذره چه جای پیغام است

اقبال : زمانه قاصد طیار آن دلآرام است
چه قاصدی که وجودش تمام پیغام است

خسرو : نیست گشاده چشم من جز بخیال روی تو
بستهٔ کس نشددلم جز بشکنج موی تو

اقبال : سوز و گداز زندگی لذت جستجوی تو
راه چو مار می گزد گر نروم بسوی تو

---

۵۰ - ارمغان حجاز (پیغام فاروق رض) ۔

۷۔ حافظ شیرازی ، خواجہ محمد شمس الدین، لسان الغیب (م ۷۹۱ھ)

حافظ سبکِ عراقی کے عظیم شاعر ہیں ۔ مجموعی حیثیت سے شاعری کے اعتبار سے وہ دنیا بھر میں فارسی کے مقبول ترین شاعر مانے جاتے ہیں ۔ حافظ کے مختصر دیوان میں ساقی نامہ ، قطعات ، رباعیات ، ایک مثنوی اور تقریباً پانصد غزلیات ہیں ، مگر جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنی یادداشتوں 'انعکاسات پریشاں' میں لکھا ہے ، خواجہ شیراز کا ہر لفظ نگینے کی طرح جڑا ہوا نظر آتا ہے[۵۱] اور اس سے بہتر لفظ و معنی کا امتزاج تا حال فارسی شاعری میں کسی نے پیش نہیں کیا ہے ۔ حافظ کی غزل میں رومی و سعدی کی غزل کے خصوصیات یکجا ہو گئے ہیں ۔ خواجہ کے کلام کی تعبیرات و شروح ، ان کے زمانے سے آج تک لکھی جاتی رہی ہیں ۔ ان کے اشعار سے فال گیری بھی کی جاتی رہی ہے :

حسد چہ می بری ای سست نظم بر حافظ
قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است

حافظ غزل میں سعدی اور خواجو کرمانی (م ۷۵۳ھ) کے پیرو تھے۔ ان کی اور خواجو کی متعدد غزلوں کے قالب ایک ہیں اور اسی لیے ، جیسا کہ علامہ اقبال نے بھی لکھا ہے[۵۲] لوگوں کو التباس ہوتا رہا ۔ اقبال نے کلام حافظ کی شروح میں سے 'شرح سودی'[۵۳] اور معانی حافظ کے دفاع کے ضمن میں 'لطیفہ غیبی'[۵۴] مؤلفہ میرزا محمد دارابی نیز 'لطائف اشرفی'[۵۵] میں ذکر حافظ کے بارے میں اشارے کیے ہیں ۔

---

۵۱ - Stray Reflections صفحہ ۱۵۲ -
۵۲ - اقبال نامہ جلد اول صفحہ ۴۷ -
۵۳ تا ۵۵ - ایضاً صفحہ ۳۸ ، ۴۲ - ۴۳ - قرن دہم ہجری کی نوشتہ شرح سودی معروف ہے ۔ لطیفہ غیبی کا ذکر پروفیسر براؤن نے اپنی تاریخ ادبیات کی جلد سوم میں کیا ہے ۔ اقبال نے اسے لطائف غیبی لکھا ہے ۔ کتاب گیارہویں صدی ہجری کی تالیف ہے اور ایران میں دو بار چھپ چکی ہے ۔ لطائف اشرفی ، سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۰۸ھ) کے ملفوظات ہیں ۔

اقبال ، مخالف یا موافقِ حافظ ؟

۱۹۱۵ء میں اقبال کی پہلی فارسی مثنوی 'اسرار خودی' چھپی۔ اس میں یونانی فلسفی افلاطون کے فلسفۂ ضعف اور اشعار حافظ کے منفی محتویات پر بے باکانہ انتقاد تھا۔ ان اشعار کی بنا پر اقبال کو ایک طوفانِ مخالفت سے مقابلہ کرنا پڑا۔ حامیانِ افلاطون کہتے تھے کہ ضعف اور سربزیری کا فلسفہ افلاطون کا نہیں ، نو افلاطونوں کا ہے، مگر علامہ نے ان حضرات کی آواز جلد ہی دبا دی۔ مگر حافظ چونکہ ہر طبقۂ خیال کے لوگوں میں عزیز تھے ، اس لیے علامہ کافی توانائی صرف کرکے بھی سارے حامیانِ حافظ کو قائل نہ کر سکے۔ اس لیے انھوں نے مثنوی کے دوسرے ایڈیشن سے وہ اشعار نکال دیے مگر اپنے نصب العین کی توضیح کی خاطر ان میں سے بعض اشعار کو 'درحقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ' کے تحت باقی رہنے دیا۔ اقبال ادب و شعر برائے زندگی کے قائل تھے۔ ان کا خیال تھا ، اور اس خیال سے اختلاف مشکل ہے کہ بعض فارسی شعراء نے جن میں حافظ سرِ فہرست ہیں ، نفی خودی اور اضمحلالِ قویٰ میں زندگی گزارنے کا درس دیا ہے۔ حافظ کا ذکر یہاں مثال کے طور پر تھا مگر بات نہ بنی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے بھی اقبال کے بیان فرمودہ نکات کے مطابق ہی دیوان حافظ[۵۶] کا پڑھنا ممنوع قرار دیا تھا ، مگر ان مخالفتوں نے کلام حافظ کو مقبول تر کیا۔ انسانی طبائع ممنوعات کی طرف بیشتر مائل ہوتی ہیں ! آخر انسانوں کے والدین نے بھی 'شجر ممنوعہ' کا پھل کھایا تھا :

---

۵۶ - صحیفہ ، اقبال نمبر ، جلد اول ، صفحہ ۱۶۶ -

او بیک دانۂ گندم بزمینم انداخت
تو بیک جرعۂ آب آنسوی افلاک انداز (اقبال)

بہر صورت ، بادی النظر میں اقبال کو حافظ کا مخالف سمجھا جاتا رہا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ۔ اقبال بدو شعور سے آخری ایام تک حافظ کی فنی عظمت کے دل سے قائل رہے ۔ اسلوب کے اعتبار سے حافظ ان کے محبوب ترین شعراء میں شامل ہیں ۔ اقبال نے حافظ کی مقبولیت کے پیش نظر ، ان کے اشعار کے بعض معانی سے اختلاف کیا ۔ یہ ایسا ہی اختلاف تھا جیسے امام محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) کو بوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) سے تھا یا ابن رشد (م ۵۹۵ھ) کو غزالی سے مگر جس طرح غزالی ، ابن سینا یا ابن رشد غزالی کی عظمت کے قائل تھے ، اسی طرح اقبال حافظ کی فنی عظمت کے مدح خواں رہے ہیں ۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام اپنے مکتوب مؤرخہ ۳ اپریل ۱۹۱۶ء میں آپ نے لکھا تھا :

"خواجہ حافظ کی شاعری کا میں معترف ہوں ۔ میرا عقیدہ ہے کہ ویسا شاعر ایشیا میں آج تک پیدا نہیں ہوا اور غالباً پیدا نہیں ہوگا ۔ لیکن جس کیفیت کو وہ پڑھنے والے کے دل پر پیدا کرنا چاہتے ہیں ، وہ کیفیت قوائے حیات کو کمزور و ناتواں کرنے والی ہے ۔"[۵۷]

تضمینات و توصیفات

اقبال نے کئی مواقع پر حافظ کی توصیف کی اور ان کے اشعار اور مصرعوں کو تضمین فرمایا ہے ۔ مثالیں درج ہیں :

---

۵۷ - ماہنامہ ادبی دنیا لاہور ، اپریل و مئی ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۱ ۔

جہاں میں خواجہ پرستی ہے بندگی کا کمال
رضائے خواجہ طلب کن قبائے رنگین پوش
مزا تو یہ ہے کہ یوں زیر آسماں رہیے
"ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش"
یہی اصول ہے سرمایۂ سکون حیات
"گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش"
مگر خروش پہ مائل ہے تُو، تو بسم اللہ
"بگیر بادہ صافی، بیانگ چنگ بنوش"
پیام مرشد شیراز بھی مگر سن لے
کہ ہے یہ سر نہاں خانۂ ضمیر سروش
"محل نور تجلی است رای انور شاہ
چو قرب او طلبی در صفای نیست کوش"

ہوائے بزم سلاطین، دلیل مردہ دلی
کیا ہے حافظ رنگین نوا نے راز یہ فاش
"گرت ہواست کہ باخضر ہم‌نشین باشی
نہان ز چشم سکندر چو آبِ حیوان باش"

"دلق حافظ بچہ ارزد، بہ میش رنگین کن
و آنگہش مست و خراب از رہ بازار بیار"

"شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
این سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

بیا تا گل بیفشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم (بانگ درا)

عاقبت منزل ما وادی خموشان است
حالیہ غلغلہ در گنبد افلاک انداز (بال جبریل)

اکنون کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد؟

در کوی نیکنامی ما را گزر ندادند
گر تو نمی پسندی تغییر دہ قضا را

ہان مشو نومید چون واقف نہ ای از سر غیب
باشد اندر پردہ بازیہای پنہان غم مخور (۵۷ الف)

سہاں الفقر فخری کارہا شان امارت میں
'بآب و تاب و رنگ بو چہ حاجت روئے زیبا را'

در غم دیگر بسوز و دیگران را ہم بسوز
"گفتمت روشن حدیثی، گر توانی دارگوش" (بانگ درا)
خونِ رگ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزاد

---

۵۷ (الف) - مقالات اقبال صفحہ ۱۶۹ - اقبال نامہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ -

محولات اور تحلیلات :

اقبال ، فن حافظ کے ایسے دلداہ تھے کہ جیسا کہ انھوں نے عطیہ بیگم فیضی مرحومہ سے یورپ میں اپنی پہلی ملاقات بتاریخ یکم اپریل ۱۹۰۷ء کے دوران فرمایا[۵۸] ، وہ کبھی کبھی ایسا سوچتے تھے کہ حافظ کی روح ان کی روح میں سرایت کرگئی ، اور اس وقت وہ بالالتزام حافظ کے رنگ میں کہتے تھے ۔ حافظ کے تتبع کا ذکر بعد میں آئے گا ۔ سرِ دست بعض ایسے معانی اور تعبیرات دیکھیں جو بظاہر اقبال نے حافظ سے لی ہیں ۔ ان میں چند تراکیب بھی نظر آئیں گی ۔ کئی جگہ تعریضات بھی ہیں :

حافظ : شب تاریک و بیم موج و گردابی چنین حائل
کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا

اقبال : شب تاریک و راہ پیچ پیچ و بی یقین راہی
دلیل کاروان را مشکل اندر مشکل افتاد است

حافظ : اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دلِ ما را
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

اقبال : بدست ما نہ سمرقند و نی بخارا ایست
دعا بگو ز فقیران بہ ترک شیرازی

حافظ : بملازمان سلطان کہ رساند این دعا را
کہ لشکر پادشاہی ز نظر مران گدا را

---

۵۸ - اقبال نوشتہ عطیہ بیگم فیضی (انگریزی/مترجمہ اردو) ۔ ڈاکٹر خواجہ عبدالحکیم مرحوم کا یہ جملہ بڑا صائب ہے کہ :
"اقبال کی کئی فارسی غزلیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو دیوان حافظ میں داخل کر دیا جائے تو پڑھنے والے حافظ کے کلام سے ان کا امتیاز نہ کر سکیں" ۔ فکر اقبال صفحہ ۳۷۴ ۔

اقبال : بملازمان سلطان خبری دهم ز رازی
که جهان توان گرفتن ، بنوای دلنوازی

حافظ : دوش از مسجد سوی میخانه آمد پیر ما
چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما

اقبال : چیست یاران بعد ازین تدبیر ما
رخ سوی مے خانه دار پیر ما

حافظ : اکنون کرا دماغ که پرسد ز باغبان
بلبل چه گفت و گل چه شنید و صبا چه کرد ؟

اقبال : آن حرف دلفروز که راز است و راز نیست
من فاش گویمت که شنید ؟ از کجا شنید ؟
دزدید ز آسمان و به گل گفت شبنمش
بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید

حافظ : بیا تا گل بیفشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشکافیم و طرح دیگر اندازیم

اقبال : بیا که تازه نوا می تراود از رگ ساز
میٔ کهن شیشه گدازد به ساغر اندازیم

حافظ : کلید گنج سعادت قبول اهل دل است
مباد آنکه درین نکته شک و ریب کند
شبان وادی ایمن گهی رسد بمراد
که چند سال بجان خدمت شعیب[۴] کند

اقبال : دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی کے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب[۴] آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

حافظ : تو بندگی چو گدایان بہ شرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

اقبال (تعریضاً) :

فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنھیں
خبر نہیں روش بندہ پروری کیا ہے ؟

تتبع مفردات :

پوری غزلیات کے تتبع کی مثالوں سے قبل ، بعض مفرد نما اشعار کے استقبالات دیکھیں ۔ یہاں اقبال کے اشعار غزل کے نہیں مگر حافظ کے ہاں کی امثلہ غزلیات میں سے ہیں :

حافظ : حالیا مصلحت وقت در آن می بینم
کہ کشم رخت بہ میخانہ و خوش بنشینم

اقبال : من درین خاک کہن گوہر جان می بینم
چشم ہر ذرہ چو انجم نگران می بینم

حافظ : در ازل پرتو حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد

اقبال : عقل چون پای درین راہ خم اندر خم زد
شعلہ در آب دوانید و جہان برہم زد

حافظ : خیز تا از در مے خانہ گشادی طلبیم
بر رہ دوست نشینیم و مرادی طلبیم

اقبال : چارہ اینست کہ از عشق گشادی طلبیم
پیش او سجدہ گزاریم و مرادی طلبیم

حافظ : تاز میخانہ و می نام و نشان خواهد بود
سر ما خاک رہ پیرِ مغاں خواهد بود

اقبال : زندگی جوی روان است روان خواهد بود
این می کہنہ جوان است و جوان خواهد بود

میدان غزل میں :

میدان غزل میں اقبال نے جہاں جہاں زمینِ حافظ پر قدم رکھا ، حیرت انگیز حد تک کامیابی حاصل کی ۔ نظیری کے بعد غالباً اقبال ہی وہ شاعر ہیں جنھوں نے خواجۂ شیراز کی زمین میں بے باکانہ چہل قدمی کی ہے ۔ اقبال کے اس پہلو کو کئی معاصر ایرانی ناقدین نے سراہا ہے کہ حافظ کے قالب اختیار کرکے بھی ، آپ نے معنوی طور پر اپنا مسلک برقرار رکھا ہے ۔ جہاں تک ہم دیکھ سکے ، اقبال نے پیامِ مشرق کے حصہ مئے باقی ،[۵۹] زبورِ عجم اور مثنوی مسافر میں (جہاں صرف ایک غزل ملتی ہے) حافظ کی ۱۶ غزلیات کا استقبال فرمایا ہے ۔ اس کے علاوہ ارمغانِ حجاز کا ایک قطعہ 'حسین احمد' بھی حافظ کی ایک غزل کے اسلوب[۶۰] پر ہے ۔ یہ امر دلچسپ ہے کہ اقبال کی چند اردو غزلوں پر بھی شعر حافظ کا نمایاں اثر نظر

---

۵۹ - بدہ ساقی مئی باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را (حافظ)
غزلہای حافظ مرتبہ ڈاکٹر سلیم نیازی (تہران ۱۳۵۳ش/۱۹۷۴ء) میں البتہ 'می باقی' کی جگہ 'مئی صافی' آیا ہے اور استناد ایک قدیم مخطوطے کا ہے ۔

۶۰ - پہلا شعر یہ ہے :
عجم ہنوز نداند رموز دین ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ، این چہ بوالعجبیست

آتا ہے ، اگرچہ علامہ مرحوم نے قافیے یا ردیف میں بعض جگہ حافظ کا پورا ساتھ نہیں دیا ۔ اس توضیح کے بعد اب مختصر مثالیں ملاحظہ ہوں - پورے تقابلی مطالعے کی خاطر کلام اقبال و حافظ کا پیش نظر رہنا ضروری ہے :

حافظ : ما بدین در نہ پی حشمت و جاہ آمدہ ایم
از بد حادثہ این جا بہ پناہ آمدہ ایم

اقبال : ما کہ افتندہ تر از پرتو مہ آمدہ ایم
کس چہ داند کہ چسان این ہمہ رہ آمدہ ایم

حافظ : سحرم ہاتف مے خانہ بدولت خواہی
گفت باز آئی کہ دیرینہ این درگاہی

اقبال : نظر تو ہمہ تقصیر و خرد کوتاہی
نرسی جز بہ تقاضای کلیم اللہی

حافظ : درین چمن گل بیخار کس نچید آری
چراغ مصطفوی با شرار بولہبی است

اقبال : بشاخ زندگی ما نمی ز تشنہ لبی است
تلاش چشمۂ حیوان دلیل کم طلبی است
نہال ترک ز برق فرنگ بار آورد
ظہور مصطفوی را بہانہ بولہبی است

(اردو میں) سیتزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز[۶۱]
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حافظ : کنون کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود
بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود

---

۶۱ - بانگ درا حصہ سوم (نظم ارتقاء) -

اقبال : بہار تا بہ چمن کشید بزم سرود
نوای بلبل شوریدہ چشم غنچہ کشود

حافظ : سرم خوش است و بہانگ بلند میگویم
کہ من نسیم حیات از پیالہ می جویم

اقبال : باین بہانہ درین بزم محرمی جویم
غزل سرایم و پیغام آشنا گویم

حافظ : نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ سازد ، سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد ، قلندری داند

اقبال : جہان عشق نہ میری نہ سروری داند
ہمین بس است کہ آئین چاکری داند
بیا بمجلس اقبال و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد ، قلندری داند

حافظ : روشن از پرتو رویت نظری نیست کہ نیست
منت خاک درت بر بصری نیست کہ نیست

*اقبال : سرخوش از بادۂ تو خم شکنی نیست کہ نیست
مست لعلین تو شیرین سخنی نیست کہ نیست

حافظ : جز آستان توام در جہان پناہی نیست
سر مرا بجز این در حوالہ گاہی نیست

---

* بہ تغیر قافیہ (ایسی کئی دیگر مثالیں بھی ہیں جن سے ہم نے صرف نظر کر لیا ہے) ۔

اقبال : اگرچه زیب سرش افسر و کلاهی نیست
گدای کوی تو کمتر ز پادشاهی نیست

حافظ : بیا که رایت منصور پادشاه رسید
نوید فتح و بشارت به مهر و ماه رسید

اقبال : بیار باده که گردون بکام ما گردید
مثال غنچه نواها ز شاخسار دمید

حافظ : مقام امن و می بیغش و رفیق شفیق
گرت مدام میسر شود زهی توفیق

جهان و کار جهان جمله پیچ در پیچ است
هزار بار من این نکته کرده ام تحقیق

اقبال : ز رسم و راه شریعت نکرده ام تحقیق
جز اینکه منکر عشق است کافر و زندیق

(یا اردو) ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حافظ : شاهد آن نیست که موئی و میانی دارد
بندهٔ طلعت آن باش که آنی دارد

اقبال : عاشق آن نیست که لب گرم فغانی دارد
عاشق آن است که برکف دو جهانی دارد

حافظ : مزرع سبز فلک دیدم و داس مه نو
یادم از کشتهٔ خویش آمد و هنگام درو

اقبال : بگذر از خاور و افسونِ افرنگ مشو
که نیرزد بجوی این همه دیرینه و نو

(یا اردو) ہر اک مقام سے آگے گزر گیا مہ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو!

حافظ : بسر جام جم آنکہ نظر توانی کرد
کہ خاک میکدہ کحل بصر توانی کرد

اقبال : درون لالہ گزر چون صبا توانی کرد
بیک نفس گرۂ غنچہ وا توانی کرد

حافظ : خیز و در کاسۂ زر آب طربناک انداز
پیشتر ز انکہ شود کاسۂ سر خاک ، انداز

اقبال : ساقیا بر جگرم شعلۂ نمناک انداز
دگر آشوبِ قیامت بکف خاک انداز

حافظ : شنیدہ ام سخنی خوش کہ پیر کنعان گفت
فراق یار نہ آن می کند کہ بتوان گفت

اقبال : رمز عشق تو بہ ارباب ہوس نتوان گفت
سخن از تاب و تب شعلہ بہ خس نتوان گفت

(یا) دگر ز سادہ دلیهای یار نتوان گفت
نشستہ بر سر بالین من ز درمان گفت

حافظ : زاهد ظاهر پرست از حال ما آگاه نیست
در حق ماهر چہ گوید جای هیچ اکراه نیست

اقبال : از نوا برمن قیامت رفت و کس آگاه نیست
پیش محفل جز بم و زیر و مقام و راه نیست

حافظ : بیا کہ قصر امل سخت سست بنیاد است
بیار بادہ کہ بنیاد عمر برباد است

مجو درستی عهد از جهان سست نهاد
که این عجوزه عروس هزار داماد است

اقبال : بیا که ساز فرنگ از نوا بر افتاد است
درون پردهٔ او نغمه نیست ، فریاد است
درفش ملت عثمانیان دوباره بلند
چه گویمت که به تیموریان چه افتاد است
هزار مرتبه کابل نکوتر از دلی ست
که آن عجوزه عروس هزار داماد است

حافظ : سحر با باد می گفتم حدیث آرزومندی
خطاب آمد که واثق شو، بالطاف خداوندی

اقبال : متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزومندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

حافظ : ز دست کوتهٔ خود زیر بارم
که از بالا بلندان شرم سارم

اقبال : هوای خانه و منزل ندارم
سر راهم ، غریب هر دیارم

مندرجہ بالا مختصر مثالوں سے حافظ اور اقبال کی صوری اور کسی حد تک معنوی[۶۲] قربت نمایاں ہو جاتی ہے۔

۸ - جامی ، مولانا عبدالرحمٰن (م ۸۹۸ھ)

جامی ، ان کا تخلص ہے اور ان کے مولد جام (خراسان) سے

---

۶۲ - اس ضمن میں حافظ اور اقبال کے ہاں 'قلندر' اور 'رند' کی تراکیب کا مطالعہ بھی مفید ہے - ملاحظہ ہو میرا مقالہ سہ ماہی معارف اسلامی تہران بابت بہار ۱۳۵۴ ش میں -

اظہار نسبت بھی ۔ خاتم الشعراء جامی بڑے جامع الصفات شخص تھے ۔ استاد ڈاکٹر علی اصغر حکمت کی تالیف 'جامی' کے مطابق ،[۶۳] وہ سلسلۂ نقشبندی میں بیعت تھے ۔ ۸۷۷ ہجری میں آپ نے حج کیا اور عرب و عجم کے متبرک مقامات کی سیاحت فرمائی ۔ تیموری سلاطین اور ان کے امراء جامی کا بڑا احترام کرتے تھے ۔ سلطان حسین بایقرا (۸۷۵ - ۹۱۹ھ) اور اس کے دانش مند وزیر میر علی شیر نوائی خطائی (م ۹۰۶ھ) نے جامی کی خصوصی سرپرستی کی ۔ جامی کے انتقال کے بعد جب سلاطین صفویہ برسراقتدار آئے ، تو انھوں نے جامی کے تسنن اور نقشبندیت کے خلاف بڑا تعصب دکھایا ۔ جامی ہرات (افغانستان) میں مدفون ہیں اور راقم الحروف نے ۱۹۶۶ع میں ان کے مزار کی زیارت کی تھی ۔

جامی ایک بڑے مصنف اور شاعر ہیں ۔ ان کے ضخیم دیوان میں (جو تین حصوں پر مشتمل ہے) سب ہی اصناف سخن موجود ہیں مگر وہ مبدع اور مبتکر کم ہیں اور مقلد زیادہ ۔ سبک شعر میں ان کے ہاں کہیں کہیں پیچیدگی نظر آتی ہے مگر بالعموم وہ غزل میں سعدی اور حافظ کے ، قصیدہ میں انوری ، خاقانی اور ظہیر کے ، قطعات میں سنائی اور ابن یمین کے، رباعیات میں ابوسعید ابی الخیر اور خیام کے ، اور مثنویوں (سبعہ یا ہفت گانہ) میں نظامی اور امیر خسرو دہلوی کے مقلد ہیں ۔ آپ کے اشعار کا دلآویز پہلو عرفان ، عشق و محبت خصوصاً عشق رسولؐ اور مختلف دینی مسائل کا بیان ہے ۔ دیوان اشعار کے علاوہ ، جامی کی تالیف نفحات الانس ، شرح فصوص الحکم ، شرح قصیدہ تائیہ ابن فارض مصری ، بہارستان ،

---

۶۳ - جامی ، طبع تہران ۱۳۲۰ ش

ترجمہ منظوم چہل حدیث ، مناقب خواجہ عبداللہ انصاری ، مناقب مولانائے روم ، سخنان خواجہ پارسا نقشبندی (م ۸۲۲ھ) اور سات مثنویاں : سلسلۃ الذہب ، سلامان و ابسال ، تحفۃ الاحرار ، سبحۃ الابرار، یوسف و زلیخا ، لیلیٰ و مجنون ، اور خرد نامہ اسکندری ، بہت معروف ہیں ۔ آپ کی کل تصانیف ۴۸ بتائی جاتی ہیں ۔

اقبال کے ہاں جامی کے بعض قطعات ، غزلیات ، ایک دو مثنویوں اور کتاب نفحات الانس کا انعکاس نظر آتا ہے ۔ ارمغان حجاز میں آپ نے جامی کے جذبۂ عشق کو سراہا اور اسے بالاتر از منطق قرار دیا ہے :

گہی شعر عراقی را بخوانم
گہی جامی زنـد آتش بجـانم
نـدانم گـرچہ آہنگ عرب را
شریک نـغمہ هـای ساربانم
مرا از منطق آیـد بوی خامی
دلـیل او دلـیل ناتمامی
برویم بستہ در ها را کشاید
دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

دیباچۂ پیـام مشرق میں جامی کا سرسری سا ذکر ملتا ہے ۔ مثنوی اسرار خودی میں علامہ نے ان کے ایک نعتیہ شعر کو تضمین کیا اور ساتھ ساتھ جامی کے سبک نثر و نظم کی دل کھول کر داد دی :

کشتہ انداز ملا جامیم
نظم و نثر او علاج خامیم

شعر لب ریز معانی گفتہ است
در ثنای خواجہ گوہر سفتہ است

"نسخۂ کونین را دیباچہ[۶۴] اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست"

مثنوی رموز بے خودی میں اقبال کا ایک شعر یوں ہے :

بیم جاسوسی است از اقلیم مرگ
اندرونش تیرہ مثل میم مرگ

'میم مرگ' کی ترکیب کے سلسلے میں اقبال نے فرمایا کہ اسے انھوں نے 'میم مروت' کے اسلوب[۶۵] پر وضح کیا ہے جو مولانا جامی نے تحفۃ الاحرار میں استعمال کی ہے ۔ سبحۃ الابرار میں بھی ہے :

با رفقا میم مروت می باش
تخم ایثار و فتوت می پاش

جامی کا ایک معروف قطعہ ہے (بہ سبک ابن یمین م ۷۶۹ھ) یوں ہے :

بدندان رخنہ در پولاد کردن
بناخن را خارا در بریدن
فرو رفتن بآتشدان نگونسار
بہ پلک دیدہ آتش پارہ چیدن

---

۶۴ - جامی کے مطبوعہ مجموعہ ہائے کلام میں یہ شعر ہمیں ملا نہیں ہے ۔ ارمغان حجاز (حضور حق حصہ ۴) میں اقبال نے سعدی سے منسوب ایک مصرع تضمین فرمایا ہے :

مرا ای کاشکی مادر نزادی

کلیات سعدی میں یہ مصرع نہیں ملتا البتہ جامی نے مثنوی یوسف و زلیخا میں کہا ہے :

مرا ای کاشکی مادر نمی زاد وگر می زاد ، کس شیرم نمی زاد

۶۵ - اقبال نامہ جلد ۱ ۔

بہ فرق سر نہادن صد شتر بار
ز مشرق جانب مغرب دویدن
بس بر جامی آسان تر نماید
ز بار منت دو نان کشیدن

اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار (مثنوی بندگی نامہ)، جو مذمتِ غلامی میں ہیں، اسی صنعت جمع میں نظر آتے ہیں:

شورہ بوم از نیش کژدم خار خار
مور او اژدر گز و عقرب شکار
صرصر او آتشِ دوزخ نژاد
زورق ابلیس را باد مراد
آتشی اندر ہوا غلطیدۂ
شعلۂ در شعلۂ پیچیدۂ
آتشی از دود پیچان تلخ ہوش
آتشی تندرغو و دریا خروش
درکنارش مارہا اندر ستیز
مارہا با کفچہ ہای زہر ریز
شعلہ اش گیرندہ چون کلبِ عقور
ہولناک و زندہ سوز و مردہ نور
در چنین دشتِ بلا صد روزگار
خوشتر از محکومیٔ یک دم شمار

جامی نے سفر حج اور بالخصوص زیارتِ نجف اشرف کے دوران حضرت علی رض کی ایک لازوال منقبت لکھی ہے - اس منقبت کو ہر

طبقۂ خیال کے اہلِ ذوق افراد ہر دور میں سراہتے رہے ہیں۔[۶۶] اقبال نے اپنی ایک اور غزل میں اس کا تتبع کیا۔ انتخاب دیکھیں۔ جامی کے کل اشعار ۲۱ ہیں اور اقبال کے صرف ۷۔

جامی : اصبحت زائراً لک یا شحنۃ النجف[۶۷]

بہر نثار مقدم تو نقد جان بکف
زان پایہ برتری تو کہ کنہ کمال تو
داند شدن سہام خیالات را ہدف
جز گوہر ولای تراوش نداده اند
ہر کس کہ با صفای درون زاد چون صدف
خوشحالم از تلافی خدام روضہ ات
باشد کنم تلافی عمری کہ شد تلف
گر پردہ ہای چشم مرصع ز گوہرم
فرش حریم قبر تو باشد زہی شرف
دارم توقع اینکہ مثال رجای من
یابد ز کلک فضل تو توقیع لاتخف

اقبال : میر سپاہ ناسزا ، لشکریاں شکستہ صف
آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف
تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا میں موج موج ، دیکھ چکا صدف صدف

---

۶۶ - ملاحظہ ہو کلیات جامی طبع نولکشور میں اس منقبت کا ذکر۔
۶۷ - اس ضمن میں حافظ کی ایک غزل بھی پیش نظر رہے۔ مطلع ہے :
طالع اگر مدد کند دامنش آورم بہ کف
گر بکشم زہی طرب ور بکشد زہی شرف

عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگار دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف

کھول کے کیا کروں بیاں ، سر مقام مرگ و عشق
عشق ہے مرگ با شرف ، مرگ حیات بے شرف

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ، ایک کلیم سر بکف

مثل کلیم[۴] ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لا تخف

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا ، خاک مدینہ و نجف

اب میدان غزل (و نظم) میں دونوں شاعروں کے کچھ مشترک قوالب دیکھیں :

جامی : طرف باغ و لب جوی و لب جامست اینجا
ساقیا خیز کہ پرہیز حرامست اینجا[۸۶]

بستہ حلقہ زلف تو نہ تنہا دلِ ماست
ہر کجا مرغ دلی بستۂ دامست اینجا

می کشی تیغ کہ سازی دل ما را بدو نیم
تیغ بگذار کہ یک غمزہ تمامست اینجا

پیش ارباب خرد شرح مکن مشکل عشق
نکتۂ خاص مگو ، مجلسِ عامست اینجا

---

۸۶ - اس زمین میں عرفی ، فیضی اور حزین وغیرہ کی غزلیں بھی معروف ہیں۔

جامی از بوی تو شد مست نه می دیده نه جام
بزم عشقست چه جای می و جامست اینجا

اقبال : هست این میکده و دعوت عام است اینجا[۶۹]
قسمت باده باندازهٔ جام است اینجا
نشه از حال بگیرند و گذشتند ز قال
نکتهٔ فلسفه ، دردِ ته جام است اینجا
ما درین ره نفسِ دهر برانداخته ایم
آفتاب سحر او لب بام است اینجا
حرف آن راز که بیگانه صوت است هنوز
از لب جام چکید است و کلام است اینجا
ای که تو پاس غلط کردهٔ خود می داری
آنچه پیش تو سکون است خرام است اینجا

جامی : ریزم ز مژه کوکب بی ماه رخت شبها
تاریک شبی دارم با این همه کوکبها
شدنسخ خط یاقوت اکنون همه رعنایان
تعلیم خط از لعلت گیرند بمکتبها

اقبال : من هیچ نمی ترسم از حادثهٔ شبها
شبها که سحر گردد از گردش کوکبها
آهی که زدل خیزد از بهرجگر سوزی است
درسینه شکن او را ، آلوده مکن لبها

---

۶۹ - پیام مشرق ، نظم جہان عمل ۔ باقی ماندہ اشعار کے لیے ملاحظہ ہو باقیات اقبال صفحہ ۳۹۹-۵۰۱ -

آسوده نمی گردد آن‌دل که گسست‌از دوست
با قرأت مسجدها ، با دانش مکتبها

جامی : من و فکر توچه بینم به جهان دگران
هم خیال تو مرا به ز وصال دگران
میبرد نامه او بدهید ما دور دریغ
که پریدن نتوانیم ببال دگران
غیرتم بر تو چنانست که گر دست دهد
نگذارم که در آبی بخیال دگران
روز و شب تشنه جگرخاک‌درت بوسه زنم
من که لب تر نکنم ز آب زلال دگران

اقبال : مثل آئینه مشو محو جهان دگران
از دیده و دل فرد شوی خیال دگران
در جهان بال و پر خویش کشودن آموز
که پریدن نتوان با پر و بال دگران
آتش از ناله مرغان حرم گیرد بسوز
آشیانی که نهادی به نهال دگران
مرد آزادم و آنگونه غیورم که مرا
می توان کشت بیک جام زلال دگران
ای که نزدیک ترا ز جانی و پنهان ز نگه
هجر تو خوشترم آید ز وصال دگران

جامی : این قدر مستم که از چشمم شراب آید برون
وز دل پر حسرتم بوی کباب آید برون

اقبال : خضر وقت از خلوت دشت حجاز آید برون
کاروان زین وادی دور و دراز آید برون

جامی : بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ درین راہ فلان ابن فلان چیزی نیست ۷۰

اقبال : مئی دیرینہ و معشوق جوان چیزی نیست
پیش صاحب نظران حور جنان چیزی نیست

۹- بابا فغانی شیرازی (م ۹۲۵ھ)

بابا فغانی شیرازی ایک صاحب طرز شاعر ہیں - ہم نے انھیں سبکِ عراق کے شعراء کے زمرہ میں ذکر کیا ، تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہم انھیں سبک اصفہانی یا ہندی کے شعراء میں ذکر نہیں کر سکتے - وہ سبکِ ہندی کے مقابلے میں سبک عراق سے اقرب ہیں ، گو ان کے ہاں ان دونوں طرزوں کا امتزاج نظر آتا ہے - اکثر معاصرین نے ان کے سبک کی قدر نہ کی اور اسے 'فغانیہ' کہہ دیا ، مگر معدودے چند (جیسے والہ داغستانی صاحب تذکرۂ ریاض الشعراء) نے ان کے اسلوب کو سراہا بھی تھا - جہاں تک ہمارا مطالعہ مظہر ہے علامہ شبلی نعمانی مرحوم وہ پہلے ناقد تھے جنھوں نے 'شعرالعجم' میں فغانی کے طرز کو اجاگر کیا اور اس سوختہ دل

---

۷۰ - مثنوی رموز بیخودی میں اقبال نے کہا ہے :
فارغ از باب و ام و اعمام باش همچو سلمان رض زادۂ اسلام باش
حاشیے میں ہے : ''سلمان فارسی سے لوگوں نے ان کا شجرۂ نسب دریافت کیا - انھوں نے جواب دیا : سلمان ابن اسلام'' - جامی و اقبال کا ایک اور مشترک قالب غزل دیکھیں :

جامی : این منم یا رب بدرد عاشقی زار اینچنین
کس مبادا در جہان ہرگز گرفتار اینچنین

اقبال : فصل بہار اینچنین ، بانگ ہزار اینچنین
چہرہ گشای ، غزل سرای ، بادہ بیار اینچنین

شیرازی شاعر کی سادگی ، معانی آفرینی ، زور بیان اور بے تکلفی و سادگی کو خراج تحسین پیش کیا ۔ شبلی کے بقول فغانی ، صنائع و بدائع کی خاطر خواہ مخواہ کی کوشش کرتے نظر نہیں آتے ۔

بابا فغانی کے مفصل حالات زندگی ناپید ہیں ۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ شیراز میں پیدا ہوئے ۔ جوانی میں انھوں نے عشق مجازی کی کوشش کی جس کی ناکامی نے انھیں مے نوشی پر لگا دیا ۔ تلاشِ معاش کے ضمن میں وہ ایک بار ہرات آئے اور دوسری بار تبریز۔ زمانے نے ان کی کوئی خاص قدر نہ کی ۔ ان کی عائلی زندگی کی تفصیلات ناپید ہیں ۔ بابا کی آخری عمر مشہد میں گزری ۔ اس دوران وہ تائب ہو گئے تھے اور گوشہ گیری میں ایام کاٹ رہے تھے ۔ ان کا انتقال وہیں ہوا ہے ۔

بابا فغانی اور اقبال کے صوری اور بعض معنوی ارتباطات کا حال راقم الحروف پر ۱۹۶۷ء میں منکشف ہوا ۔ اس سال ہم نے ایک درسی کتاب کے طور پر تہران یونیورسٹی کے امتحان کی خاطر دیوان فغانی کا مطالعہ کیا تھا ۔ بعد میں ہم نے دیکھا کہ اقبال نے کالج کی تعلیم کے دوران کے ایک شعر میں بابا فغانی کے اسلوب کی طرف[۷۱] اشارہ کیا ہے ، اور ۱۹۰۷ء میں عطیہ بیگم فیضی سے انھوں نے بابا کا یوں ذکر کیا جیسے وہ حافظ کے بعد ان کے دوسرے پسندیدہ شاعر ہیں ۔[۷۲] بہر صورت چونکہ دریافت نئی تھی ہم نے فغانی و اقبال کے مشترکات کے بارے میں ، بعض احباب کے اصرار پر ، انگریزی ،

---

۷۱ - سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۶۸ء ۔
۷۲ - اقبال از عطیہ بیگم (ملاقات اول) ۔

فارسی اور اردو میں جداگانہ مقالے لکھے جن پر بعض ادب دوستوں کی داد بھی ملی ۔[۷۳]

گل 'لالہ' کا عشق

بابا فغانی تغزل اور جذبے کے شاعر تھے ۔ اقبال نے ان کے اسلوب سے دل بستگی دکھائی ۔ فکر میں ان کے پاس کچھ نہ تھا کہ اقبال اس کا تتبع کرتے ۔ اس کے باوجود 'گلِ لالہ' دونوں کا ایسا پسندیدہ اعلامیہ تھا کہ شاید و بایـد ۔ ہم نے اپنے ایک مقالے میں لکھا تھا کہ گو لالہ اقبال کے ہاں ایک وسیع تر علامت ہے[۷۴] مگر بابا فغانی کے علاوہ فارسی کا کوئی دوسرا شاعر اس ضمن میں اقبال کا پیشرو نہیں ۔ دونوں کے ہاں لالہ کے داغِ جگر ، اور اس گل کی سہ گانہ اقسام —— خود رو ، پیکانی اور نعمانی —— مذکـور ہیں ۔ اس کے علاوہ دونوں ہی اس بات کے آرزو مند ہیں کہ 'لالہ' ان کے مزار کی زینت بنے اور ان کے دلِ عاشقانہ کے داغ کی نمایندگی کرے ۔

فغانی : ہنـوز سـوزدم از داغِ آرزوی تـو دل
گھی کہ لالہ دمد از سر مزار مرا

اقبال : چون بمیرم از غبار من چراغِ لالہ ساز
تازہ کن داغِ مرا ، سوزان بصحرای مرا

نیز : متاعِ من دل درد آشنای است
نصیب من فغانِ نـارسای است

---

۷۳ - جرنل آف دی ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی اکتوبر ۱۹۶۸ء ، ماہنامہ ہلال اپریل ۱۹۶۹ء (گہلوی قلمی نام سے) اور ماہنامہ ادبی دنیا لاہور جون ۱۹۷۰ء

۷۴ - سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۷۰ء میں میرا مقالہ ملاحظہ ہو : گل لالہ کی ادبی روایت اور اقبال ۔

بخاک مرقدِ من لاله خوشتر
که هم خاموش و هم خونین نوای است

لاله کے بارے میں فغانی اور اقبال کے چند مزید اشعار ملاحظہ ہوں :

فغانی : ز شوق لاله روی تو دارم آتشی در دل
که تا روز جزا داغش نیندازد سیاهی را
بندد گره نافه ز لختِ جگر خویش
دریوزه کن لاله راغست دل ما
گل افشانی چشمم ببین که باز از گریهٔ شادی
برم از ارغوان و لاله خرمنست امشب
خون می چکد ز داغِ دلِ لاله در چمن
گویا همین دم از جگر چاک من شگفت
بر روزگار کشتهٔ هجر تو خون گریست
هر لالهٔ که صبح دم از خاک من شگفت

اقبال : به برگ لاله رنگ آمیزی عشق
بجان ما بلا انگیزی عشق
بروید لاله با داغ جگر تاب
دل لعل بدخشان بی شرار است
در چمن قافلهٔ لاله و گل رخت گشود
از کجا آمده اند این همه خونین جگران

بے اشک سحر گاہی تقویم خودی مشکل
یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کنار جو

لالہ (قطعہ) :

آن شعلہ ام کہ صبح ازل درکنار عشق
پیش از نمود بلبل و پروانہ می تپید
افزون ترم ز مہر و بہر ذرہ تن زنم
گردون شرار خویش ز تاب من آفرید
در سینۂ چمن چو نفس کردم آشیان
یک شاخِ نازک از تہ خاکم چو نم کشید
سوزم ربود و گفت یکی در برم بایست
لیکن دل ستم زدۂ من نیارمید
در تنگنای شاخ بسی پیچ و تاب خورد
تا جوہرم بہ جلوہ گہ رنگ و بو رسید
شبنم براہ من گہر آبدار ریخت
خندید صبح و باد صبا گردِ من وزید
بلبل ز گل شنید کہ سوزم ربودہ اند
نالید و گفت جامۂ ہستی گران خرید
وا کردہ سینہ منتِ خورشید می کشم
آیا بود کہ باز بر انگیزد آتشم

استقبال و تتبع :

جہاں تک ہم نے مقائسہ کیا ، اقبال نے بظاہر اپنی ۹ غزلیات کے قالب بابا فغانی کی غزلیات کے تتبع میں اپنائے ہیں ۔ قارئینِ کرام مثالیں دیکھ کر اس امر پر خود صاد کر لیں گے ۔ مثالیں ہم نے مختصر رکھی ہیں :

فغانی : ای سرنامہ نام تو عقل گرہ گشای را
ذکر تو مطلع غزل ، طبع سخن سرای را

تیغ زبان بیـان گرد گـرفت و همچنان
عشق تو جلوه میدهد خنجر مرزدای را
غایت دستگیری است آنکه چو طائر حرم
بر سر کعبه ره دهی ، رند برهنه پای را
کیست فغانی حزین ، مست سیاه نامه ای
تا بـزبان عارفان وصف کند خدای را

اقبال : باز بـه سرمه تاب ده چشم کرشمه زای را
ذوق جنون دوچند کن ، شوق غزل سرای را
نقش دگـر طراز ده ، آدم پخته تر بیـار
لعبت خاک ساختن می نه سزد خـدای را
بزم به باغ و راغ کش ، زخمه به تار چنگ زن
باده بخور ، غزل سرای ، بـند گشا قبـای را
ناز شهان نمی کشم ، زخم کرم نمی خورم
در نگر ای هوس فریب ، همت این گدای را

فغانی : تازگی که شد ز می آن رخ همچو لاله را
تازه کند بیک نفس داغ هزار ساله را(ب)
کشته دیر ساله را زنـده کند بجرعه ای
چاشنی که می دهد ، می ز لبت پیاله را
هر قدمی که می نهی روز شکار بر زمین
سرمـه باز میکشد ، گرد رهت غزاله را

(ب) بظاہر امیر خسرو کی ایک غزل کے تبع میں ہے :
نازکیٔ که دیده ام آن رخ همچو لاله را
سوزم و بر نیاورم پیش وی آه و ناله را

برشکنی چو بنگری ، سوز فغانیٔ حزین
آه گر امتحان کند ، در پیت آه و ناله را

اقبال : ای که زمن فزوده ای گـرمی آه و ناله را
زنده کن از صدای من ، خاک هزار ساله را
با دلِ ما چها کنی ، تو که ببادهٔ حیات
مستیٔ شوق میدهی آب و گل پیـاله را
می گزرد خیال من از مه و مهر و مشتری
تو بکمین چه خفته ای، صید کن این غزاله را
غنچه دل گرفته را از نفسم گـره گشای
تازه کن از نسیم من ، داغ درون لاله را

فغانی : خیز و چراغ صبح کن ماه تمام خویش را
ساغر آفتاب ده تشنهٔ جـام خویش را[۷۴]
تا چو مه دو هفته ات برلب بام دیده ام
سجدهٔ شکر می کنم ، اخـتر بام خویش را
سنگ جفا چه می زنی بر دگران ز نازکی
برسر ما حواله کن ، رحمت عام خویش را
بی تو فغـانی حزین کرد مزید آهِ دل
ناله صبح گاهی و گـریه شام خویش را

اقبال : بر سر کفر و دین فشان رحمت عام خویش را
بـند نقاب برگشا ، مـاه تمام خویش را

---

۷۴ (الف) - جاسی کی غزل کا بھی مطلع ہے :
بام بر آ و جلوه ده ماه تمام خویش را
مطلع آفتاب کن ، گوشهٔ بام خویش را

زمزمهٔ کهن سرای ، گردش باده تیز کن
باز به بزم ما نگر ، آتشِ جام خویش را
دام ز گیسوان بدوش ، زحمت گلستان بری
صید چرا نمی کنی ، طائر بام خویش را
ریگ عراق منتظر ، کشت حجاز تشنه کام
خون حسین رض باز ده کوفه و شام خویش را

فغانی : گلرخان[۷۵] بر سر خاکم چمنی ساخته اند
چمنی بر سر خونین کفنی ساخته اند
یک چراغ است و این خانه که از پرتو آن
هر کجا مینگرم انجمنی ساخته اند

اقبال (قطعه): برفتند تا روش رزم درین بزم کهن
دردمندان جهان طرح نو انداخته اند
من ازین بیش ندانم که کفن دزدی چند
بهر تقسیم قبور انجمنی ساخته اند

فغانی : ای مرا هر ذره با مهر تو پیوندی دگر
هر سر موئی بوصلت آرزومندی دگر
دل گرفتار غم و درد است یکبارش مسوز
از برای محنتش بگذار یکچندی دگر
نیست بالاتر ز طاق آن دو ابروی بلند
بر زبان عشق بازان تو سوگندی دگر

---

۷۵ - اس زمین میں جامی کی ایک غزل بھی ہے -

اقبال : می تراشد فکر ما هردم خداوندی دگر
رست از یک بند تا افتاد دربندی دگر
تا شوی بیباک تر در ناله ای مرغِ بهار
آتشی گیر از حریم سینه ام چندی دگر

یک نگه ، یک خندهٔ دزدیده ، یک تابندهٔ اشک
بهر پیمانِ محبت نیست سوگندی دگر

فغانی : جمال و جاه داری هر چه خواهی می توان کردن
به این حسن و جوانی پادشاهی می توان کردن
ز ماهی تا بمه دارد صفا آئینه رویت
بدین رو جلوه از مه تا بماهی می توان کردن
فغانی گر غباری در دلت هست از غم دوران
بیک جام لبالب عذر خواهی می توان کردن

اقبال : چو خورشید سحر پیدا نگاهی می توان کردن
همین خاک سیه را جلوه گاهی می توان کردن
درین گلشن که بر مرغ چمن راه فغان تنگ است
بانداز کشود غنچه آهی می توان کردن
نه این عالم حجاب او را نه آن عالم نقاب او را
اگر تاب نظر داری ، نگاهی می توان کردن

فغانی : منم و دو چشم روشن برخ تو باز کردن[۷۶]
ز نعیم هر دو عالم در دل فراز کردن

---

۷۶ - اس زمین میں نظیری کی غزل بھی معروف ہے - مطلع ہے :
چه خوش است از دو یک دل سر حرف باز کردن
سخن گذشته گفتن ، گله را دراز کردن

بـه نعیم هر دو عالم نکند بدل فغـانی
نـظری به نازنینی ز سر نیـاز کردن

اقبال : چه خوش است زندگی را همه سوز و سـاز کردن
دل کوه و دشت و صحرا بـه دمی گداز کردن
بگدازهـای پنهـان ، به نیـاز های پـیدا
نـظری ادا شنـاسی بجـریم نـاز کـردن

فغانی : نه خوی نازکت از غیر دیگر گون شـود روزی
نه این اشک از دل پر خونِ من بیرون شود روزی
به بزمت داشتم جامی بصد شادی ندانستم
که از خیمه بدم این باده در دل خون شود روزی
ز بیم یار نفرین رقیبم بر زبان آمـد
فغانی این دعا شاید که بر گردون شود روزی

اقبال : فروغ خاکیان از نوریان افزون شود روزی
زمین از کوکب تقدیر او گردون شود روزی
خیال او که از سیل حوادث پرورش گیرد
ز گرداب سپهر نیلگون بیرون شود روزی
یکی در معنیٔ آدم نگر ، از ما چه می پرسی
هنوز اندر طبیعت می خلد سوزون شود روزی
چنان سوزون شود این پیشِ پا افتاده مضمونی
که یزدان را دل از تاثیر او پرخون شود روزی

فغانی : نه خیال غنچه بندم نه بگل کنم اشاره[۷۷]
که مرا دل فگار و جگری است پاره پاره
بجراحت دلِ من که نمک زدی حذر کن
که مباد ز آتش آن بگلت رسد شراره
نکشم سر از جفایت اگرم به تیغ پرسی
ز تو هر چه برمن آید، بکشم هزار باره
چکنم اگر نسازم بجفای خار هجران
چو ز آب دیدهٔ من ندمد گلی چه چاره
ز فسانهٔ فغانی دل کوه رخنه گردد
نفس نیازمندان گذرد ز سنگ خاره

اقبال : دل و دیدهٔ که دارم همه لذتِ نظاره
چه کنم اگر تراشم صنمی ز سنگ خاره

---

۷۷ - ہلالی چغتائی شیرازی (م ۹۳۹ھ) نے بظاہر فغانی کی تتبع میں ایک مرصع غزل لکھی ہے - مطلع و مقطع نقل کیے دیتے ہیں :

بکجا روم ز دردت چه دوا کنم چه چاره
که هزار بار خون شد جگر هزار پاره
دل خستهٔ هلالی چو بسوختی حذر کن
که مبادا از آتش او برسد بتو شراره

اسی زمین میں جامی کی غزل کا مطلع و مقطع بھی ملاحظہ ہو :

او می رسد و خلق ز هر سو به نظاره
چون نیست مرا طاقت نظاره چه چاره
نگرفت دران سنگ دل افسانه جامی
هر چند که خون میشود از وی دل خاره

شعرناب صفحہ ۴۷/۴۸

اور کیا عجب فغانی اور ہلالی وغیرہم نے امیر خسرو کی اس غزل کو پیش نظر رکھا ہو جس کا مطلع ہے :

مه من خراب گشتم ز رخت بیک نظاره
نظری ز تو عفا الله ، چه میست مستکاره

تو بجلوه در نقابی که نگاه بر نتابی
مه من ، اگر ننالم تو بگو دگرچه چاره
چه شود اگر خراسی بسرای کاروانی
که متاع ناروانش ، دلکی است پاره پاره
غزلی زدم که شاید بنوا قرارم آید
تپ شعله کم نگردد ز گسستنِ شراره
نکشد سفینهٔ کش به یمی بلند موجی
خطری که عشق بیند بسلامتِ کناره
بشکوه بی نیازی ز خدایگان گزشتم
صفتِ مه تمامی که گزشت بر ستاره . . .

دیگر شعراء (ضمنی ذکر)

یہاں ہم اوحدی مراغی ، حضرت چراغ دہلوی ، یحییٰ شیرازی، کمال خجندی ، ملا عرشی ، وحشی بافقی اور سحابی استر آبادی کا مختصر ذکر کرکے اقبال کے ہاں ان کے ضمنی تأثرات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں - مذکورہ شعراء کا عصر حیات قرن ۸ تا ۱۱ ہجری کے اوائل کو محیط ہے مگر ہمیں ان کے ہاں سبکِ ہندی کے عناصر نظر نہ آئے اور اسی لیے ان کا ذکر یہاں کر رہے ہیں - یاد رہے کہ دسویں صدی ہجری کے اواخر میں جو شعراء برصغیر چلے گئے ، مقامی شعرائے ہند سے ارتباط کی بنا پر ان کے سبک میں فرق آ گیا ورنہ مقامی ایرانی شعراء کے ہاں اس سبک کے اثرات بعد میں نمودار ہوئے - اس مختصر توضیح کے بعد اب مندرجہ بالا شعراء کا ذکر تصانیف اقبال کے رابطے کی رو سے کیا جا رہا ہے -

۱- شیخ رکن‌الدین اوحدی مراغی (م ۷۳۸ھ)

اوحدی طریقت میں اپنا سلسلہ شیخ اوحدالدین کرمانی سے ملاتے تھے ، اس لیے یہ تخلص اختیار کیا تھا ۔ وہ عرفانی شعراء ، جیسے سنائی ، عطار اور رومی وغیرہ کے مقلد تھے ۔ ان کا دیوان چھپ چکا ہے ۔ ان کی دو مثنویاں جام جم اور منطق‌العشاق ہیں ۔ اقبال کے ہاں اوحدی کا مندرجہ ذیل مصرع چند بار غلغلہ انداز نظر آتا ہے :

تو چہ دانی کہ در این گرد سواری باشد

میدان جنگ کی گرد اور سوار (شاہسوار) کا کس قدر ساتھ ہے ۔ پھر انبارِ گرد میں سے سوار کا ابھرنا کتنی دلآویز تعبیر ہے ۔ اقبال کے ہاں اس کی جو تعبیرات ملتی ہیں، وہ زوال و انحطاط کے ترقی میں تبدیل ہو جانے سے جوڑ کھاتے ہیں ۔ پیام مشرق (حصہ نقش فرنگ) میں ہے :

خرم آن کس کہ درین گرد سواری بیند
جوہر نغمہ ز لرزیدن تاری بیند

اور ارمغان حجاز (حصہ حضور ملت شمارہ ۹) میں ایک عنوان ہی تقریباً یہی ہے :

تو چہ دانی کہ درین گرد سواری باشد

جو اس حصے کی دس دوبیتیوں میں سے دو درج ذیل ہیں :

پریشانم چو گرد رہ گذاری
کہ بر دوش ہوا گیرد قراری
خوشا بختی و خرم روزگاری
کہ بیرون آید از من شہسواری

خوش آن قومی پریشان روزگاری
که زاید از ضمیرش پخته کاری

نمودش سری از اسرار غیب است
زبر گردی برون ناید سواری

اوحدی کی جس نظم کا یہ معنی خیز مصرع ہے ، اس کے چند ابیات ملاحظہ ہوں :

بس که بعد از تو خزانی و بهاری باشد
شام و صبح آید و لیلی و نهاری باشد

دل نگهدار که بر شاهد دنیا قدم نهی
کین نه یاری است که غم یاری باشد

تو که امروز چو کژدم همه را نیش زنی
مونس گور تو ننگ است که ماری باشد

یک دل سوخته بنواز که کاریست عظیم
ورنه آزاد دل خلق چه کاری باشد

آن چنان زی که چو طوفان اجل موج زند
گرد برگرد تو از خیر حصاری باشد

بر حذر باش ز دود نفس مسکینان
که چنین دود هم از شعلهٔ ناری باشد

خاکساران[۷۸] جهان را بحقارت منگر
تو چه دانی که در این گرد سواری باشد

---

۷۸ - کلیات اوحدی مراغه ای صفحه ۱۲-۱۳ -

۲۔ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی (م ۷۵۷ھ)

آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے معروف بزرگ تھے ۔ حضرت شیخ نظام‌الدین اولیاء دہلوی کے مرید اور خلیفہ' مجاز تھے ۔ سماع کے مخالف تھے ۔ خیرالمجالس اور مفتاح‌العاشقیہ آپ کے ملفوظات کے مجموعے ہیں ۔ صائف‌السلوک تصوف کے موضوع پر آپ کی معروف کتاب ہے ۔ آپ کبھی کبھار شعر بھی کہتے تھے ۔ آپ کی ایک عارفانہ غزل کے دو شعر یوں ہیں :

ای زاهد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او در من و من در وی چون بو بہ گلاب اندر
در سینہ نصیرالدین جز عشق نمی گنجد
این طرفہ تماشا بین دریا بحباب اندر

اسی زمین میں مولانا غلام قادر گرامی جالندھری نے ایک غزل کہی تھی بایں مطلع :

پنہانم و پیدایم[۷۹] کیفم بشراب اندر
پیدایم و پنہانم داغم بکباب اندر

علامہ اقبال نے جاوید نامہ (فلک قمر) میں اس زمین میں ایک غزل لکھی جس کا عنوان نوائے سروش ہے :

ترسم کہ تو می رانی زورق بسراب اندر
زادی بہ حجاب اندر، میری بہ حجاب اندر
چون سرمہ' رازی را از دیدہ فرو شستم
تقدیر امم دیدم ، پنہان بکتاب اندر

---

۷۹ ۔ مکتوبات اقبال بنام گرامی ۔

برکشت و خیابان پیچ ، برکوه و بیابان پیچ
برق کہ بخود پیچد ، میرد بہ حجاب اندر
ای زاہد ظاہربین گیرم کہ خودی فانی‌است
لیکن تو نہ می بینی طوفان بہ حباب اندر
بی درد جہانگیری آن قرب میسر نیست
گلشن بگریبان کش ای 'بو بگلاب اندر'

آخری دو شعروں میں حضرت نصیرالدین کے منقولہ بالا دونوں اشعار کی بازگشت موجود ہے ۔ آخری شعر کے مصرع ثانی کے بارے میں اقبال نے حاشیہ لکھا ہے :

"بو بگلاب اندر ، تلمیح بہ مصرع مشہور غزل صوفیہ ــــ
او در من و من در او چو بو بگلاب اندر"

معلوم نہیں علامہ نے حضرت شیخ نصیرالدین کا نام بالصراحت کیوں نہ لکھا !

۳۔ امام فخرالدین یحییٰ ابن معین شیرازی (م ۷۸۲ھ)

شعر میں یحییٰ یا ابن یمین تخلص کرتے تھے ۔ آپ عمدہ غزل گو تھے ۔ اقبال نے دشت بمعنی آبادی و ویرانہ کی بحث میں ، اور نیز اس بیان میں کہ دشت ضروری نہیں خشک اور بے گیاہ ہی ہو ، ان کا ایک شعر نقل کیا ہے[۸۰] اور اقبال کے ہاں ان کے ذکر کی کل کائنات بس اتنی ہی ہے :

مپرس از آب و رنگ کوہسارش
ہزاران دشت لالہ داغ دارش

---

۸۰ ۔ اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۳ ۔

۴- شیخ کمال‌الدین مسعود خجندی (م ۸۰۳ھ)

کمال صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ انھوں نے فردوسی ، انوری ، نظامی ، سعدی اور حافظ کے کئی اشعار پر تضمینیں کیں ۔ اقبال نے ایک خط[۸۱] میں ان کے مفردات میں سے ایک شعر کو نقل کیا ہے:

این تصرف های من در شعر من
کلمینی یا حمیرای من است

مطبوعہ دیوان[۸۲] میں 'تصرف ها' کی جگہ 'تکلف هـا' ملتا ہے ۔ حمیرا (سرخ و سفید رنگ والی عورت) حضرت عائشہ صدیقہؓ کا پیارا لقب تھا ۔ کلمینی یا حمیرا (اے عائشہ ، مجھ سے بات کرو) ایک حدیث نبویؐ ہے ۔ مولانائے روم کی مثنوی شریف میں ہے :

مصطفیٰؐ آمد کہ سازد همدمی
کلمینی یـا حمیرا ، کلمی
ای حمیرا آتش اندر نه تو نعل
تا ز نعل تو شود این کوه لعل (دفتر اول)

۵- جمالی دهلوی (م ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ھ)

جمالی کا نام جلال‌الدین تھا اور اپنی درویش منشی کی بنا پر 'درویش جمالی' کے نام سے مشہور تھے ۔ سلطان سکندر لودھی نے ان پر خاص نظرِ عنایت رکھی :

جمالی نے بلاد اسلامیہ کی سیر کی اور اس دوران جامی ، ملا جلال‌الدین دوانی شیرازی صاحب اخلاق جلالی (م ۹۰۸ھ) اور

---

۸۱ - اقبال نمبر جلد ۱ صفحہ ۱۱۳ -
۸۲ - دیوان کمال مسعود خجندی صفحہ ۳۴ -

ملا حسین واعظ کاشفی سبزواری (م ۹۱۰ھ) سے ملے۔ آپ کی تالیفات میں تذکرہ سیرالعارفین ، دیوان اور مثنوی مہر و ماہ معروف ہیں۔ مثنوی حال ہی میں پیر سید حسام‌الدین راشدی صاحب نے مرکز تحقیقات فارسی راولپنڈی کے اہتمام سے شائع کروائی ہے۔

علامہ اقبال نے جمالی کے مندرجہ ذیل نعتیہ شعر کی اپنے مکاتیب اور انگریزی خطبات میں دل کھول کر داد دی ہے اور اس شعر کا حق بھی یہی ہے :

موسیٰ[۴] ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

۶ - تہماسپ قلی بیگ ، ملا عرشی یزدی (م ۹۸۹ھ)

وحشی بافقی کے شاگرد تھے اور جوانی میں وفات پا گئے۔ اصل کے اعتبار سے تبریزی تھے مگر ہجرت کرکے یزد آ گئے تھے۔ ان کے اشعار کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں[۸۳] عرشی کے ہاں ایک بدصورت بیٹا پیدا ہوا۔ اس پر اس نے ارتجالاً ذیل کا شعر کہا اور از راہِ مزاح ایک بہتر صورت والے بیٹے کے عالم وجود میں آنے کی آرزو کی :

تخم دیگر بکف آریم و بکاریم ز نو
کانچہ کشتیم ز خجلت نتوان کرد درو

اقبال نے اس شعر کو بانگ درا کے ایک قطعہ 'تعلیم اور اس کے نتائج' میں برجستہ طریقے پر تضمین فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ موجودہ تعلیم

---

۸۳ - دیکھیے آتشکدۂ آذر اور تذکرہ نصرآبادی۔

ہمارے ملی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی ۔ اس لیے ہمیں نئی تخم پاشی کرنا چاہیے ۔

۷۔ کمال الدین وحشی بافقی یزدی (م ۹۹۱ھ)

وحشی بڑے قادر کلام شاعر تھے۔ ان کے واسوخت (یعنی معشوق سے اظہار بیزاری پر مبنی نظمیں یا غزلیں) اور مسمط عمدہ ہیں ۔ دیوان شعر کے علاوہ ان کی دو مثنویاں ، خلد بریں اور فرہاد و شیریں معروف ہیں ۔ دوسری مثنوی نامکمل تھی اور گزشتہ صدی میں اسے میرزا شفیع وصال (م ۱۲۶۲ھ) نے مکمل کیا ۔

علامہ اقبال نے وحشی کے تتبع کا ذکر تو نہیں کیا ، مگر ہمیں وحشی کے کم از کم ایک قطعہ کی صدائے بازگشت ان کے ہاں دکھائی دے رہی ہے ۔ وحشی کے قطعہ کا عنوان 'ماندۂ بابا' یا 'برادر و تقسیم نابرابر' ہے :[۸۴]

زیباتر آنچہ ماندہ ز بابا ازان تو
بد ای برادر از من و اعلیٰ ازان تو
این تاس خالی از من و آن کوزہ ای کہ بود
پارینہ پُر ز شہد مصفیٰ ازانِ تو
یا بوی ریسمان گسل میخ کش زمن
مہمیز کہ تیز مطلا ازانِ تو
آن دیگ لب شکستۂ صابون پزی زمن
آن چمچۂ ہرس و حلوا ازانِ تو

---

۸۴ ۔ دیوان وحشی بافقی صفحہ ۲۸۸ ۔

این غوچ شاخ کج که زند شاخ ازان من
غوغای چنگ غوچ و تماشا ازان تو
این استر چموش لکد زن ازان من
آن گربهٔ مصاحب بابا ازانِ تو
از صحن خانه تا بهِ لبِ بام از آن من
از بام خانه تا به ثریا ازانِ تو

اس سے ملتا جلتا اقبال کا قطعہ پیامِ مشرق میں ہے - اس کا عنوان 'قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور' ہے :

غوغای کارخانه آهنگری زمن
گلبانگ ارغنون کلیسا ازان تو
نخلی که شه خراج برو می نهد زمن
باغِ بهشت و سدره و طوبا ازان تو
تلخابهٔ که درد سر آرد ازانِ من
صهبای پاک آدم و حوا ازانِ تو
مرغابی و تدرو و کبوتر ازان من
ظل هما و شهپر عنقا ازانِ تو
این خاک و آنچه در شکم او ازان من
وز خاک تا به عرش معلا ازان تو

۸- مولانا ابوسعید سحابی استر آبادی نجفی (م ۱۰۱۰ھ)

سحابی ، استر آباد (گرگان) کے رہنے والے تھے مگر زندگی کے چالیس برس انھوں نے نجف اشرف میں گزارے تھے ، اس لیے انھیں نجفی بھی کہتے ہیں ۔ نجف میں وہ حضرت علیؓ کے مزار کی

جاروب کشی کرتے رہے ۔ کہتے ہیں ، انھوں نے ایک بار اپنا دیوان شعر اس وجہ سے ضائع کر دیا تھا کہ وہ توجہ الی اللہ میں مانع ہو رہا ہے ۔ ان کے جو اشعار اب ملتے ہیں ، وہ اس واقعے کے بعد جمع ہوئے ہیں ۔[۸۵]

اقبال نے ۱۹۰۵ء میں اپنے ایک خط میں سحابی کی غیرمعمولی توصیف کی تھی ۔ بحری جہاز کے ذریعے یورپ جاتے ہوئے ، آپ اپنے ایک رفیقِ سفر سے شعر و ادب کی بات کرتے نظر آتے ہیں ۔ رفیق سفر، عمر خیام نیشاپوری (م تقریباً ۵۳۰ھ) کی رباعی گوئی کا بے حد مداح تھا ۔ اقبال نے کہا کہ سحابی ایک دوسرا رباعی گو ہے جو عمر خیام کا ہم ردیف ہے بلکہ اس سے ممتاز تر ۔ اگر اس کی رباعیات بھی یورپ کی زبانوں میں ترجمہ ہو گئی ہوتیں ، تو اہلِ فرنگ عمر خیام کو بھول جاتے ۔[۸۶] اقبال کے اس تبصرے سے معلوم ہوا کہ انھوں نے رباعیات سحابی کا مطالعہ کر رکھا تھا ۔ سحابی کا منتخب دیوان چھپتا رہا اور اس کی قادر کلامی کے بارے میں کئی مقالات لکھے گئے ہیں ۔ راقم السطور نے بھی اقبال کے منقولہ بالا بیان کی روشنی میں ایک مقالہ لکھا تھا ۔[۸۷] مگر اقبال پر سحابی کے شعر کے کوئی نمایاں اثرات نظر نہیں آتے ۔ اس کے باوجود چونکہ وہ متدین ، معتدل مزاج اور اخلاقی شاعر تھا ، اس لیے اقبال کو اس میں بے حد کشش نظر آئی ۔ عمر خیام کی رباعیات کی تعداد مختلف فیہ ہے مگر ان رباعیات کا موضوع سے خواری ، خود فراموشی ، تشکیک اور

---

۸۵ ۔ دیکھیے تاریخ ادبیات ایران جلد چہارم از براؤن ۔
۸۶ ۔ مقالات اقبال صفحہ ۷۴ ۔
۸۷ ۔ ماہنامہ ادبی دنیا لاہور ، جنوری ۱۹۷۳ء ۔

کہیں کہیں الحاد بھی ہے - یہ چیزیں اقبال کے لیے قابلِ کشش نہ تھیں جبکہ ، سحابی کے مضامین ان کے لیے سراپا جذب تھے۔

ایک رباعی گو کی حیثیت سے سحابی واقعی ممتاز ہیں - صائب تبریزی نے کہا ہے :

غزل گوئی بہ صائب ختم شد از نکتہ پردازان

ان کی کم از کم چھ ہزار رباعیات موجود ہیں - اس سے زیادہ رباعیاں غالباً صرف مولانائے روم ہی نے کہی ہیں - ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ سحابی کی کئی رباعیات عمر خیام سے منسوب ہوتی رہی ہیں - سحابی کی رباعیات وغیرہ میں عارفانہ اور فلسفیانہ مضامین بھی ملتے ہیں - زین العابدین مؤتمن لکھتے ہیں کہ 'سحابی ایران کا آخری فلسفی شاعر ہے مگر اس کی رباعیات عمرخیام کے پائے سے فروتر ہیں - ان رباعیات میں سبک ہندی کار فرما ہے' -۸۸ کاش ناقد خیام و سحابی کی رباعیات کا ایک مقائسہ کرتے اور سبک ہندی کی آمیزش کے نمونے بھی دکھاتے !

آخر میں ہم سحابی کی دو رباعیاں نقل کیے دیتے ہیں :

حیران شدہ ترا چہ مسجد چہ کنشت
از خود رمیدہ را چہ زیبا و چہ زشت
خلقی ز پی بہشت بی آرامند
وین طرفہ کہ نیست کس در آرام بہشت
گنج ابدی را بصبوران دادیم
حرص جاوید را بکوران دادیم
ما را ہوس ملک سلیمان نیست
این عالم خاک را بموران دادیم

---

۸۸ - شعر و ادب فارسی ، صفحہ ۲۰۸-

سبک ہندی کے فارسی شعراء اور اقبال

سبک اصفہانی یا سبک ہندی مدتوں سے فارسی زبان کے محققین کی نظر میں مجموعۂ عیوب رہی ۔ اب حالات کسی قدر بدلے ہیں اور معاصر نقاد اس سبک کی خوبیوں کو کسی قدر سراہنے لگے ہیں[1] ۔ دسویں صدی ہجری میں ایران میں 'اصفہانِ نصف جہان' کو ادبی مرکز کی حیثیت حاصل تھی ۔ پھر اسی صدی میں ایرانی شعراء و ادبا کی بھاری اکثریت نے برصغیر کی راہ لی اور یہاں کی ادبی رونق تقریباً دو اڑھائی صدیوں تک ایران سے بھی زیادہ رہی[2] ۔ اس مناسبت سے اس سبک کو اصفہان یا برصغیر ہند و پاکستان کی سرزمین سے منسوب کرتے رہے ہیں ۔

احمد گلچین معانی نے ایک کتاب 'مکتب وقوع در شعر فارسی' لکھی ہے[3] ۔ ان کا خیال ہے کہ سبک عراقی کے بعض شعراء نے

---

۱ - دیکھیں سبک ہندی کے مختلف شعراء کے دواوین کے مقدمے ۔
۲ - دیکھیں سبک شناسی جلد ۳ ۔ ایک شاعر نے کہا ہے :

دانا پدری گفت بہ فرزند خلف
دنیا طلبی بہ ہند و عقبیٰ بہ نجف
ور زانکہ نہ دنیا و نہ عقبیٰ خواہی
بنشین بہ نشابور و بکن عمر تلف

۳ - شائع کردہ انجمن آثار ملی تہران ۱۳۴۵ ش ۔

واردات ِ عاشق و معشوق کو آشکارا صورت میں لکھنا شروع کر دیا تھا - یہ روش جسے عربی و فارسی میں 'وقوع' اور اردو میں 'معاملہ بندی' کہتے ہیں ، شعر فارسی کو ابتذال کی طرف لے آئی اور اس طرح سبک ِ ہندی کے لیے زمین ہموار ہوگئی - موصوف اس قسم کی مثالیں نقل کرتے ہیں :

حاصل عمر ابد بی تو غمی بیش نباشد
ای‌خوش‌آندم که‌تو باشی و دمی‌بیش‌نباشد
دل سپردم به بتی تا شود آرام دلم
نه که تسکین و قرار از من مسکین ببرد
مرا که گفت که دل در وفای او بندم
به هرزه رفتم و خود را در آتش افگندم
در خرد سالی این همه آشوب می کنی
فریاد از آن زمان که تو مجلس نشین شوی

ہمیں اس قسم کے سب اشعار میں ابتذال دیکھنے کا 'ذوق' حاصل نہیں ہے - ہمارے نزدیک ابتذال 'سبک ہندی' کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر عہد میں مبتذل شاعر رہے ہیں - بہر صورت ، سبک ِ ہندی کے مندرجہ ذیل خصوصیات بیان کیے جاتے ہیں :

۱- **پیچیدگی اور مشکل‌گوئی** : رومیوں (ترکوں) اور ہندیوں کی یہ روش بہت معروف ہے - شک نہیں کہ برصغیر کے ماحول میں شعراء نے اس روش کی طرف کسی قدر توجہ رکھی ، مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سب شعراء پیچیدہ سخن اور مشکل گو رہے ہیں -

۲- مضمون آفرینی : یہ خصوصیت بھی دراصل پہلی خصوصیت کے ساتھ منوط و مربوط ہے ، مگر خود ایرانی ناقد، اپنے ایک شاعر، کمال‌الدین اسماعیل اصفہانی (م ۶۳۳ھ) کو 'خلاق‌المعانی' کا لقب دیتے ہیں۔ کئی دیگر شعراء کی مضمون آفرینی معروف ہے۔ امیر خسرو دہلوی کے ہاں سبک ہندی کے خصوصیات مفقود ہیں مگر مضمون آفرینی میں وہ بھی ید طولیٰ رکھتے تھے مثلاً :

زهی عمر دراز عاشقان ، گر
شب هجران حساب عمر گیرند

اس کے باوجود ، سبک ہندی کے شعراء کے ہاں مضمون آفرینیاں بکثرت نظر آتی ہیں جیسے :

در هر نماز دست بزانو چرا زند
زاهد اگر ز کرده پشیمان نگشته است (غنی)

مشت سوزن بدلم ز آن مژه تا ریخته اند
گریه از پارهٔ دل دوخته پیراهنِ چشم (عرفی)

ز فرق تا بقدم هر کجا که می نگرم
کرشمه دامنِ دل‌می کشد که جا اینجاست (نظیری)

ای جرس تا بکی از ناله گلو پاره کنی
کس درین بادیه دیدی که بفریاد رسد؟ (کلیم)

رسید دانه و بالید و آشیان گه شد
در انتظار بها دام چیدنم نگر (غالب)

۳- تمثیل نگاری یا ارسال مثل : تمثیل نگاری یوں تو ایک قدیم اسلوب ہے ، اور خمسہ نظامی و مثنوی رومی میں یہ نمایاں صورت

میں نظر آتا ہے ، مگر سبکِ ہندی کے شعراء کے ہاں یہ فن ہر صنفِ شعر میں موجود نظر آتا ہے ۔ صائب تبریزی کی ہر غزل میں ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن میں تمثیل نگاری ہے ۔ ایک مصرع میں شاعر ایک بات کہتا ہے اور دوسرے میں اس کے ثبوت کی مثال فراہم کرتا ہے جیسے یہ اشعار :

ز کار افتاد چون ظالم ، بامل ظلم پیوندد
کہ بال تیر می گردد پر و بال عقاب آخر (صائب)

در مکرر بستن مضمون رنگین لطف نیست
کی دھد رنگ ار کسی بندد حنای بستہ را (غنی)

شعر اگر اعجاز باشد ، بی بلند و پست نیست
در ید بیضا ھمہ انگشتھا یک دست نیست (")

دیگر خصوصیات میں شاعرانہ تعلی اور رنگ محلی کو بھی ذکر کرتے ہیں ۔ ہمارے خیال میں تعلیاں اس سبک کا عنصر نہیں ۔ ہر سبک کے شعرا نے تعلیاں کی ہیں ۔ رنگ محلی یا مقامی رنگ کے عنصر کو بھی اس سبک کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا ۔ ہر شاعر یا ادیب جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے ۔ وہ اس سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ برصغیر کی فارسی شاعری کا یہ پہلو ۔ یہاں کے ماحول سے ناآشنا لوگ اس امر سے کتنی ہی غرابت محسوس کریں ، طبیعی ہے ۔

مقامی زبانوں کے کلمات کا استعمال بھی اسی قبیل کا ایک معاملہ ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشکل گوئی یا خیال بندی ، مضمون آفرینی اور تمثیل نگاری سبک ھندی کے نمایاں خصوصیات ہیں ۔ دوسرے

دو خصوصیات میں اعتدال ہو ، تو کچھ قابل اعتراض نہیں ۔ اقبال کے ہاں پہلے دو خصوصیات تقریباً مفقود ہیں اور اس امر کا اہل زبان کو بھی اعتراف ہے[۴] ۔ اردو کلام کے مانند اقبال کے فارسی کلام میں بھی سادگی اور سلاست موجود ہے ، تمثیل نگاری یا ارسال مثل کے صنائع اقبال کے ہاں موجود ہیں ۔ مگر وہ سبک ہندی کا اثر نہیں کہی جا سکتیں ۔ اس ضمن میں ہم نے اوپر نظامی اور رومی کی تمثیلات کا ذکر کیا ہے ۔ دیگر معروف عرفانی شعراء جیسے سنائی ، عطار ، عراقی ، حافظ اور جامی وغیرھم کے ہاں بھی یہ روش موجود رہی ہے اور استاد سعید نفیسی مرحوم کے بقول[۵] اقبال اسی سمبولیزم کے دلدادہ تھے ۔ ان کے چند اردو اور فارسی اشعار دیکھیں :

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی میرانی

تڑپ صحن چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیماب

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

جہانبانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگرخوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا (بانگ‌درا)

ذوق حضور در جہان رسم صنم گری نہاد
عشق فریب میدھد جان امیدوار را

---

۴ - اقبال پر لکھی جانے والی کوئی فارسی کتاب دیکھ لیں ۔
۵ - رومیٔ عصر صفحہ ۱۲۴ ۔

بخاک ہند نوای حیات بی اثراست
کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داؤد[۴]

ای کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق
نخرد بادہ کس از کارگہ شیشہ گران (پیام مشرق)

غزلی زدم کہ شاید بنوا قرارم آید
تپ شعلہ کم نگردد زگسستن شرارہ

برون زمین گنبد در بستہ پیدا کردہ ام راہی
کہ از اندیشہ برتر می پرد آہ سحر گاہی (زبور عجم)

ذات حق راہ نیست این عالم حجاب
غوطہ را حائل نگردد نقش آب

چشم کور است اینکہ بیند نا صواب
ہیچگہ شب را نہ بیند آفتاب

اقبال کے ہاں سبک اصفہانی یا ہندی سے منسوب مندرجہ ذیل شعراء کے نام یا ان کے کلام کے بارے میں اشارے موجود ہیں :

عرفی ، فیضی ، انیسی شاملو ، نظیری ، ظہوری ، ملک قمی ، طالب آملی ، قدسی مشہدی، کلیم ، رضی دانش، غنی ، صائب تبریزی، عزت بخاری ، فرج ، جویا تبریزی ، محسن تاثیر ، بیدل، مظہر جانجاناں اور مرزا غالب ۔ ان میں سے بعض پر چند دوسرے شعراء کا ذکر اور تاثر سرسری نوعیت کا ہے ۔ بہر صورت آئندہ اوراق میں ہم ہر شاعر کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ علامہ مرحوم کے ساتھ اس کی صوری یا معنوی ہم آہنگی واضح ہو جائے ۔

۱- عرفی شیرازی ، سید محمد جمال‌الدین (م ۹۹۹ھ)

عرفی ۹۶۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۶ سال کی عمر میں لاہور میں انتقال فرما گئے۔ کہتے ہیں بعد میں ان کی ہڈیاں نجف اشرف میں پہنچا دی گئی تھیں ۔ ان کا ایک شعر بھی اس قسم کی پیشین گوئی کا غماز ہے اور اقبال کے ایک شعر پر اس کے اثرات نظر آتے ہیں :

عرفی : بکاوش مژہ از گور تا نجف بردم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تتار

اقبال : شادم کہ مزار من در کوی حرم بستند
راہی ز مژہ کاوم از کعبہ بہ بت خانہ

عرفی ابتداء جوانی سے ہی اچھے شعر کہتے تھے مگر صفوی امراء نے آپ کی حوصلہ افزائی نہ کی ۔ وحشی بافقی اور محتشم کاشانی (م ۹۹۶ھ) ایسے کہنہ مشق اور سن و سال میں بزرگ شعراء نے ان سے حسد بھی برتا ۔ ان حالات میں ۹۹۴ھ میں آپ نے برصغیر کی راہ لی اور اکبر کے دارالحکومت فتح پور سیکری آئے۔ وہاں فیضی، حکیم ابوالفتح گیلانی (م ۹۹۸ھ) اور میرزا عبدالرحیم خانخاناں (م ۱۰۳۶ھ) سے ملے ۔ عرفی خانخاناں اور اکبر کے درباروں سے متوسل رہے ۔ بہر صورت زندگی کے آخری ۵ سال انھوں نے برصغیر میں گزارے اور یہیں ان کے جوہر چمکے ہیں ۔

عرفی مزاج کے اعتبار سے بددماغ اور مغرور بتائے جاتے ہیں ۔ وہ قصیدوں میں ممدوح کے ساتھ ساتھ اپنی تعریف بھی کرتے رہے۔ اگرچہ ان کے قصائد ، غزلوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہیں ، مگر وہ قصیدہ گوئی کے اضطراری عمل کی مذمت کرتے نظر آتے ہیں :

قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی
تو از قبیلۂ عشقی ، وظیفہ ات غزل است

اپنی مدح سرائی میں ایک بیت دیکھیں ، گو اس سے سعدی کی بصیرت کی توصیف بھی نکالی جا سکتی ہے :

نازش سعدی بمشت خاک شیراز از چہ بود
گر نمی دانست باشد مولد و ماوای من؟

دیوان شعر کے علاوہ ، عرفی کا فارسی نثر میں ایک رسالہ نفسیہ بھی دستیاب ہے جو مطبوعہ دیوان کے ساتھ ضمیمہ شدہ ملتا ہے ۔

عرفی کے کلام کے نمایاں خصوصیات جوش و ولولہ اور درس خود داری ہیں ۔ اقبال عرفی کی ان شاعرانہ اداؤں کے اس قدر دلدادہ تھے کہ مثنوی اسرار خودی کے پہلے اڈیشن میں حافظ شیرازی کے بارے میں تعریفی اشعار میں سے ایک میں ان دو شیرازی شاعروں کا ذکر یوں کرتے ہیں :

زندہ ای ؟ از صحبت حافظ گریز
بادہ زن با عرفیٔ ہنگامہ خیز

"عرفی" کے عنوان کے تحت علامہ اقبال نے بانگِ درا (حصہ سوم) میں ایک قطعہ لکھا اور اس میں عرفی کی فعال طبیعت کو سراہا نیز اس کے ایک شعر کو تضمین بھی کیا :

محل ایسا کیا تعمیر عرفی کے تخیل نے
تصدق جس پہ حیرت خانۂ سینا وفارابی
"نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خوان چو محمل را گران بینی"

عرفی کے اس شعر کا عرب بیابانی موضوع ، جس میں تلخیٔ نـوا اور حدی خوانی (شاعری) کے اثرات بیان کیے گئے ہیں ، اقبال کے پسندیدہ موضـات میں سے تھـا ۔ اس شعر کی تضمین اور بـازگشت ، اقبال کے کئی اشعار میں دیکھی جا سکتی ہے :

عجم از نغمہ ام آتش بجان است
صـدای من درای کاروان است
حدی را تیز تر خوانم چو عرفی
کہ رہ خوابیدہ و محمل گران است

اثر کچھ خـواب کا غنچوں میں بـاقی ہے تـو اے بلبل
"نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یـابی"

مـزاج نـاقـہ را مـانـند عـرفی[6] نیک مـی دانم
چو محمل را گران بینم ، حدی را تیز تر خوانم

یہاں اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیں کہ کلام اقبال میں حدی خوانی اور تلخ نوائی کی دلآویز تعبیرات موجود ہیں مثلاً :

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوی قطار می کشم ، ناقۂ بی زمام را
ساربان یاران بہ یثرب ، ما بہ نجد
آن حدی کو ناقہ را آرد بہ وجد

---

۶ ۔ اقبال نامہ جلد اول صفحہ ۳۶۹ ، مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی صفحہ ۳۰۱ ۔

ناقہ سیار من ، آھوی تاتار من
درھم و دینار من ، اندک و بسیار من
دولت بیدار من
تیز ترک گام زن ، منزل ما دور نیست
چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے، کار تریاکی
مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی
کہ بانگ صور سرافیل[۴] ، دل نواز نہیں

عرفی کا مندرجہ بالا شعر، ان کے ایک قصیدے سے ماخوذ ہے۔ اس قصیدے کے چند دیگر اشعار ملاحظہ ہوں :

ز خود گردیدہ بر بندی بر آنم کام جان بینی
بہان کز اشتیاق دیدنش زادی بہان بینی
بخون آلودہ دست و تیغ غازی ماندہ بی تحسین
تو اول زیب اسپ و زینت برگستوان بینی
بدم اندر کشیدند اہل معنی طائر دولت
تو در زیر درختان ہمچو طفلان آشیان بینی

اقبال کے ہاں مندرجہ بالا شعر دوم و سوم مندرجہ ذیل صورتوں میں منعکس ہیں :

وہ چشم پاک بیں کیوں زینت برگستوان دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مرد غازی کی جگر تابی
"تو در زیر درختان ہمچو طفلان آشیان بینی"
بہ پرواز آ کہ صید مہر و ماہی می توان کردن

مندرجہ ذیل اشعار میں عرفی اور اقبال کے تقریباً مشترک مضامین دیکھیں :

عرفی : لذیذ تر بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ[۴] اندر طور

اقبال : بحرفی می توان گفتن تمنای جہانی را
من از ذوق حضوری طول دادم داستانی را

عرفی : گرفتم آنکہ بہشتم دہند بی طاعت
قبول کردن صدقہ نہ شرط انصاف است

اقبال : آن بہشتی کہ خدای بتو بخشد ہمہ ہیچ
تا جزای عمل تست، جنان چیزی ہست

نیز طنزاً :

بہشتی بہر پاکان حرم است
بہشتی بہر ارباب ہمم است
بگو ہندی مسلمان را کہ خوش باش
بہشتی فی سبیل اللہ ہم است

عرفی کے مندرجہ ذیل اشعار اور مصرعے کلام اقبال میں منقول اور تضمین شدہ ملتے ہیں :

منکر نتوان گشت اگر دم زنم از عشق
این نشہ بمن نیست اگر با دگری ہست[۶]

---

۶ (الف) - دیوان عرفی مطبوعہ نولکشور میں شعر یوں ہے :
منکر نشوی گر بغلط دم زنم از عشق
این نشۂ مرا گر نبود با دگری ہست

رستم ز مدعی بقبول غلط ولی
در تابم از شکنجهٔ طبع سلیم خویش[۷]

ز نقص تشنه لبی دان بعقل خویش مناز
دلت فریب گر از جلوهٔ سراب نخورد[۸]

میدانِ غزل میں اقبال نے ایک موقع پر عرفی کا استقبال کیا، اور اس امر کا اعتراف بھی فرمایا (مکتوبات بنام گرامی)

عرفی : خیز و بجلوه آب ده سرو چمن طراز را
آب و هوا زیاد کن باغچهٔ نیاز را

اقبال : خیز و نقاب برگشا، پرد گیانِ ساز را
نغمهٔ تازه یاد ده، مرغ نوا طراز را
"حرف نگفتهٔ شما بر لب کودکان رسید"
از من بی زبان بگو، خلوتیانِ راز را

دوسرے اشتراکات حسب ذیل نظر آئے :

عرفی : شبم بخفتن و روزم به ژاژ خائی رفت
غرض که مدت عمرم بی نوائی رفت

اقبال : افسر پادشهی رفت و به یغائی رفت
نیٔ اسکندری و نغمهٔ دارائی رفت[۸ا]

عرفی : خبری خواهم ازان کوی که اعزاری هست
از برون عرض نیازی ز درون بازی هست

---

۷ اور ۸ - از غزلیات عرفی -
۸ (الف) - نقش فرنگ، پیام مشرق -

اقبال : گرچہ شاہین خرد برسر پروازی ہست
اندرین بادیہ پنہان قدر اندازی ہست

۲- فیضی فیاضی ، شیخ ابوالفیض اکبر آبادی (م ۱۰۰۴ھ)

فیضی این شیخ مبارک ، فارسی عربی اور سنسکرت زبانوں نیز متداول اسلامی علوم کے فاضل تھے۔ فلسفیانہ طبیعت کے حامل تھے۔ ان کے والد ، وہ اور ان کے برادر خرد ابو الفضل علامی (م ۱۰۱۱ھ) دربار اکبری کے اساطین میں سے تھے ۔ فیضی ، غزالی مشہدی کے بعد دربار اکبری کے دوسرے ملک الشعراء تھے (۹۹۴ تا ۱۰۰۴ھ)۔ امیر خسرو کے بعد ، برصغیر کے وہ دوسرے بڑے شاعر تھے جن کے علوِ مرتبت کا تقریباً سب ہی کو اعتراف رہا ہے۔ انھیں 'فیاض عجم' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا رہا ہے ۔

کلیات فیضی چند سال قبل لاہور میں عمدہ صورت میں چھپا ہے۔[۹] فیضی کی دو مثنویاں ، مرکز ادوار اور نل دمن بہت مشہور ہیں ۔ پہلی نظامی گنجوی کی مثنوی مخزن الاسرار کی بحر میں ہے اور دوسری اس شاعر کی مثنوی لیلیٰ مجنون کی بحر میں ۔ سواطع الالہام کے نام سے شاعر نے عربی بے نقطہ عبارت میں تفسیر قرآن لکھی ہے ۔ اس کے مکتوبات اور سنسکرت سے فارسی میں چند تراجم بھی دست یاب ہیں ۔

اقبال نے بانگ درا (حصہ سوم) میں فیضی کے مندرجہ ذیل شعر پر تضمین فرمائی ، اور ان کے ہاں ذکر فیضی کی کل کائنات یہی ہے :

---

۹ - مرتبہ ڈاکٹر اے ۔ ڈی ۔ ارشد و سید وزیر الحسن عابدی لاہور ۱۹۶۷ء

تو ای پروانہ این گرمی ز شمع محفلی داری
چو من در آتش خود سوز اگر سوز دلی داری

اس غزل کے چند دیگر اشعار بھی قبل کیے دیتے ہیں :

درونِ قدسیان خون شد تعالی اللہ چہ صیادی
کہ چون جبریل از ہر غمزہ مرغِ بسمل داری
مفرما غمزہ را خون ریختن ، تیغ از میان برکش
کہ چابکدست خونریزی و دست قاتلی داری
نہ مجنون خوانمت نی عاقل ای سر گشتۂ ہجران
کہ ہر دم گوش بر بانگ درای محملی داری
شدی فیضی شہید یار شرمت باد اگر نالی
بہ حشر این خون بہایت بس کہ چون او قاتلی داری

البتہ اقبال کی نظم 'میلاد آدم' فیضی کی ایک غزل کے زیرِ اثر معلوم ہوتی ہے ۔ افتتاحی اشعار درج ہیں :

فیضی: دھر را مژدہ کہ روز دگری پیدا شد
کہ ز خورشید سحر خیز تری پیدا شد
اقبال : نعرہ زد عشق کہ خونین جگری پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظری پیدا شد

محترمی ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے قیاساً لکھا ہے کہ اقبال کے ہاں جن شعراء کی تراکیب ، فراوانی سے ملتی ہیں ، ان میں رومی اور فیضی ممتاز نظر آتے ہیں :

"قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کا کلام طویل مدت تک علامہ کے مطالعے میں رہا ہوگا ۔ واقعہ یہ ہے کہ حافظ ، عرفی ،

نظیری اور غالب کی شاعری غزل میں سرحدوں کا درجہ رکھتی ہے - زبان کے بارے میں ان کا مقامِ بلند تک پہنچنا معمولی کام نہیں - فیضی ان میں درمیانی منزل ہیں - اقبال کی طرح یہ بھی ہندوستانی تھے - حکمت و فلسفہ میں اپنے زمانے میں بے مثل و بے نظیر تھے . . ."[۱۰]

معلوم نہیں ڈاکٹر موصوف ، غالب کو ہندوستانیوں کے زمرہ سے کیوں خارج کر رہے ہیں اور اقبال کو درمیانی منزل کے شعراء (بقول ان کے) کی طرف کیوں ملتفت ثابت کر رہے ہیں ؟ ہم نے اس کتابچہ میں 'الفاظ و تراکیب' اقبال سے بحث نہیں کی - ہمیں اس میں بھی اصرار نہیں کہ اقبال نے کلام فیضی نہیں پڑھا یا اس شاعر کی تراکیب مستعار نہیں لیں ، مگر ڈاکٹر صاحب کے بیان میں مبالغہ نظر آتا ہے - وہ لکھتے ہیں :

"قیاس یہ ہے کہ اقبال نے فیضی کا گہرا مطالعہ کیا ہے اگرچہ انھوں نے خود اس کا اعتراف نہیں کیا - ہرچند کہ انھوں نے فیضی کے شعر کی تضمین بھی کی ہے اور ان کی غزلوں کا جواب بھی لکھا ہے مگر اکتسابِ فیض کا اقرار نہیں کیا -"[۱۱]

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اقبال نے فیضی کی ایک ہی غزل کے استقبال میں ایک نظم یا غزل 'میلاد آدم' لکھی ہے اور علامہ مرحوم کی اس غزل کا جواب فارسی ادب کے قدیم یا جدید شعراء میں سے کسی کے ہاں دیکھا نہیں جا سکتا - ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ میر شاکر

---

۱۰ - بحث و نظر صفحہ ۳۱۰ -
۱۱ - ایضاً صفحہ ۳۱۳ -

صدیقی کے نام اپنے مکتوب[۱۲] مؤرخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں اقبال نے الفاظ و تراکیب فارسی سیکھنے کی خاطر جن شعراء کے دواوین و کلیات پڑھنے کی سفارش کی ، ان میں فیضی شامل نہیں ہیں -

۳ - نظیری نیشاپوری ، حاج ملا محمد حسین (م ۱۰۲۱ھ)

نظیری ، نیشا پور میں پیدا اور جوان ہوئے - انھوں نے کچھ عرصہ کاشان میں گزارا اور ۹۹۰ھ میں قسمت آزمائی کے سلسلے میں احمد آباد گجرات میں آ وارد ہوئے - وہاں وہ میرزا عبدالرحیم خانخانان کے دربار سے منسوب رہے اور ضمناً تجارت کے بھی شاغل رہے - آخری عمر میں انھوں نے حج کیا اور احمد آباد گجرات لوٹ آئے - ان کی زندگی کا باقی حصہ زہد و تقویٰ اور درباری زندگی سے کنارہ گیری میں بسر ہوا - مزار احمد آباد گجرات میں ہے -

نظیری کا دیوان اور اس کے منتخبات متعدد بار چھپے - چند سال قبل پروفیسر ڈاکٹر مظاہر مصفا کی تصحیح سے 'کلیات نظیری' تہران میں چھپا - اس میں سب ہی اصناف سخن موجود ہیں ، مگر قصائد زور دار ہیں اور غزلیات زور دار تر - غزل میں وہ خواجہ حافظ کے مقلد ہیں ، اور کافی کامیاب - ان کی متعدد غزلیں حافظ کی غزلوں کے وزن ، بحر اور قافیہ و ردیف میں ہیں - نظیری کے موضوعاتِ بیان تغزل ، عشق و محبت ، واردات قلب اور کہیں کہیں دعوتِ مبارزہ ہے - وہ من حیث المجموع ، اقبال کے محبوب شعراء میں سے ہیں - توصیف اور استقبالات کی کیفیت ذیل میں دیکھی جا سکتی ہے -

اقبال نے ایک غزل میں نظیری کے ایک مصرع کو تضمین

---

۱۲ - اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۴-۱۱۵ -

کیا ، اور اس کی غیرمعمولی تعریف کی ہے - جیسا کہ واضح ہے ، شاعر صرف ان لوگوں کو اپنے زمرے میں شامل کر رہا ہے جو شہیدانِ راہ وفا ہوں ، اور ظاہر ہے کہ یہ امر اقبال کے پسندیدہ موضوعات میں شامل ہے :

بملک جم ندهم مصرعِ نظیری را
"کسی کو کشتہ نشد ز قبیلۂ ما نیست"

یہاں اقبال نے دراصل نظیری کی ایک غزل کا جواب لکھا ہے مصرع، مطلع غزل سے ماخوذ ہے کہ :

گریزد ز صف ما ہرکہ مرد غوغا نیست
کسی کو کشتہ نشد ز قبیلۂ ما نیست

اب نظیری اور اقبال کی ان دو غزلوں کا انتخاب ملاحظہ کریں :

نظیری : جمال مغبچہ دیدی ، شراب مغبچہ نوش
مگوی عذر کہ در کیش ما مداوا نیست
ز پای تا بسرش ناز و عشوہ مربستہ
ہزار معرکہ و رخصتِ تماشا نیست
بخاک رہ نخری کاکلی کہ بویا نیست
کہ خار خشک بہ از سنبلی کہ بویا نیست
نظیری است بحالی ز غمزہ خویشتن تر
بہ شکوہ تا دلت آزردہ است ، گویا نیست

اقبال : ز خاک خویش طلب آتشی کہ پیدا نیست
تجلی دگری درخور تقاضا نیست

نظر بخویش چنان بستہ ام کہ جلوۂ دوست
جہان گرفت و مرا فرصت تماشا نیست

مرید ہمت آن رہروم کہ پا نگذاشت
بہ جادۂ کہ در و کوہ و دشت و صحرا نیست

برہنہ حرف نگفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیان جز بہ رمز و ایما نیست

اقبال نے نظیری کی چند دوسری غزلیات کا بھی تتبع فرمایا ہے۔ مطلعے ملاحظہ ہوں :

نظیری : گر بہ سخن در آورم عشق سخن سرای را
بر بر و دوش سر دھی، گریہ های های را

اقبال : باز بہ سرمہ تاب دہ چشم کرشمہ زای را
ذوق جنون دوچند کن شوق غزل‌سرای را

نظیری : کجا بودی کہ امشب سوختی آزردہ جانی را
بقدر روز محشر طول دادی ہر زمانی را

اقبال : بحرفی می توان گفتن تمنای جہانی را
من از ذوق حضوری طول دادم داستانی را

نیز (ترکیب بند کے ٹیپ کے شعر کے طور پر)

درین صحرا گزر افتاد شاید کاروانی را
پس از مدت شنیدم نغمہ های ساربانی را

نظیری : چو عریان شد چمن مرغ از ضرورت خانہ می سازد
چون قحط گل بود بلبل بآب و دانہ می سازد

دیگر : هوای کوی او آواره ام از خانه می سازد
فسون او پدر را از پسر بیگانه می سازد

اقبال : هوای فروردین در گلستان میخانه می سازد
سبو از غنچه می ریزد ، ز گل پیمانه می سازد

نظیری : بغیر از رنگ و بوئی نیست این عشق مجازی را
عطا کن لذت طعم حقیقت عشق بازی را

اقبال : نیابی در جهان یاری که داند دلنوازی را
بخود گم شو ، نگه دار آبروی عشق بازی را

نظیری : بدست طبع عنان داده ای ، دریغ از تو
بچنگ صد هوس افتاده ای ، دریغ از تو

اقبال : بتان تازه تراشیده ای ، دریغ از تو
درون خویش نه کاویده ای ، دریغ از تو

نظیری : هر که نوشید می شوق تو نسیانش نیست
و انکه محو تو شد اندیشهٔ درمانش نیست

اقبال : حکمت و فلسفه کاری است که پایانش نیست
سیلی عشق و محبت ، به دبستانش نیست

نظیری : گوید سحر که شب گزر افگندهٔ بباغ
گلها نشان دهند ز تو بلبلان سراغ

اقبال : ای لاله ، ای چراغ کهستان و باغ و راغ
در من نگر که می دهم از زندگی سراغ

نظیری : غم بعیش در آویخت عشق رنگ آمیز
کنون نه هست غمم کند و نه نشاطم تیز

اقبال : دلیل منزل شوقم ، بدامنم آویز
شرر ز آتش نابم بخاک خویش آمیز

اب مصرعوں اور اشعار کی تضمین کی کیفیت دیکھیں ۔ نظیری کے اشعار کی نوعیت حواشی میں لکھی جا رہی ہے :

ہر کجا راہ دھد اسپ بران تاز کہ ما[۱۳]
بارہا مات درین عرصہ بتدبیر شدیم

نیست در خشک و تر بیشۂ من کوتاہی[۱۴]
چوب ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم

چہ باید مرد را؟ طبع بلندی ، مشرب نابی[۱۵]
دل گرمی ، نگاہ پاک بینی ، جان مشتاقی

بیا پیدا خریدار است جان ناتوانی را
'پس از عمری گزر افتاد برما کاروانی را'

درین صحرا گزر افتاد شاید کاروانی را
پس از مدت شنیدم نغمہ ہای ساربانی را[۱۵ الف]

۱۳ - تضمین شدہ در پیام مشرق ۔ اس غزل کے دو مطلعے ہیں :

بتمنای غلط بر ہمہ کس میر شدیم بدر از خانہ نرفتیم و جہانگیر شدیم
نہ بآوازہ سلطنت تو جہانگیر شدیم محو فرمان تو گشتیم و بتاشیر شدیم

۱۴ - تضمین شدہ در تمہید اسرار خودی ۔

۱۵ - نظیری کا پورا شعر یوں ہے :

چہ باید مرد را ؟ طبع بلند و مشرب نابی
نگارین چہرہ یی، مجموعہ خوبی و ہنر یابی

۱۵ الف - بہر نرخی کہ می گیرند اخلاص و وفا خوب است
پس از عمری گذر افتاد بر ما کاروانی را (نظیری)

اقبال نے بعض موارد میں اس شعر کے مصرع اولیٰ سے بھی استفادہ کیا ہے ، جیسے :

بہر نرخی کہ می گیری این کالا سود مند افتد
بزور بازوی حیدرؓ بدہ ادراک رازی را (زبور عجم)

نظیری کی ایک غزل کا مطلع ہے :

نہ ہر مغزی کہ بوید نکہت از مصرو یمن گیرد
مشام تیز باید تا نصیب از پیرہن گیرد

اقبال نے کہا ہے :

مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا
ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوے تاتاری

ابوطالب کلیم ہمدانی کاشانی (م ۱۰۶۱ھ)

کلیم کو کاشان سے آبائی نسبت ہے مگر اس کا مولد ہمدان ہے۔ اقبال نے بھی ایک جگہ اسے ہمدانی ذکر کیا ہے :

پابندیٔ[16] احکام شریعت میں ہے کیا
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہمدانی

اس کی تعلیم و تربیت ہمدان اور شیراز میں ہوئی اور بعہد جہانگیر ، برصغیر میں آیا ۔ اس نے کئی سال حیدر آباد دکن میں بسر کیے اور اس کے بعد آگرہ آیا ۔ ۱۰۲۸ھ میں وہ ہمدان لوٹا اور ۱۰۳۰ھ میں دوبارہ آگرہ آ گیا اور وہاں سے حیدرآباد دکن چلا گیا ۔ جاسوسی کے شبہے میں وہ کچھ عرصہ تک نظر بند بھی کر دیا گیا تھا ۔ جہانگیر کے عہد میں وہ برِ صغیر میں کچھ بے اقبال سا رہا مگر عہدِ شاہجہان میں اس کو بھاگ لگ گئے ۔ تختِ طاؤس کی تیاری کے وقت اس نے جو قصیدہ کہا ، وہ بہت پسند کیا گیا اور شاعر نے دربار شاہجہانی سے گرانقدر صلے پائے ۔ آخری عمر میں کلیم ، بادشاہ کے ساتھ کشمیر گیا اور وہیں کا ہو رہا ۔ وہاں ظفر خان احسن ، صوبہ دار کشمیر (م ۱۰۷۳ھ) نے اس پر خاص عنایات کیں ۔ وہ سرینگر کے نواح میں واقع معروف 'مزارات الشعراء' میں محوِ خواب ہے ۔ سال وفات ۱۰۶۱ھ ہے ۔ غنی کشمیری نے تاریخ میں یہ شعر کہا تھا :

---

۱۶ ۔ بانگ درا حصہ اول ، نظم : زہد و رندی ۔

گفت تاریخ وفات او غنی
طور معنی بود روشن از کلیم

۱۰۶۱

اقبال نے بانگِ درا (نظم ارتقاء) میں کلیم کے ایک شعر کو تضمین کرتے وقت طور اور کلیم کے تلازمے سے استفادہ کیا ہے :

غافل اپنے آشیاں کو آ کے پھر آباد کر
نغمہ زن ہے طور معنی پر کلیم نکتہ بیں
سرکشی با ہر کہ کردی رام او باید شدن
شعلہ ساں از ہر کجا برخاستی آنجا ، نشیں[۱۷]

کلیم کی ایک غزل کا اقبال نے تتبع بھی کیا ہے ۔ مطلعوں کو دیکھیں :

کلیم : بہ یغما برد دین و دل کہ دست انداز ناز است این
نہادم سربکف من ہم کہ تسلیم نیاز است این

اقبال : جہانِ رنگ و بو پیدا تو می گوئی کہ راز است این
یکی خود را بتارش زن کہ تو مضراب و ساز است این

دونوں کے ایک ایک شعر میں بھی کسی قدر معنوی ربط نظر آتا ہے ، اور دونوں کے ہاں کوئی اور رابطہ تلاش کرنا زبردستی کی تحقیق کہلائے گا ۔

---

۱۷ - کلیات کلیم کاشانی مؤلفہ پرتو بیضائی ۔ غزل شمارہ ۲۹۲ ۔ اس غزل کے دو مزید شعر ملاحظہ ہوں :

میرویم از خود بیا در انجمن تنہا نشین
ذون تنہائی اگر داری ، بیا با ما نشین
صدر مجلس گر تمنا باشدت ، افتادہ باش
ہمچو گرد از خاکساری آن زمان بالا نشین

کلیم : به تکلم ، به خموشی ، به تبسم ، به نگه
می توان برد بهر شیوه دل آسان زمن

اقبال : یک نگه ، یک خندۂ دزدیده ، یک تابندۂ اشک
بهر پیمان محبت ، نیست سوگندی دگر

اقبال کو شاعر کہوانے سے نفرت ہے ، مگر قارئین کرام آخری اشعار دیکھ سکتے ہیں کہ تغزل میں ان کا یہ شعر ، کلیم کے شعر سے کس قدر اونچا ہے ۔

۵۔ غنی کشمیری ، ملا محمد طاہر (م ۱۰۷۹ھ)

غنی ، صف اول کے فارسی گو ہیں ۔ مزاجاً درویش تھے ۔ ساری زندگی کشمیر میں بسر کی ۔ کہتے ہیں ایک بار وسط ہند کے علاقوں میں آئے مگر جلد کشمیر لوٹ گئے ۔ ان کے دیوان میں غزلیات کے علاوہ ، قصائد اور رباعیات وغیرہ بھی ہیں ۔ ڈاکٹر ریاض احمد شروانی نے اپنی تحقیقی فارسی کتاب 'غنی کشمیری ، احوال و آثار و سبک اشعار' جس پر انھیں تہران یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند ملی تھی ، ۱۹۶۸ء میں سرینگر سے شائع کروا دی ہے (کل صفحے ۲۸۶) اور ہمارے پیش نظر ہے ۔

غنی کے اشعار کا انعکاس اقبال کے ہاں بہت کم ہے ، مگر ان سے اظہار ارادت زیادہ ۔ بانگ درا کی ایک نظم 'خطاب بہ جوانان اسلام' کا تتمہ غنی کی غزل کا ایک مقطع ہے :

غنی : روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن
کہ روشن کند نور دیدہ اش چشم زلیخا را

اس برجستہ غزل کے چند دیگر اشعار ملاحظہ ہوں :

جنونی کو کہ از قید خرد بیرون کشم پا را
کنم زنجیر پای خویشتن دامانِ صحرا را

اگر شہرت‌ہوس داری اسیر دام عزلت شو
کہ در پرواز دارد گوشہ‌گیری نام عنقا را

ببزم می پرستان سرکشی بر طاقِ نہ زاہد
کہ میریزند مستان بی محابا خون مینا را

ندارد رہ بگردون روح تا باشد نفس در تن
رسائی نیست در پرواز مرغ رشتہ بر پا را

اپنے ایک خط[۱۸] میں اقبال غنی کی تشبیہات کی توصیف کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کے پیش کردہ تشبیہات مشکل ، دور از ذہن اور اصولِ بلاغت سے متغائر ہیں ۔ جاوید نامہ (آنسوئے افلاک) میں غنی کا ایک شعر تضمین شدہ ملتا ہے ۔ یہاں اقبال نے غنی کو عظیم مبلغ اسلام ، حضرت میر سید علی ہمدانی ، شاہ ہمدان (م ۷۸۶ھ) کے حضور جنت الفردوس میں نغمہ خواں دکھایا ہے اور ساتھ ساتھ وادی جموں و کشمیر کے انگریزوں کے ہاتھوں ڈوگرا گلاب سنگھ کو فروخت کیے جانے (نام نہاد معاہدہ امرتسر ۱۸۴۶ع) اور وادی کے خراب سیاسی حالات پر نالہ کناں بھی ۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے[۱۹] کہ غنی کے آبا و اجداد ، حضرت شاہ ہمدان کے ساتھ وادی کشمیر میں وارد ہوئے تھے :

---

۱۸ - اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۸۶ -
۱۹ - دیکھیے تاریخ حسن جلد ۲ -

از تپ یاران تپیدم در بهشت
کهنه غمها را خریدم در بهشت
تا دران گلشن صدای دردمند
از کنار حوض کوثر شد بلند

جمع کردم مشت خاشاکی که سوزم خویش را
گل گمان دارد که بندم آشیان در گلستان" (غنی ، فرد)

گفت رومی : "آنچه می آید نگر
دل مده با آنچه بگذشت ای پسر
شاعر رنگین نوا ، طاهر غنی
فقرا او باطن غنی ، ظاهر غنی
نغمه می خواند آن مست مدام
در حضور سید والا مقام
سید السادات[ح] ، سالار عجم
دست او معمار تقدیر امم ..."

'این مشت پر کجا و سرود این چنین کجا
روح غنی است ، ساتمیٔ مرگ آرزوی
باد صبا اگر به جنیوا گذر کنی
حرفی ز ما به مجلس اقوام باز گوی
دهقان و کشت و جوی و خیابان فروختند
قومی فروختند و چه ارزان فروختند'

یہاں اقبال نے بزبان غنی ، کشمیری الاصل سیاست دانوں کی تعریف کی ہے کہ وہ آزادی ہند کی خاطر کوشاں ہیں ۔

غنی کا ایک دوسری بار ذکر اقبال کی پیام مشرق میں ملتا ہے۔ یہاں ایک مثنوی نما نظم میں اقبال نے غنی کی زندگی کا ایک واقعہ نظم کیا ہے :

شاعر جب گھر میں ہوتا ، تو اپنے اس چھوٹے سے گھر کا دروازہ بند رکھتا اور جب گھر سے باہر جاتا تو دروازے کے کواڑ کھلے چھوڑ جاتا۔ ایک استفسار کے جواب میں اس نے اس عمل کی توجیہ یہ بتائی کہ اس کے گھر میں اپنی ذات کے علاوہ کوئی قیمتی چیز نہیں جس کی خاطر دروازے کو بند کرنا ضروری نظر آئے۔ اسی خاطر اپنی موجودگی میں دروازہ بند رکھتے ہیں اور غیاب میں کھلا۔ اس واقعے کو اقبال کے دوست منشی محمد الدین فوق کشمیری (م ۱۹۴۵ع) نے اپنی بعض کتابوں[۲۰] میں لکھا ہے مگر انھوں نے یا علامہ نے کوئی قدیم تر سند پیش نہیں کی۔ راقم الحروف کو ہنوز غنی کی معاصر یا متأخر کسی تاریخ میں یہ واقعہ ملا نہیں۔ علامہ مرحوم کے اشعار البتہ خود ایک سند ہیں ، ملاحظہ فرمائیں :

غنی آن سخن گوی بابل صفیر
نوا سنج کشمیر مینو نظیر
چو اندر سرا بود ، در بستہ داشت
چو رفت از سرا تختہ را وا گذاشت
یکی گفتش ای شاعر دل رسی
عجب دارد از کار تو ہر کسی
بپاسخ چہ خوش گفت مرد فقیر
فقیر و باقلیم سعنی امیر

---

۲۰ - تاریخ اقوام کشمیر اور مشاہیر کشمیر میں۔

'ز من آنچه دیدند یاران رواست
دربن خانه جز من متاعی کجاست ؟
غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش
متاعی گرانی است در خانہ اش
چو آن محفل افروز در خانہ نیست
تہی تر ازین ہیچ کاشانہ نیست'

۶۔ صائب تبریزی اصفہانی ، مرزا محمد علی (م ۱۰۸۶ھ)

صائب اصفہان میں پیدا ہوئے مگر ان کی آبائی نسبت تبریز سے ہے ۔ ان کے والد آسودہ حال تاجر تھے ۔ صائب نے جوانی میں حج کیا اور کچھ عرصہ بعد بر صغیر آنے کے لیے انھوں نے کابل کی راہ لی ۔ وہاں اسے والیٔ کابل ، ظفر خان احسن ایسا سخن شناس اور سخنور امیر ملا ۔ یہی امیر ہے جو بعد میں پہلے دکن اور پھر کشمیر کا گورنر بنا ۔ صائب نے احسن کے ساتھ کابل ، حیدر آباد دکن اور کشمیر میں کافی وقت گزارا ۔ آخری عمر میں وہ ایران لوٹ آیا اور شاہ عباس ثانی صفوی کے دربار کا ملک الشعراء بنا ۔ ظفر خان احسن (م ۱۰۷۳ھ) جب تک زندہ رہا ، صائب کو ایران میں بھی صلے بھجواتا رہا ۔ صائب ، احسن کی سخاوت و شجاعت کی اس طرح توصیف کرتا ہے :

خانخانان را بہ بزم و رزم صائب دیدہ ام
در سخا و در شجاعت چون ظفر خان تو نیست

خانخانان سے میرزا عبدالرحیم خانخانان مراد ہے اور ظاہر ہے کہ صائب اس کی وفات کے مدتوں بعد برصغیر میں وارد ہوا

تھا ۔ اب دیکھیں مادح اور ممدوح ایک دوسرے کی کس طرح تعریف کرتے ہیں :

احسن : طرز یاران پیش احسن بعد ازین مقبول نیست
تازہ گوئی ہای او از فیض طبع صائب است

صائب : ہر کہ چون من از ظفر خان یافت فیض تربیت
می رسد گر در سخن دعوی خاقانی کند

صائب کاانتقال اصفہان میں ہوا تھا او رچند سال قبل اس کی گمشدہ قبر دریافت ہوئی ۔ اب وہاں ایک شان دار مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے ۔ صائب ردیف اول کا شاعر مانا جاتا رہا ہے۔ اس کے دیوان کی اشاعت متعدد بار ہوئی ۔ ایران میں اس کے نام سے منسوب کئی انجمنیں بھی ہیں ۔ ایرانی ناقدین کا خیال ہے کہ پرگوئی کے باوجود ، صائب کی ہر غزل اور قصیدہ وغیرہ میں چند پرحکمت شعر مل جاتے ہیں ۔ صائب کے سبک اور مقام شاعری کے بارے میں کئی معاصر محققین نے کافی لکھا ہے ۔

اقبال کے ہاں ، صائب کے چند اشعار اور مصرعے تضمین اور نقل شدہ ملتے ہیں ۔ اس سے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے صائب کا مطالعہ ضرور فرمایا تھا ۔

بانگ درا حصہ سوم میں 'مذہب' نام کے قطعے میں صائب کا یہ شعر ملتا ہے :

ہان بہتر کہ لیلیٰ در بیابان جلوہ گر باشد
ندارد تنگنای شہر تاب سخن صحرائی

صائب کا یہ شعر ان کی غزل سے ماخوذ ہے ۔ اس مرصع غزل کے

چند دیگر اشعار ملاحظہ ہوں :

نمی باید ترا مشاطہ ای بہر خود آرائی
بصحرا می روی از خانہ آئینہ می آئی
کمند زلف در گردن گذشتی از صحرا
ہنوز از دور گردن میکشد آہوی صحرائی
بعزم صید چون آئی بصحرا در تماشایت
چو مژگانت از دو جانب صف کشید آہوی صحرائی
درین ایام شد ختم سخن بر خامۂ صائب
مسلم گر چہ بد زین پیش بر سعدی شکر خائی

بال جبریل میں اقبال نے مزار حکیم سنائی کی زیارت کے موقع پر جو نظم لکھی ، اس میں ایک نعتیہ شعر یوں آیا ہے :

عجب کیا گر مہ و پروین مرے نخچیر ہو جائیں
'کہ بر فتراک صاحب دوستی بستم سر خود را'

حاشیے میں ہے : یہ مصرع مرزا صائب کا ہے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا ، آج کل جو دیوان صائب متداول ہیں ، ان میں یہ مصرع بانداز دگر ملتا ہے - پورا شعر یوں ہے :

ز سوز دل چنان دل سرد از تن پروری گشتم
کہ چون مجنون بپای مرغ می خوارم سرخود را

صائب کی اس غزل کے بھی دو شعر ملاحظہ فرمائیں :

نہان در زنگ از آن چون تیغ دارم جوہر خود را
کہ من از عرض جوہر دوست تر دارم سرخود را

ز طوفانِ حوادث با سبک مغزی نیم غافل
حباب آسا درین دریا بکف دارم سرخود را

مثنوی 'مسافر' میں کابل کی سیر فرماتے وقت اقبال نے صائب کے ایک قصیدے کی طرف اشارہ کیا ہے :

شہر کابل ، خطہ جنت نظیر
آب حیوان از رگ تاکش بگیر
چشم صائب 'از سوادش سرمہ چین'
روشن و پائندہ باد آن سر زمین

کتاب کے حاشیے میں ہے: 'مرزا صائب تبریزی در مدح کابل می گوید :

خوشا وقتی کہ چشمم از سوادش سرمہ چین گردد'

لگے ہاتھوں ، کابل اور صوبہ دار کابل ، ظفر خان احسن مذکور ، کی مدح میں صائب کے اس قصیدہ کے چند اشعار دیکھ لیں جس کا ایک مصرع علامہ نے نقل فرمایا ہے :

خوشا عشرت[۲۱] سرای کابل و دامان کہسارش
کہ ناخن بر دل گل می زند مژگان ہر خارش
خوشا وقتی کہ چشمم از سوادش سرمہ چین گردد
شوم چون عاشقان و عارفان از جان گرفتارش
ز وصف لالۂ ادرنگ بر روی سخن دارم
نگہ را چہرہ خون سازم بزیر ارغوان زارش
حساب مہ جبینان لب بامش کہ میداند ؟
دو صد خورشید رو افتادہ در ہر پای دیوارش

---

۲۱ - کلیات صائب تبریزی صفحہ ۸۶۵-۸۶۶ -

نماز صبح واجب می شود بر پاک دامانان
سفیدی میکند چون در دل شب یاسمن زارش
گلو سوز است از می نغمه های عندلیب او
چو آتش برگ می ریزد شرر از نوک منقارش
خضر تیری بتاریکی فگند از چشمه حیوان
بیا اینجا حیات جاودان برگیر ز انهارش
تکلف بر طرف ، این قسم ملکی را باین زینت
سپهداری چون نواب ظفر خان بود درکارش

ایک خط میں اقبال نے[۲۲] باریک بمعنی 'کم در عرض و عمق' کے استناد کے لیے صائب کے یہ شعر نقل کیے ہیں :

از تواضع می توان مغلوب کردن خصم را
می‌شود باریک چو سیلاب از پل بگذرد
نازک تر است از رگ جان گفتگوی من
باریک شد محیط چو آمد بجوی من

دیگر نقل شدہ اشعار ، مندرجہ ذیل ہیں :

عمر ها صائب[۲۳] بشهر عقل بودم کوچه بند
مدتی هم با غزالان سیر صحرا می زنم
سرو با یک مصرع[۲۴] از قید خزان آزاد شد
زندۂ جاوید می گردی اگر موزون شوی

---

۲۲ - اقبال نامہ جلد اول صفحہ ۹۲ -
۲۳ - ایضاً صفحہ ۸۹ -
۲۴ - باقیات اقبال صفحہ ۳۷۶ -

'پیام مشرق' میں اقبال کا ایک معروف قطعہ 'زندگی و عمل' ہے جس کی توضیح میں آپ نے لکھا ہے :

'در جواب نظم ہائنا موسوم بہ سؤالات '

ساحل افتادہ گفت گرچہ بسی زیستم
ہیچ معلوم نہ شد ، آہ کہ من کیستم
موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر می روم ، گر نہ روم نیستم

اصل موضوع (حرکت موج اور علامت زندگانی) پر صائب کا ایک شعر بھی ملتا ہے (البتہ یہ کس قدر نزدیک کہا جا سکتا ہے) :

طفل آشوبم و چون موج بدریای وجود
نعمت زندگی از دولت طوفان دارم

۷۔ بیدل عظیم آبادی دھلوی ، ابوالمعالی مرزا عبدالقادر (م ۱۱۳۳ھ)

بیدل ، کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے عظیم مصنف اور سبک ہندی کے بلند مرتبہ شاعر ہیں۔ مضمون آفرینی ، باریک خیالی، رفعت اندیشہ اور عرفانی حقائق کے بیان کرنے میں وہ کم نظیر شخص تھے ۔ بیدل کا مزاج عارفانہ اور فلسفیانہ تھا ۔ انھوں نے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی بعض فتوحات اور حکمت عملیوں کو سراہا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے نہ کسی کی تعریف کی اور نہ مذمت ۔ انھوں نے ایک مدت اپنے مولد عظیم آباد (پٹنہ) میں گزاری ۔ بعد میں دہلی آئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے ۔

بیدل کی نثر و نظم کے مختصر مجموعے برصغیر میں چھپتے رہے

مگر چہار جلدی ضخیم کلیات چند سال قبل افغانستان میں چھپا۔[۲۵] پاکستان ، افغانستان اور روس کے فارسی کے تداول والے علاقے میں ان کے بارے میں گرانقدر تحقیقات ہوئی ہیں[۲۶] ۔ ایران میں ابھی ان کا کلام پسندیدگی و ارادت کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا ۔ ایرانی ناقد یہی کہتے ہیں کہ کلیات بیدل کی کمیت ہے اور کیفیت تقریباً ہیچ ۔ مثلاً پروفیسر دکتر محمد رضا شفیعی کدکنی نیشاپوری اپنے ایک مقالے 'بیدل دھلوی' میں اگرچہ سبک ہندی کی تعریف کرتے ہیں ، مگر اس عظیم شاعر کے بارے میں لکھتے ہیں :

"نویسندۂ این سطور با همهٔ کوششی که داشت، در سراسر دیوان او یک غزل هموار و یکدست که بتوان تمام ابیات آن را به عنوان شعر خوب و پاکیزه عرضه کرد ، نیافت ۔ ۔ ۔"[۲۷]

انھوں نے سر مقالے کے طور پر بیدل کا یہ شعر نقل کیا ہے ، اور اس کی علت واضح ہے :

ای بسا معنی که از نامحرمیهای زبان
با همه شوخی مقیم پرده های راز ماند

ہم 'اقبال اور بیدل' کے زیر عنوان سمساہی اقبال ریویو کراچی[۲۸]

---

۲۵ - سال اشاعت ۱۳۴۲ تا ۱۳۴۴ھ ش/۱۹۶۲ تا ۱۹۶۵ء -
۲۶ - چند تالیفات کے نام مندرجہ ذیل ہیں :
بیدل از عباد اللہ اختر ، لائف اینڈ ورکس آف بیدل (انگریزی) اور روح بیدل (اردو) ہر دو مؤلفہ ڈاکٹر عبدالغنی، بیدل چہ می گوید از فیض محمد خان فیضی ، افکار گرامی بیدل از ڈاکٹر صلاح الدین سلجوق ، فیض قدس از استاد خلیل اللہ خلیلی ، حیرت زار از محمد عطاالرحمان عطا کاکوی (ہند) ، عبدالقادر بیدل از صدر الدین عینی اور بیدل و داستان عرفان او از خالدہ عینی (آخری دونوں کتابیں روس میں چھپی ہیں) ۔
۲۷ - ماہنامہ ہنر و مردم ماہ آذر و دی ۱۳۴۷ ش : بیدل ۔
۲۸ - جولائی ۱۹۷۲ء -

میں ایک مبسوط مقالہ لکھ چکے جس میں اقبال اور بیدل کے صوری اور معنوی روابط پر بحث کی گئی ہے ۔ اسی مضمون کی ایک تلخیص بانداز دگر ذیل میں پیش کی جا رہی ہے ۔

علامہ اقبال کو بیدل کی بعض تراکیب غیر معمولی مبہم[۲۹] ہونے کی بنا پر اگرچہ پسند نہ تھیں ، مگر مجموعی حیثیت سے وہ مدت العمر بیدل کے فکر و فن کے مداح رہے ۔ انھوں نے مہاراجہ کشن پرشاد کو تجویز پیش کی تھی 'کلیات بیدل' کو مرتب کریں اور چھپوائیں ۔[۳۰] بیدل اور غالب کے فکر و فن کے روابط پر تحقیق کرنے کے ضمن میں انھیں بغایت دلچسپی تھی۔ اپنی تالیفات میں انھوں نے بیدل کے اشعار نقل و تضمین فرمائے اور کسی قدر ان کے اشعار کا تتبع بھی کیا ہے ۔ بیدل معاصرین سے لے کر عصرِ حاضر کے اردو و فارسی شعرائے برصغیر کے لیے باعثِ توجہ رہے ، مگر اس ضمن میں غالب کے بعد اقبال ممتاز تر نظر آتے ہیں ۔ اقبال نے فرمایا ہے کہ بیدل اپنی روش کے موجد اور خاتم تھے ۔[۳۱] برصغیر کے کئی اردو و فارسی شعراء نے ان کی تقلید کی ، مگر ناکام رہے ۔ ظاہر ہے کہ اقبال نے بیدل کی تقلید میں اپنی توانائی صرف نہیں کی ہے ۔ بیدل کی مداحی کے باوجود ، اقبال نے ان کی مشکل پسندی کی روش اختیار نہیں کی ۔ بیدل کے موضوعات بحث میں سے اقبال کو حیرت، خود داری ، جنون (عشق) ، وسعت قلب اور بے نیازی خاص طور پر عزیز تھے ۔

---

۲۹ ۔ اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۸۶ ۔
۳۰ ۔ صحیفہ اقبال نمبر جلد اول صفحہ ۱۶۴ ۔
۳۱ ۔ ملاحظہ ہو بیدل ، ابتدائیہ ۔

بیدل کی کئی پسندیدہ تراکیب اور لفظیات جیسے حیرت ، آئینہ ، شمع ، از خود رمیدہ ، عشق غیور ، بانگ درا ، مزرع تسلیم ، الطاف عمیم ، برق ، برق تجلی ، ذوق نمود ، ذوق تبسم، لطف خرام، توسنِ ادراک ، اور قافلۂ رنگ وبو وغیرہ اقبال کے ہاں فراوانی سے موجود ہیں ۔

حیرت :

حیرت کی دو اقسام ہیں : ایک شک و تردید کی مظہر ہے اور دوسری ذوقِ عرفان کے وفور کی ۔ رومی فرماتے ہیں :

زیرکی بفروش و حیرانی بخر
زیرکی ظن است و حیرانی نظر
یا نہ این است و آن، ویرانی است
گنج باید جست، این ویرانی است

اقبال اور بیدل کے ہاں اگرچہ دونوں قسم کی 'حیرت' ملتی ہے ، مگر دونوں کے بعد کے کلام میں دوسری یعنی رومی والی 'حیرت' کا انعکاس نظر آتا ہے ۔ اقبال نے اسے لازمۂ عشق کی صورت میں بھی بیان فرمایا ہے :

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
آزادی و یک رنگی اے ہمت مردانہ
یا حیرتِ فارابی یا تاب و تب رومی
یا نعرۂ مستانہ ، کعبہ ہو کہ بت خانہ

اپنی انگریزی یادداشتوں[۳۲] میں اقبال لکھتے ہیں :

---

۳۲ - Stray Reflections صفحہ ۵۴ ۔

"افلاطون کہتا ہے کہ 'حیرت' جملہ علوم کی اصل ہے ۔ میرزا عبدالقادر بیدل البتہ 'حیرت' کو ایک دوسرے نقطہ نگاہ سے دیکھتے اور فرماتے ہیں :

نزاکتہاست درآغوش مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

افلاطون کے ہاں 'حیرت' کی یہ اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے ہمیں فطرت سے ہم کلامی کرنے کا موقع ملتا ہے ۔ بیدل کے ہاں 'حیرت' کی اہمیت ماورائے واردات عقل ہے اور اس ضمن میں میرزا سے زیادہ خوبصورت انداز اختیار کرنا ناممکن ہے" (ترجمہ) ۔ مثنوی اسرار خودی کی اشاعت اول (۱۹۱۵ء) میں اقبال نے جو اردو دیباچہ شامل کیا تھا ، بیدل کا منقولہ بالا شعر اس میں بھی مندرج تھا۔ یہاں اس امر کی توضیح ضروری ہے کہ آخری عمر میں اقبال نے 'حیرت' کے بجائے 'یقین' پر لکھا ہے ، اور وہ تصور اولیہ کی ترقی یافتہ صورت ہے۔[۳۳] بہر صورت ، بیدل کا تحیر و حیرت ، تفکر فی الانفس والآفاق کا مظہر ہے ۔

جنون :

اقبال ، رومی کے مانند ، جنون و عشق کے دلدادہ تھے ۔ یہاں جنون دیوانگی نہیں بلکہ لازمۂ فرزانگی ہے۔ رومی اور اقبال نے منکرانِ تپ عشق و جنون کے لیے بددعا بھی کی ہے :

---

۳۳ - دیکھیے دو ماہی اسلامی تعلیم لاہور بابت مئی و جون ۱۹۷۴ء میں میرا مقالہ ۔

رومی: آتش است این بانگ نای و نیست باد
هر کہ این آتش ندارد نیست باد

اقبال: دل من روشن از سوز درون است
جہان بین چشم من از اشک خون است
ز رمز زندگی بیگانہ تر باد
کسی کو عشق را گوید جنون است

جنون کیا ہے؟ سوز قلب ہے، حس ششم ہے، عقل و وجدان کا امتزاج ہے اور خلاصہ یہ کہ سب کچھ ہے۔ اقبال نے اپنی ایک غزل میں اسے 'ذوق تجلی' کہا اور بات کس خوبی سے سمجھائی ہے:

ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو ترا صاحب ادراک نہیں ہے
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

'جنون' کی توصیف میں بیدل نے بہت لکھا۔ اقبال نے اپنے ایک قطعہ مشمولہ بانگ درا (حصہ سوم) میں 'مذہب' کے عنوان کے تحت بیدل کا ایک ایسا شعر تضمین فرمایا جو ضرب الامثال[۳۴] کے مانند متداول ہے:

تعلیم پیر فلسفۂ مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستیٔ غائب کی ہے تلاش
پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش

---

۳۴ - ملاحظہ ہو 'شعر ناب'۔

محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام
ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش
کہتا مگر ہے فلسفۂ زندگی کچھ اور
مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش
"با ہر کمال اندکی آشفتگی خوش است
ہر چند عقل کل شدہ ای، بی جنون مباش"

ظاہر ہے کہ یہاں 'جنون' ، وہی جذبۂ عشق و تخلیق ہے جو اپنے مبداء سے روشناس کراتا ہے۔

قلب ، اور اس کی معنوی وسعت :

قلب ، عربی شاعری کا خاص موضوع رہا ہے اور فارسی کے صوفی شعراء نے اسے خاص طور پر اپنایا ہے۔ رومی کے مانند اقبال نے اس مضمون سے خاص وابستگی دکھائی اور ان کے صدہا بہترین اشعار قلب کی توصیف میں ہیں۔ پیام مشرق کی ایک غزل کو ہی دیکھ لیجیے جس کا مطلع یوں ہے :

سوز سخن ز نالۂ مستانۂ دل است
این شمع را فروغ ز پروانۂ دل است

یہ بیدل کا بھی پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ ان کا ایک معروف شعر ہے :

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو و چمن در آ
کہ تو خود ز غنچہ کم نہ ای در دل گشا بہ چمن در آ

اقبال نے ضرب کلیم میں 'مرزا بیدل' عنوان کے ایک قطعہ میں جو شعر تضمین کیا ہے، وہ انسان کے عالم اکبر ہونے کا مظہر ہے جس کے مقابلے میں یہ کائنات عالم اصغر ہے۔ اقبال نے بھی کہا ہے:

آنچہ در عالم نگنجد آدم است
آنچہ در آدم بگنجد، عالم است (جاوید نامہ)

اب 'بیدل' کے شعر والا قطعہ دیکھیں:

ہے حقیقت یا مری چشم غلط بیں کا فساد
یہ زمیں، یہ دشت، یہ کہسار، یہ چرخ کبود
کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
کیا خبر، ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
میرزا بیدل نے کس خوبی سے کھولی یہ گرہ
اہل حکمت پر بہت مشکل رہی جس کی کشود
"دل اگر می داشت وسعت بی نشان بود این چمن
رنگ می بیرون نشست از بسکہ مینا تنگ بود"

اقبال کے دیگر پسندیدہ موضوعات پر بیدل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تا نگردی پایمال منت امداد خلق
بی عرق گامی دو پیش از خجلت احسان بر آ
حیف نشگافتیم پردۂ دل
دانہ بر دست مہر خرمنہا
پر غرہ مباشید چہ تحقیق و چہ تقلید
اینہا، ہمہ بی حاصل عشق غیور است

داغ اگر حلقہ زند ساغر صہبای دل است
نالہ گر بال کشد گردن مینای دل است

تضمینات از بیدل :

تضمین شدہ اشعار میں بھی اقبال کے بعض پسندیدہ موضوعات مبرھن ہیں جیسے 'شمع'۔ اقبال کی نظم 'شمع و شاعر' پر بیدل کے واضح اثرات ہیں۔ بیدل نے کہا ہے :

اضطراب و تپش و سوختن و داغ شدن
آنچہ دارد پر پروانہ ہمان دارد شمع
ضامن رونق این بزم ، گداز دل ماست
سوختن بہر نشاط دگران دارد شمع

اقبال فرماتے ہیں :

در غم دیگر بسوز[۳۵] و دیگران را ہم بسوز
گفتمت روشن حدیثی ، گر توانی دار گوش
کہہ گئے ہیں شاعری جزوی است از پیغمبری
ہاں سنا دے محفل ملت کو پیغام سروش

اپنے قطعے 'عبدالقادر کے نام' میں اقبال ایسے ہی مضامین بیان کرتے وقت ، بیدل کا ایک شعر بھی تضمین کرتے ہیں :

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں ، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

---

۳۵ - مصرع ثانی حافظ کے زیر اثر ہے :
گوش کن پند ای پسر وز بہر دنیا غم مخور
گفتمت چون در حدیثی گر توانی داشت گوش

"هر چه در دل گزر وقف زبان دارد شمع
سوختن نیست خیالی که نهان دارد شمع"

اب دیگر اشعار ، بغیر تبصره نقل کیے دیتے ہیں :

درین حسرت سرا[۳۶] عمریست افسون جرس دارم
ز فیض دل تپیدنها ، خروش بی نفس دارم
تا ز آغوش ودا عتش[۳۷] داغ حسرت چیده است
همچو شمع کشته در چشمم نگه خوابیده است
شور لیلیٰ کو[۳۸] که باز آرایش سودا کند
خاکِ مجنون را غبار خاطر صحرا کند
به کلام بیدل اگر رسی[۳۹] مگزر ز جادهٔ منصفی
که کسی نمی طلبد ز تو صلهٔ دگر مگر آفرین
میوه ها و نقل و ترشح هر یکی بار است و بس
لیک می باید بهر موقع جدا فهمد کسی
تار در هر جا[۴۰] مقام ساز گردید است صرف
طبع گر روشن بود ظلمت چرا فهمد کسی
نه از عیش است اگر چون شیشهٔ می قلقل آهنگم
شکست دل صلائی میزند رنگ تماشا را

محولات اور مقتبسات

اقبال کا مطالعه کرتے وقت ایسا نظر آتا ہے که انهوں نے

---

۳۶ و ۳۸ - بانگ درا ، نظمیں تصویر درد ، ناله فراق و شکوه بالترتیب -
۳۹ - اقبال نامه جلد ۲ خط مورخه ۱۳ جون ۱۹۳۷ء بنام خواجه حسن نظامی -
۴۰ - مقالات اقبال صفحه ۳۷ -

بیدل سے بعض مضامین اخذ کیے اور اپنے اردو یا فارسی اشعار میں بانداز دیگر بیان کیے ہیں مثلاً :

بیدل : دانا نبود از ہنر خویش برو مند
از میوۂ خود بہرہ محال است شجر را

اقبال : آہ بدقسمت رہے ، آواز حق سے بیخبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر

بیدل : بر طبع ضعیفان ز حوادث المی نیست
خاشاک کند کشتیٔ خود موج خطر را

اقبال : سفینہ برگ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا کے پار ہوگا

بیدل : درین وادی کہ میباید گزشت از ہر چہ پیش آید
خوش آن رہرو کہ در دامانِ دی پیچید فردا را

اقبال : بسا کس انندہ فردا کشیدند
کہ دی مردند و فردا را ندیدند (خسرو)
خنک مردان کہ در دامانِ امروز
ہزاران تازہ تر ہنگامہ چیدند

بیدل : چہ لازم با خرد ہمخانہ بودن
دو روزی می توان دیوانہ بودن

اقبال : اچھا ہے دل کے ساتھ رہے، پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

بیدل : نخل شمعیم کہ در شعلہ دود ریشۂ ما
عافیت سوز بود مایۂ اندیشۂ ما

اقبال : نخل شمع استی کہ در شعلہ دود ریشۂ تو
عافیت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو

بیدل : پشت و روی صفحہ ادراک تست اسلام و کفر
سطر قرآن را ز کم بینی چلیپا کردۂ
حسن مطلق را مقید تا کجا خواہی شناخت
آہ ازان یوسف کہ در چاہش تماشا کردۂ

اقبال : زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے
کنوئیں میں تونے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا ، مقید کر دیا تو نے

استقبال

واضح مثال صرف ایک غزل (مشمولہ جاوید نامہ) کی ہے ۔

بیدل : بعجز کوش ز نشو و نما چہ می جوئی
بخاک ریشۂ تست ، از ہوا چہ می جوئی
سراغ قافلۂ عمر سخت ناپید است
ز رہگذار نفس ، نقش پا چہ می جوئی
دل گداختہ اکسیر بی نیازی ہاست
گداز درد طلب ، کیمیا چہ می جوئی

نیز : چو محو عشق شدی رہنما چہ می جوئی
بہ بحر غوطہ زدی ، ناخدا چہ می جوئی
بجز غبار ندارد تپیدن نفست
ز تار سوختۂ بیدل صدا چہ می جوئی

اقبال : بآدمی نرسیدی خدا چہ می جوئی
ز خود گریختہ ای ، آشنا چہ می جوئی
دگر بشاخ گل آویز و آب و نم درکش
پریدہ رنگ ، ز باد صبا چہ می جوئی
دو قطرہ خون دل است آنچہ مشک می نامند
تو ای غزالِ حرم در خطا چہ می جوئی
قلندریم و کراماتِ ما جہاں بینی است
ز ما نگاہ طلب کیمیا چہ می جوئی

بیدل و غالب (اقبال کے تبصرے)

بیدل و اقبال کے ضمن میں علامہ مرحوم کے ان تبصروں کا اجالی ذکر ضروری ہے جو انھوں نے بیدل اور غالب کے فکری و فنی ارتباطات کے بارے میں کیے ہیں ۔ ان مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :

۱ ۔ غالب نے مدت تک روشِ بیدل پر چلنے کی سرگرم کوشش کی ۔
۲ ۔ غالب ان کوششوں میں ناکام رہے اور اس لیے انھوں نے بعد میں اپنا خاص اسلوب اختیار کیا جو ان کی کامیابی کا ضامن ہوا ۔
۳ ۔ بیدل اپنے زمانے سے بہت آگے عالمِ وجود میں آئے یہاں تک کہ غالب ایسے دل و دماغ کا شخص ان کا کامیاب تتبع نہ کر سکا ۔
۴ ۔ بیدل کا تفکر حرکی ہے اور غالب مائل بہ سکون ہیں ۔
۵ ۔ بیدل اور غالب کے فکر و فن کے تقابلی مطالعے کی ضرورت ہے وغیرہ ۔

اس میں کلام نہیں کہ غالب اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں بیدل کی طرف بغایت متوجہ رہے ہیں - بیدل کی مثنویاں طور معرفت اور محیط اعظم غالب کی جوانی کی املاک رہی ہیں - ۱۲۳۱ھ میں کوئی ۱۸ یا ۱۹ برس کی عمر میں غالب نے ان پر مہر لگائی اور دونوں کی توصیف میں بالترتیب ایک ایک شعر ثبت فرمایا :

ازین صحیفہ بنوعی ظہور معرفت است
کہ ذرہ ذرہ چراغان 'طور معرفت' است
ہرحبابی را کہ موجش گل کند جام جم است
آب حیوان آبجوئی از 'محیط اعظم' است

یہ مثنویاں اب پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہیں[۴۱] - غالب نے استقبال بیدل کے اعتراف میں کہا ہے :

ہمچنان آن محیط بی ساحل
قلزم فیض میرزا بیدل

مجھے راہ سخن میں خوف گمراہی نہیں غالب
عصائے خضر صحرائے سخن ہے خامہ بیدل کا[۴۲ب]

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا
اسد اللہ خان قیامت ہے

---

۴۱ - بحوالہ روح بیدل -
۴۱ب - نیز یہ اشعار دیکھیں :
آہنگ اسد میں نہیں جز نغمۂ بیدل
'عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ'
اسد ہر جا سخن نے طرح باغ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگ بہار ایجادیٔ بیدل پسند آیا
مطرب دل نے مرے تار نفس سے غالب
ساز پر رشتہ، پے نغمۂ بیدل باندھا

شمس العلماء حالی نے یادگار غالب میں ، خواجہ عباداللہ اختر نے 'بیدل' میں ، ڈاکٹر عبدالغنی نے 'روح بیدل' میں اور ڈاکٹر خورشیدالاسلام نے غالب (ابتدائی دور) میں ، بیدل اور غالب کے صوری و معنوی روابط کے ضمن میں خوب لکھا ہے، مگر علامہ اقبال کی تجویز کے مطابق اس ضمن میں ایک مستقل تحقیق کی ضرورت ابھی باقی ہے - یہاں بیدل و غالب کے سلسلے میں چند تشابہاتی مثالیں نقل کی جاتی ہیں :

بیدل : مطلم از می پرستی تر دماغیها نبود
یک دو ساغر آب دادم گریۂ مستانہ را

غالب: مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

بیدل : رنج دنیا ، فکر عقبیٰ ، داغ حرماں ، درد دل
یک نفس ہستی ہوشم عالمی را بار کرد

غالب : فکر معاش ، عشق بتاں ، یاد رفتگاں
تھوڑی سی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

بیدل : نیست در دشتِ طلب کعبہ ما را احتیاج
سجدہ گاہ ماست ہرجا نقش پا افتادہ است

غالب : در سلوک از ہر چہ پیش آمد گزشتن داشتم
کعبہ دیدم ، نقش پای رہروان نامیدش

بیدل : آہم ز نارسائی شد اشک و با عرق ساخت
پستیت گر خجالت شبنم کند ہوا را

غالب : ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

ڈاکٹر عبدالغنی نے روح بیدل (صفحہ ۲۸۳) میں کسی ماخذ کا حوالہ دیے بغیر بیدل اور غالب کے نظریۂ زندگی کے بارے میں اقبال کا ایک تبصرہ نقل کیا ہے - یہ تبصرہ مصدر مرکب 'خرام کاشتن' (بمعنی چلنا) کے بارے میں ہے جسے بعض معاصرین نے قابل اعتراض قرار دیا اور سراج الدین علی خان آرزو اکبر آبادی (م ۱۱۶۴ھ) نے تذکرہ مجمع النفائس اور داد سخن میں بیدل کا دفاع کیا (دیکھیے تذکرہ خزانہ عامرہ میں بیدل کا ذکر) - بیدل نے اس محاورہ کو اپنے معروف مخمس 'در اثای فرزند خود' میں استعمال کیا ہے :

ہرگہ دو قدم خرام می کاشت
از انگشتم عصا بلب داشت

اقبال نے فرمایا تھا : " اس ایک محاورے نے بیدل اور غالب کے درمیان بنیادی فرق واضح کر دیا ہے - چونکہ بیدل کا فلسفۂ حیات حرکی ہے ، اس کے ہاں یہ محاورہ موجود ہے - غالب کا فلسفہ مائل بہ سکون ہے ، اس کے ہاں یہ بات نہیں ہے" - یہ امر قابل ذکر ہے کہ 'خرام' سے وابستگی کی بنا پر اقبال نے بھی "تیز خرامیدن" کا محاورہ وضع کیا اور فرمایا :

ساحل افتادہ گفت گرچہ بسی زیستم
ہیچ نہ معلوم شد ، آہ کہ من کیستم
موج ز خود رفتہ ای تیز خرامید و گفت
ہستم اگر می روم ، گر نروم نیستم

اقبال کے وضع کردہ محاورہ پر بھی بعض ایرانیوں نے اعتراضات کیے تھے مگر جب انھیں بتایا گیا کہ سعدی شیرازی نے بھی 'آهسته خرامیدن' استعمال کیا ہے :

آهسته خرام بلکه مخرام
زیر قدمت هزار جانست

تو معترضین اقبال کی قادر کلامی کے قائل ہوگئے[۴۲] ۔

بہتر ہوگا اگر موج اور بحر (حرکت برکت است) کے تلازمات کے بارے میں بیدل کا ایک معروف شعر نقل کر دیں اور ساتھ ساتھ علامہ مرحوم کے چند اشعار بھی :

بیدل : ما زنده از آنیم که آرام نداریم
موجیم که آسودگی ما عدم ماست

اقبال : چه پرسی از کجایم چیستم من
بخود پیچیده ام تا زیستم من
درین دریا چو موج بیقرارم
اگر برخود نه پیچم نیستم من

میارا بزم بر ساحل که آنجا
نوای زندگانی نرم خیز است
بدریا غلت و با موجش در آویز
حیات جاودان اندر ستیز است

اپنے ایک خط مؤرخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء میں اقبال نے لکھا

---

۴۲ - اقبال لاہوری صفحہ ۵۹۴ -

ہے کہ غالب نے طرز بیدل پر چلنے کی کافی کوشش کی اور اس قسم کے شعر کہے :

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

مگر جب انھوں نے دیکھا کہ یہ راستہ دشوار گزار ہے، تو اسے ترک کر دیا[۴۳]۔ ایک دوسرے خط[۴۴] میں اقبال (ڈاکٹر) شیخ محمد اکرام (اب مرحوم) کی کتاب 'غالب نامہ' کی تعریف کرتے ہیں اور غالب و بیدل کے بارے میں ان کے تبصرہ سے اختلاف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

"... میرا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ میرزا غالب اپنے اردو اشعار میں میرزا بیدل کا تتبع کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ظاہری طور پر آپ نے بیدل کی خوب پیروی کی مگر باطناً ان کے معانی سے دور جا پڑے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ بیدل کی فکر ان کے معاصرین کے لیے کس قدر ترقی یافتہ واقع ہوئی تھی۔ اس امر کے شواہد موجود ہیں کہ ہند اور بیرونِ ہند میں بیدل کے معاصر اور دیگر فارسی دان ، فلسفۂ حیات کے بارے میں بیدل کے افکار کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں" (ترجمہ)۔

فروری ۱۹۳۷ء میں اقبال نے اپنے 'پیغام یوم غالب' میں بھی بیدل اور غالب کی مناسبت سے یہی بات دہرائی اور اس ضمن میں تحقیق مزید کا مشورہ دیا تھا[۴۵]۔ اس میں کلام نہیں کہ غالب ، تقلید بیدل

---

۴۳ - انوار اقبال صفحہ ۳۸ -
۴۴ - خطوط و تحریرات اقبال (انگریزی) صفحہ ۳۳-۳۴ -
۴۵ - گفتار اقبال -

سے نہیں ، بلکہ ترک بیدل سے شہرۂ آفاق بنے مگر بعض حضرات کا خیال ہے کہ غالب ساری عمر تقلید بیدل سے آزاد نہ ہوئے[۴۶] ۔ بہر صورت اس موضوع پر سیر حاصل بات کی جا سکتی ہے مگر شواہد و ادلہ ، موجب طوالت بنیں گی ، اور سر دست اس کتابچے سے ان مباحث کا زیادہ سروکار بھی نہیں ۔ اقبال کی مناسبت سے شعر بیدل کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے ۔

۸۔ اسد یا غالب دہلوی ، مرزا اسد اللہ بیگ خان

(م ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹م)

غالب ، مسلمہ طور پر اقبال سے قبل برصغیر میں اردو اور فارسی کے سب سے بڑے شاعر تھے ۔ وہ ایک متنوع شخصیت اور غیر معمولی دل و دماغ کے آدمی تھے ۔ اپنی فارسی پر انھیں ناز تھا ، مگر اپنی اردو شاعری کو بھی بجا طور پر وہ مثیلِ فارسی جانتے تھے :

فارسی بین تا بہ بینی جلوہ ہای رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگِ من است

فارسی بین تا بدانی کاندر اقلیم خیال
مانی و ارژنگم و آن نسخہ ارتنگ من است

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

غالب اصل کے اعتبار سے ماوراء النہری ترک تھے ۔ آگرہ میں

۴۶۔ سہ ماہی صحیفہ غالب نمبر مارچ ۱۹۶۹ء مقالہ : غالب کی فارسی غزل ۔

متولد ہوئے ۔ ۱۳ برس کی عمر میں دہلی منتقل ہوئے اور تا دمِ مرگ یہیں رہے ۔ ان کا دورِ حیات پر آشوب و انحطاط تھا ، مگر جس طرح چنگیز اور اولاد چنگیز کی سفاکیاں ، رومی اور سعدی پر اثر انداز نہ ہوئیں اور امیر تیمور کے تہاجات خواجہ حافظ کے نبوغ کو نہ دبا سکے ، اسی طرح غالب بھی سکھوں اور مسلمانوں کی جنگ (۱۸۳۱ء) فارسی کی جگہ انگریزی کے سرکاری زبان بن جانے (۱۸۳۴ء) ، جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) اور اس کے خونچکاں عواقب ، اور سلطنتِ تیموری کا چراغ گل ہو جانے کے دل شکن اور پُر اندوہ واقعات سے دو چار ہونے کے باوجود ، اردو و فارسی کی نثر و نظم میں اپنا بلند مقام قائم رکھ سکے ہیں ۔

غالب اپنی فارسی شاعری میں غیر ایرانی شعراء (بجز امیر خسرو) کی تقلید سے اظہار برأت فرماتے رہے۔[۴۷] میرزا بیدل کی تقلید میں انھوں نے ریختہ (اردو) لکھنے کا اعتراف فرمایا ہے مگر قرائن بتاتے ہیں کہ بیدل اور کئی ہندی فارسی شعراء کا ان کے اردو اور فارسی کلام پر کافی اثر رہا ہے ۔ در اصل 'برہان قاطع' کے معرکے میں غالب، اہلِ زبان اور غیر اہلِ زبان فارسی شعراء کے ذکر سے اپنا دفاع کرتے رہے ہیں۔ بیدل اور ان کے روابط پر اشارے گزر چکے۔ غالب کی مشکل گوئی کی شکایات ، ان کے معاصرین کی تصانیف میں منعکس ہیں مگر دورِ جوانی کے بعد غالب نے ایک معتدل سبک اختیار کیا اور نام پیدا کیا ۔ غالب کی فارسی نثر دلآویز ہے 'دستنبو' میں انھوں نے خالص فارسی میں جنگِ آزادی کے واقعات لکھے ہیں ۔ اردو نثر میں ان کے مکتوبات کم نظیر ہیں ۔ ان کا فارسی کلام تقریباً ہموار ہے مگر اردو کلام کی بات ہی اور

---

۴۷ - خطوط غالب طبع ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۰۰ -

ہے۔ منکرِ شاعری بھی ان کا اردو کلام سن یا پڑھ کر شعر کی افادیت پر ایمان لا سکتا ہے۔

مرزا غالب ، ہمارے ثقافتی سرمایے کی ایک نمایاں کڑی ہیں۔ پاکستان میں ان کے بارے میں تحقیق و بررسی کا سلسلہ جاری ہے۔ ۱۹۶۹ء میں ان کی صد سالہ برسی کی مناسبت سے ہمارے ہاں نیز ہندوستان ، افغانستان ، ایران ، روس ، برطانیہ اور امریکہ وغیرہ میں ان کے بارے میں کافی کتابیں لکھی گئیں۔

بر صغیر میں اقبال کے دور کہولت تک ، نظیرِ غالب کا پیدا ہونا ، ایک عجوبۂ قدرت سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔ اقبال کی شاعری اور شخصیت کے بارے میں لوگوں کو جو اچنبھا تھا ، وہ شیخ عبدالقادر کی دیباچۂ بانگِ درا کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے :

"کسے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیل اور نرالا انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادبِ اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے ، مگر زبانِ اردو کی خوش اقبالی دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو داں دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔ غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خان غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو

عشق تھا ، اس نے ان کی روح کو عدم میں جاکر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسد خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اس نے پنجاب کے ایک گوشہ میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں ، دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا . . . "

غالب ، اقبال کی نظر میں :

اقبال ، فکر و فنِ غالب کے بے حد مداح تھے ۔ اپنے ایک مسدس نظم 'مرزا غالب' میں انھوں نے بیس توصیفی شعر کہے ہیں ۔ جیسے :

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تخیل کی رسائی تا کجا

تھا سراپا روح تو ، بزم سخن پیکر ترا
زیب محفل بھی رہا ، محفل سے پنہاں بھی رہا

دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

تیرے فردوس تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشتِ فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محو حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

شاھد مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی گلِ شیراز پر

لطف گویائی میں تیری[۴۸] ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیل کا نہ جب تک فکر کامل ہم نشیں

اپنی انگریزی یاد داشتوں میں اقبال لکھتے ہیں کہ وہ اپنے فکر و فن میں بیدل کے مانند غالب کے بھی بے حد مرہون منت ہیں ۔ ان شعراء نے انھیں ، اشیا کا "اندرون" دیکھنے میں مدد کی اور 'روح مشرق' کو جذب کرنے کے گر سکھائے ہیں ۔[۴۹] ایک دوسرے مقام پر آپ نے لکھا کہ غالب ، مسلمانانِ ہند کا ایک اصیل سرمایہ ہیں ۔ ان ایسے شعراء مذہب اور قومیت کے حدود سے بالا تر ہیں مگر مرزا کی مقبولیت میں ابھی اضافہ ہوگا ۔[۵۰]

۱۹۳۶ء میں یوم غالب کی مناسبت سے آپ نے مندرجہ ذیل دو توصیفی شعر لکھے اور خواجہ حسن نظامی[۵۱] کو ارسال کیے تھے :

درین محفل کہ افسون فرنگ از خود برد ما را
نگاہ پردہ سوز آور ، دلی دانای راز آور
مئ این ساقیان لالہ رو ذوق نمی بخشد
ز فیض حضرت غالب ہمان پیمانہ باز آور

اسی مناسبت سے ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء کو 'انجمن اردو پنجاب' کو آپ نے ایک پیغام دیا ۔ اس میں انھوں نے مسلمان نوجوانوں کو مشورہ دیا کہ غالب کی اہم تر زبانِ شعر 'فارسی' کا دامن نہ چھوڑیں ،

---

۴۸ - بانگ درا حصہ اول ۔
۴۹ - Stray Reflections صفحہ ۵۱ ۔
۵۰ - ایضاً صفحہ ۵۴ ۔
۵۱ - اقبال نامہ ، مکاتیب بنام حسن نظامی ۔

غالب کا خصوصی مطالعہ کریں اور بیدل و غالب کے فکری و فنی روابط پر تحقیق کریں ۔۵۲

تضمینات

اقبال نے غالب کے کئی اردو و فارسی اشعار پر تضمین کی ہے۔ فارسی شعراء کی تضمینات تو اقبال کے ہاں فراواں ہیں ، مگر اردو اشعار انھوں نے شاذ نقل کیے ہیں ۔ ان اشعار میں ایک مصرع اکبر الہ آبادی (م ۱۹۲۱ء) کا ہے ، اور باقی اشعار غالب کے ہی ہیں ۔ یاد رہے کہ عربی اشعار اور مصرعے بھی اقبال کے کلام میں اکا دکا نظر آتے ہیں ۔۵۳ بہر صورت غالب کے اشعار کی تضمینات ملاحظہ ہوں :

"اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے" ۔ غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکر غیر کیا ؟۵۴

میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے :

"ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں ، کھائیں گے کیا ؟"۵۵

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

---

۵۲ - گفتار اقبال صفحہ ۲۰۷ ۔
۵۳ - جاوید نامہ فلک قمر ، فلک مشتری اور ارمغان حجاز حصہ حضور حق ۔
۵۴ - پورا شعر اس طرح ہے :
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں
۵۵ - پورا شعر ملاحظہ ہو :
ہے اب اس معمورے میں قحط غم الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں ، کھاویں گے کیا
شعر بال جبریل کے قطعہ 'فلسفہ و مذہب' میں تضمین شدہ ملتا ہے ۔

حرف چون طائر بہ پرواز آورد
نغمہ را بی زخمہ از ساز آورد (بہ تغیرات)
مژدہ صبح درین تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند
تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم[۵۵]

غالب کا ایک دو شعری قطعہ ہے :

فرصت اگرت دست دھد مغتنم انگار
ساقی و مغنی و شرابی و سرودی
زنہار از آن قوم نباشی کہ فریبند
حق را بہ سجودی و نبی را بہ درودی

اقبال نے بال جبریل کی ایک نظم 'فرمانِ خدا' (فرشتوں سے) میں دوسرے شعر سے کسی قدر استفادہ کیا ہے :

حق را بہ سجودی صنمان را بطوافی
بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو

غالب ، جاوید نامہ میں :

علامہ اقبال کی اس کتاب میں غالب کا بڑا معنی خیز ذکر ہے۔ فلک مشتری پر اقبال ، روح غالب کو حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ) اور قرۃ العین طاہرہ بابیہ کی ارواح کے ساتھ بیرونِ بہشت سیر و سیاحت میں مشغول دکھاتے ہیں :

---

۵۵ (الف) - پیام مشرق - اس بحر کو اختیار کر کے اقبال نے ۳ شعر کہے ہیں (نظم شعراء) -

گفت رومی : 'این قدر از خود مرو
از دم آتش نوایان زنده شو
شوق بی پروا ندیدستی ، نگر
زور این صهبا ندیدستی نگر
غالب و حلاج و خاتون عجم
شورها افگنده در جان حرم
این نواها روح را بخشد حیات
گرمیٔ او از درون کائنات'

یہاں اقبال ، غالب سے ان کے معروف اردو شعر کے معانی پوچھ کر درج کرتے ہیں ۔ اقبال نے "کیا ہے" کو "چیست" سے بدل کر شعر کو بصورتِ فارسی درج کیا ہے :

قمری کف خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
ای نالہ نشانِ جگر سوختہ چیست ؟

شعر کے معنی بھی ملاحظہ ہوں :

نالہ کو خیزد از سوز جگر
ہر کجا تاثیر او دیدم دگر
قمری از تاثیر او واسوختہ
بلبل از وی رنگہا اندوختہ
اندرو مرگی بآغوش حیات
یک نفس اینجا حیات ، آنجا ممات
آنچنان رنگی کہ ارژنگی ازوست
آنچنان رنگی کہ بیرنگی ازوست

توندانی این مقام رنگ و بوست
قسمت هر دل بقدر های و هوست
یا برنگ آ، یا به بیرنگی گزر
تا نشانی گیری از سوز جگر

نوائے غالب کے تحت ، علامہ میرزا کی ایک مستانہ فارسی غزل کا انتخاب درج کرتے ہیں :

بیا که قاعدهٔ آسمان بگردانیم
قضا بگردش رطل گران بگردانیم
اگر ز شحنه بود گیرو دارنیندیشیم
وگر ز شاه رسد ارمغان بگردانیم
اگر کلیم[۴] شود همزمان سخن نکنیم
وگر خلیل[۴] شود میمهان بگردانیم
بجنگ باج ستانان شاخساری را
تهی سبد ز در گلستان بگردانیم
بصلح بال فشانانِ صبحگاهی را
ز شاخسار سوی آشیان بگردانیم
ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود
گر آفتاب سوی خاوران بگردانیم

اور ازاں بہ بعد ، حقیقت رحمة اللعالمینی کے بارے میں میرزا سے بحث کرتے اور ان کی مثنوی 'امکانِ نظیر یا امتناع نظیر حضرت خاتم الانبیاء[ص] ، سے ایک شعر نقل کرتے ہیں :

زندہ رود : صد جهان پیدا درین نیلی فضاست
هر جهان را اولیا و انبیاست ؟

غالب : نیک بنگر اندرین بود و نبود
پی به پی آید جهانها در وجود
هر کجا بنگامه عالم بود
رحمةً للعالمینی هم بود

زنده رود : فاش تر گو زانکه فهمم نا رساست

غالب : این سخن را فاش تر گفتن خطاست

زنده رود : گفتگوی اهل دل بی حاصل است ؟

غالب : نکته را بر لب رسیدن مشکل است

زنده رود : تو سراپا آتش از سوز طلب
بر سخن غالب نیائی ای عجب

غالب : خلق و تقدیر و هدایت ابتداست
رحمة للعالمینی انتهاست

زنده رود : من ندیدم چهرهٔ معنی هنوز
آتشی دادی اگر ما را بسوز

غالب : ای چو من بینندهٔ اسرار شعر
این سخن افزون تر است از تار شعر
شاعران بزم سخن آراستند
این کلیمان بی ید بیضا ستند
آنچه تو از من بخواهی کافری است
کافری کو ماورای شاعری است

اس کے بعد حسین منصور حلاج توضیحاً کہتے ہیں :

هر کجا بینی جهان رنگ و بو
آن که از خاکش بروید آرزو

یا ز نور مصطفیٰ ؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ؐ است

آنحضرت ؐ کے مقام بشریت اور عبدیت کے بارے میں بے حد دلآویز بحث چونکہ حلاج سے مربوط کی گئی، اس لیے اس سے یہاں صرف نظر کرتے ہوئے ، حقیقت رحمۃ ؐ للعالمینی ؐ کے بارے میں اقبال کی گفتگو کے سیاق کے بارے میں چند سطریں لکھتے ہیں ۔

انیسویں صدی کے ربع اول میں مرزا غالب کے دو بزرگ معاصرین مولانا حیدر بخش اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی (م ۱۸۳۱ع) کے درمیان ایک مذہبی بحث مسئلہ قدرت الٰہی پر چھڑی تھی ۔ اس کا موضوع اوپر میرزا غالب، کی مثنوی کے عنوان میں بھی درج ہوا ہے ۔ شاہ اسماعیل کا مؤقف یہ تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ، خاتم النبیین ہی نہ تھے، کائنات کی کامل ترین ہستی بھی تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کسی دوسرے کی تخلیق محال اور غیرممکن ہے ۔ مولانا حیدر بخش آنحضرت ؐ کی ختم نبوت اور ان کے کامل ترین فرد ہونے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک آنحضرت ، انبیاء کے سردار تھے مگر اُن ایسے کسی دوسرے کی تخلیق کو وہ قدرت خداوندی کے لیے محال اور غیرممکن نہیں مانتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے عجز تخلیق لازم آتی ہے جب کہ خدا تعالیٰ ہر لحظہ سب کچھ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے ۔ یہ مباحث میرزا غالب ایسے ذکی اور نابغہ نوجوان کے لیے قابل توجہ تھے۔ میرزا شاہ اسماعیل اور مولانا حیدر بخش کے ارادت مند تھے۔ دونوں نے مولانا فضل حق کے ذریعے ان سے استعانت چاہی اور غالب نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت ۱۲۸ اشعار کی حامل ایک فارسی مثنوی لکھی ۔ غالب نے اگرچہ مولانا فضل حق اور دیگر مخالفان

شاہ اسماعیل کے موقف کی حمایت کی[۵۶] مگر ساتھ ساتھ شاہ اسماعیل کے نظریہ کو بھی رد نہ کیا۔ آپ کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ خدائے تعالیٰ ہر چیز پیدا کرنے پر قادر ہے، مگر اس کے کام خالی از حکمت نہیں۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک جہان میں ایک ہی رحمۃً للعالمین اور خاتم النبیین پیدا کرے۔ غالب کے ہاں پوری کائنات ایک جہان قرار دی گئی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ کسی دوسرے کی تخلیق بلا جواز ہوگی۔ کہتے ہیں، ان کے ہم عمر دوست مولانا فضل حق، میرزا کی مثنوی دیکھ کر بہت ہنسے اور فرمایا: 'میرزا، خوب استادی دکھائی کہ سب کی حمایت کر دی'۔ اقبال نے ان ہی معانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔[۵۷] یہاں غالب کی مثنوی کے چند ابیات نقل کرنا مناسب نظر آتا ہے:

آنکہ مہر و ماہ و اختر آفرید
می تواند مہر دیگر آفرید

لیک در عالم از روی یقین
خود نمی گنجد دو ختم المرسلین

یک جہان تا ہست یک خاتم بس است
قدرت حق را نہ یک عالم بس است

خواہد از ہر ذرہ آرد عالمی
ہم بود ہر عالمی را خاتمی

---

۵۶ - تفصیل کے لیے دیکھیے مولانا محمد احسن نانوتوی (محمد ایوب قادری) اور اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۱ء (مقالہ از سخاوت مرزا)۔ شاہ اسماعیل کی مخالفت میں مولانا صدر الدین آزردہ دہلوی (م ۱۲۸۵ھ) اور علامہ سید برکات احمد ٹونکی (م ۱۹۲۸ء) نے بھی کافی لکھا تھا۔ شاہ اسماعیل نے اپنے دفاع میں تقویت الایمان اور امتناع النظیر کے عنوان سے رسائل لکھے تھے۔

۵۷ - نیز ملاحظہ ہو اقبال نامہ نمبر جلد ۱ صفحہ ۱۱۷۔

هر کجا هنگامۂ عالم بود
رحمۃٌ للعالمینی هم بود
در یکی عالم دو تا خاتم مجوی
صد هزاران عالم و خاتم بگوئی
کثرت ابداعِ عالم خوب تر ؟
یا بہ یک عالم دو خاتم خوب تر ؟
غالب این اندیشہ نپذیرم همی
فردہ هم بر خویش می گیرم همی
این نہ عجز است ، اختیار است ای فقیہ
خواجہؐ بی همتا بود ، لاریب فیہ
هر کرا با سایہ نپسندد خدا
همچو او یک نقش کی بندد خدا ؟
هم گهر مهر منیرش چون بود
سایہ چون نبود ، نظیرش چون بود ؟
منفرد اندر کمال ذاتی است
لا جرم مثلش محال ذاتی است
زین عقیدت بر نگردم ، والسلام
نامہ را در می نوردم ، والسلام

محولات اور پیروی :

اقبال کے ہاں غالب کے مضامین کے اقتباس کرنے (محولات) اور فارسی شاعری میں پیروی کے مواقع بہت کم ہیں ۔ یہ حسب ذیل ہیں :

غالب : با من میاویز ای پسر ، فرزند آزر را نگر
هر کس که شد صاحب نظر، دین بزرگان خوش نکرد

اقبال : چه خوش بودی اگر مرد نکو پی
ز بند باستان آزاد رفتی
اگر تقلید بودی شیوهٔ خوب
پیمبر ؐ هم ره اجداد رفتی

غالب : خوی آدم دارم ، آدم زاده ام
آشکارا دم ز عصیان می زنم

اقبال : چون بروید آدم از مشت گل
با دلی ، آرزوی در دلی
لذت عصیان چشیدن کار اوست
غیر خود چیزی ندیدن کار اوست
ز انکه بی عصیان خودی ناید بدست
تا خودی ناید بدست آید شکست (جاوید نامه)

غالب : سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دهیم
رنگ شو ای خون گرم تا به پریدن دهیم

اقبال : مثل شرر ذره را تن به تپیدن دهم
تن به تپیدن دهم ، بال پریدن دهم

غالب : اختری خوشتر ازینم بجهان می بایست
خرد پیر مرا بخت جوان می بایست

اقبال : باز این عالم دیرینه قرآن می بایست
برگ کاهن صفت کوه گران می بایست

غالب : نقاب دار کہ آئین رهزنی دارد
جمال یوسفی و فر بهمنی دارد

اقبال : فریب کشمکش عقل دیدنی دارد
کہ میر قافلہ و ذوق رہزنی دارد

سبک هندی کے دیگر شعراء (ضمنی ذکر)

یہ شعراء مندرجہ ذیل ہیں :

غزالی ، جلال اسیر ، انیسی شاملو ، زلالی ، ملک قمی ، ظہوری ، طالب آملی ، قدسی، رضی دانش ، عزت بخاری، حسین گیلانی، فوقی یزدی ، مومن استر آبادی ، فرج ترشیزی ، ملا طغرا ، راقم مشہدی ، مخلص کاشانی ، ناصر علی ، جویا ، محسن تاثیر ، مخلص سیالکوٹی ، حزین لاهیجی ، راسخ اور مظہر جانجانان ۔ ان ۲۴ شعراء کے اشعار کا انعکاس اقبال کے ہاں ضمنی نوعیت کا ہے ۔

مندرجہ بالا شعراء میں سے بعض کے کلام پر اقبال نے داد دی۔ بعض کی آپ نے پیروی کی ۔ دوسروں کو پڑھنے کا مشورہ دیا یا مختلف استشہادات و استنادات نیز زینت سخن کی خاطر نقل فرمایا ۔ استنادات اقبال نے اپنے پسندیدہ فارسی لغت ، بہار عجم ، مؤلفہ ٹیک چند بہار[۵۸] سے نقل فرمائے ہیں ۔ اس لغت میں معانی ، اساتذہ شعراء کے اشعار کی روشنی میں لکھے گئے اور اقبال اپنے اکثر خطوط میں اسی لغت کا حوالہ دیتے رہے ہیں ۔ ان میں سے بعض شعراء سے اقبال کا رابطہ ہمیں از روئے قیاس نظر آیا ۔ بہر صورت مختصر اشارات

---

۵۸ - شائع شدہ ۱۹۱۶ء ۔ لغت کی دو جلدیں ہزار صفحات پر مشتمل ہیں ۔

کی صورت میں اقبال اور مذکورہ شعراء کا صوری ومعنوی رابطہ ملاحظہ فرمائیں ۔

۱- غزالی مشہدی (م ۹۸۰ھ)

دربار اکبری کے پہلے ملک الشعراء تھے۔ پہلے آپ شاہ تہماسپ صفوی کے دربار میں رہے۔ وہاں سے جنوب ہند کے درباروں کا رخ کیا اور آخرکار اکبر کے ہاں آئے ۔ احمد آباد گجرات کے ایک ہنگامے میں آپ قتل ہوگئے، اور اکبر کے حکم کے مطابق پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیے گئے تھے۔ ان کا ضخیم دیوان اور مثنویاں ابھی چھپی نہیں البتہ ان کے کلام کے متعدد مخطوطات برصغیر اور ایران کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اقبال کے ہاں ان کا ذکر ان شعراء کے زمرے میں ملتا ہے، جن کا کلام مطالعہ کرنے اور جن کی تراکیب سے ذوق فارسی کو نکھارنے کی انھوں نے سفارش کی ہے ۔ شاکر صدیقی کو اپنے مکتوب مؤرخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں آپ نے لکھا تھا کہ اگرچہ الفاظ کا انتخاب اور ترکیب سازی ، فارسی زبان کے علم، ذاتی استعداد اور ذوق پر مبنی ہے مگر اس ضمن میں غزالی مشہدی ، عرفی ، نظیری ، طالب آملی ، مرزا جلال اسیر ، میرزا صائب اور مرزا بیدل کے کلام کا مطالعہ سود مند ہے ۔ ان کی مزاولت سے مذاق صحیح خود بخود پیدا ہوگا اور زبان کے محاورات سے بھی واقفیت ہوگی[۵۹] ۔

۲- انیسی شاملو (م برہانپور ہند ۱۰۴۰ھ)

نام یول قلی بیگ تھا ۔ پہلے دربار خانخاناں اور پھر اکبر کی فوجوں کو تنخواہ دینے کے کام سے متعلق رہے ، مگر شعر بھی کہتے

---

۵۹ - اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۴-۱۱۵ -

تھے ۔ نظیری نیشاپوری نے ان کی وفات پر ایک درد ناک مرثیہ لکھا تھا ۔ اقبال نے بانگ درا کی ایک نظم[۶۰] میں ان کا ایک شعر تضمین کیا ۔ وہ شاعر کی ایک غزل کا مطلع ہے :

وفا آموختی از ما ، بکار دیگران کردی
ربودی گوھری از ما ، نثار دیگران کردی

۳۔ مولانا حکیم زلالی خوانساری (م ۱۰۲۴ھ)

آپ شاہ عباس کبیر صفوی کے دربار کے ملک الشعراء تھے ۔ ان کا سبعہ یعنی سات مثنویاں : آذر و سمندر ، حسن گلو سوز، ذرہ و خورشید، شعلۂ دیدار ، سلیمان نامہ ، میخانہ اور محمود و ایاز معروف ہے ، خصوصاً مثنوی محمود و ایاز ۔ اقبال نے 'گل نالہ' پر سند کی خاطر ان کا ایک شعر نقل کیا[۶۱] جس میں 'گلبرگ نالہ' استعمال ہوا ہے :

چنگی تبار نغمۂ قانون شیر زن
گلبرگ نالۂ بگریبان دل فشان

۴۔ ملا محمد ملک قمی (م ۱۰۲۴ھ)

ملک قمی جوانی کے دوران ۹۸۷ھ میں جنوب ہند ، احمد نگر ، آئے ۔ وہاں مرتضیٰ نظام، نظام شاہ اول نے قدردانی کی ۔ بعد میں آپ بیجا پور گئے اور وہاں ابراہیم عادل شاہ کی فیاضیوں سے بہرہ مند ہوئے ۔ ظہوری جو انھیں احمد نگر میں ملا تھا ، یہاں ۱۰۰۴ھ میں ان کا داماد بنا ۔ ابراہیم عادل شاہ نے انھیں ملک الکلام کا لقب دے

---

۶۰ ۔ بانگ درا حصہ سوم ۔
۶۱ ۔ اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۴۷۵ ۔

رکھا تھا ۔ ملک قمی حیدرآباد دکن میں فوت ہوئے تھے ۔ اقبال نے ان کے درج ذیل شعر کو بانگ درا حصہ سوم میں تضمین کیا :

رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہان شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

مثنوی رموز بیخودی میں اقبال نے اس شعر کی طرف دوبارہ اشارہ کیا اور شاعر کو داد دی ہے ۔ (یاد رہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی منتخب التواریخ جلد سوم میں ملک قمی اور اس کے اس شعر کی تعریف کی ہے) :

خوش نوائی نغمہ ساز قم زد است
زخمۂ معنی بر ابریشم زد است
تا کشد خار از کف پارہ سپر
می شود پوشیدہ محمل از نظر
گر بقدر یک نفس غافل شدی
دور صد فرسنگ از منزل شدی

۵۔ ملا محمد نورالدین ظہوری قائنی ترشیزی (۱۰۲۵ھ)

ظہوری قائن (ترشیز) میں پیدا ہوئے ۔ جوانی میں شیراز اور یزد کے سفر کیے اور ۹۸۸ھ میں احمد نگر آ گئے ۔ یہاں اور بیجا پور میں وہ ملک قمی کے ساتھ رہے ۔ انھوں نے حج بھی کیا تھا ۔ قادر کلام شاعر تھے ۔ ان کا دیوان ، مثنویاں ، رسائل ، مکتوبات واقعات اور ساقی نامہ چھپ چکے مگر ان کی حقیقی شہرت کا مدار ان کے رسالہ سہ نثر اور ساقی نامہ پر ہے ۔ سہ نثر دراصل ظہوری کے تین دیباچے ہیں جو انھوں نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے رسالہ 'نورس در فن

موسیقی' اور اپنے اور ملک قمی کے مشترک مجموعہ ہائے کلام 'گلزار ابراہیم' اور 'خوان خلیل' پر لکھے اور نثر فنی کا کمال دکھا دیا ۔ ان کا ساقی نامہ ، فارسی کے ساقی ناموں کا سرتاج اور شاہکار ہے اور اس کے کوئی ساڑھے چار ہزار ابیات ہیں[۶۲]۔ اقبال نے ایک خط[۶۳] میں کور ذوق ، کی سند کی خاطر ظہوری کا ایک شعر نقل کیا اور ایک دوسرے خط[۶۴] میں ظہوری کے دو اشعار کے کمزور قوافی کی طرف اس خاطر توجہ لائی کہ اہل زبان شاعر بھی ایسا کہتے رہے ہیں - یہ تینوں اشعار بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں :

چہ غم زین عروس سخن را بتر
کہ بر کور ذوقان شود جلوہ گر
گل شوقم از آب و گل بر دمد
برقاصی از سینۂ دل جہد
چو از چشم جادو بجادو رود
باعجاز پہلو بہ پہلو زند

مگر اہم تر بات یہ ہے کہ مثنوی اسرار خودی کی تمہید میں اقبال نے ساقی نامۂ ظہوری سے اثر پذیر ہونے کا اعتراف[۶۵] فرمایا ہے - یہی نہیں بلکہ اقبال کے فارسی اور اردو ساقی ناموں پر بھی ظہوری کے ساقی نامے کے اثرات نظر آتے ہیں - یہاں ہم پہلے ظہوری کے ساقی

---

۶۲ - میخانہ از ملا عبدالغنی فخرالزمانی قزوینی -
۶۳ - اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۸۶ ، ۹۶ -
۶۴ - ایضاً -
۶۵ - ایضاً - مکاتیب بنام سید سلیمان ندوی - یاد رہے کہ اقبال نے دوران طالب علمی تصانیف ظہوری پڑھی تھیں - دیکھیے شعر اقبال صفحہ ۶۵ -

نامہ کے چند اشعار نقل کرتے ہیں ، اور اس کے بعد تمہید اسرار خودی ، اور اقبال کے فارسی اور اردو ساقی ناموں کے چند اشعار :

ظہوری :

ثنا میکنم ایزد پاک را
ثریا دہ طارم تاک را

کہ خورشید را صورت جام ازوست
شراب شفق در خم شام ازوست

بیا ساقی ای باز خاطر شکار
کہ خونی است چنگ عقاب خمار

بدہ تا درین دامگاہ مجاز
ز گنجشک من وا خورد شاہباز

سرت گردم ای ساقی نازنین
منہ یک نفس جام می بر زمین

بقا بخش ہمچون زلال سخن
ہمہ منفعت چون شراب کہن

کہ سازم بسرمایہ سوز آن
نہانِ نہان را عیانِ عیان

سرت گردم ای مطرب خوبروی
کہ مرغولہ خوانی و مرغولہ سوی

بیا ساقی ، ای دین و ایمان من
فدایت دل و جانِ من، جان من

فرو ریز در ساغر آب رز
مگو آب رز ، آتش خام پز

بمغزم رسان شعلهٔ جام را
کرم کن ، بجوشان من خام را
بده ساقی آن بادهٔ عقل و هوش
که مغز سخن را در آرم بجوش
بیا ساقی آن آتش تر بیار
لب عیش خشکست ، ساغر بیار
سخن را کنم صاحب اعتبار
ز مداحی صاحب روزگار . . .

اقبال : "ساقیا بر خیز و می در جام کن"[۶۶]
محو از دل کاوش ایام کن
شعلهٔ آبی که اصلش زمزم است
گر گدا باشد پرستارش جم است
خیز و در جامم شراب ناب ریز
بر شب اندیشه ام مهتاب ریز
تا سوی منزل کشم آواره را
ذوق بیتابی دهم نظاره را
قیمت جنس سخن بالا کنم
آب چشم خویش در کالا کنم

خوشا روزگاری ، خوشا نو بهاری
نجوم پرن است از شاخساری

---

۶۶ - مصرع از رومی -

سرت گردم ای ساقی ماہ سیما
بیار از نیاکانِ ما یادگاری
بہ ساغر آبی کہ جان را
فروزد چو نوری ، بسوزد چو ناری
شقایق برویان ز خاک نثرندم
بہشتی فرو چین بمشت غباری
لب جو خود آرائی غنچہ دیدی ؟
چہ زیبا نگاری ، چہ آئینہ داری

ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار
وہ جوئے کہستان اچکتی ہوئی
اٹکتی ، اچکتی ، سرکتی ہوئی
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل روز روز
اٹھا ساقیا پردہ اس ساز سے
لڑا دے ممولے کو شاہباز سے
شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا
مری خاک جگنو بنا کر اڑا

اس امر کے بیان کی چنداں ضرورت نہ تھی تاہم لکھ دیں کہ ظاہری تشابہ کے باوجود ، کلامِ اقبال ، ظہوری کے معنوی اثرات سے منزہ و عاری ہے ۔

۶- محمد طالب آملی (م ۱۰۳۶ھ)

طالب ، آمل (نواح مازندراں) کے رہنے والے تھے ۔ تلاش معاش میں جہانگیر کے دربار میں آئے اور ۱۰۲۸ھ میں ملک الشعراء بنائے گئے ۔ انھوں نے بیشتر اشعار برصغیر کے قیام کے دوران کہے ہیں ۔ کرنل خواجہ عبدالرشید نے ۱۹۶۵ء میں کراچی سے 'تذکرہ طالب آملی' شائع کیا تھا ۔ حال ہی میں استاد طاہری شہاب مرحوم کے اہتمام سے طالب کا ضخیم دیوان تہران میں چھپا ہے ۔

اقبال کے ہاں طالب کا صرف ایک مصرع تضمین شدہ ملتا ہے۔ یہ ضرب کلیم کے ان انتسابی اشعار میں ہے جن کا خطاب نواب سر حمیداللہ خان مرحوم ، فرمانروائے بھوپال سے ہے:

زمانہ با اسم ایشیا چہ کرد و کند
کسی نہ بود کہ این داستان فرو خواند
تو صاحب نظری، آنچہ در ضمیر من است
دل تو بیند و اندیشۂ تو میداند
بگیر این ہمہ سرمایۂ بہار از من
'کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند،

شاہنشاہ جہانگیر نے 'توزک جہانگیری' میں طالب کے جن اشعار کی داد دی ہے ، ان میں وہ شعر بھی شامل ہے جس کا مصرع اقبال

نے نقل کیا ہے ۔ مناسب نظر آتا ہے کہ ہم اس غزل کے چند اشعار یہاں نقل کر دیں :

ز گریہ شام و سحر دیدہ چند در ماند
دعا کنید کہ نی شام و نی سحر ماند
بغارت چمنت سر بہار منتہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
دو زلف یار بہم آنقدر نمی ماند
کہ روز ما و شب ما بیکدگر ماند
نہادہ ام جگر داغ عشق و میترسم
جگر نماند و این داغ بر جگر ماند
ز شہد خامۂ طالب[۶۷] چولب کنم شیرین
در ہفتہ در دہنم طعم نیشکر ماند

میرزا جلال اسیر اصفہانی (م ۱۰۴۰ھ)

وہ ایک حسن پرست اور تغزل کے دلدادہ شاعر تھے ۔ ان کے کلام کا اثر مرزا غالب کے ابتدائی کلام پر بھی ہے[۶۸] ۔ اقبال کے ہاں ان کا ذکر محض سفارشی نوعیت کا ہے (دیکھیے اوپر غزالی مشہدی کا ذکر) ۔ یہاں ہم جلال اسیر کے دو شعر بغرض نمونہ نقل کرتے ہیں:

نمی گنجد بمحشر فوج عصیانی کہ من دارم
اجل شرمندگیہا دارد از جانی کہ من دارم
مرا درد تو می سازد بہ آئینی کہ می باید
بسوزد روزگار از درد پنہانی کہ من دارم

---

۶۷ - کلیات طالب آملی غزل شمارہ ۶۱۹ -
۶۸ - غالب (ابتدائی دور) ملاحظہ ہو -

۸- حاج جان محمد قدسی مشہدی (م لاہور ۱۰۵۶ھ)

قدسی دربار شاہجہانی کے شاعر تھے اور سب اصناف شاعری میں طبع آزمائی کرتے رہے - ان کی ایک نعت ، جس کا بیت اولیٰ درج ذیل ہے ، بہت معروف رہی ہے :

مرحبا ، سید مکی ، مدنی العربی
دل وجان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اقبال نے اپنی معروف ابتدائی دور کی نظم 'فریاد امت'[۶۹] میں جو مارچ ۱۹۰۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے ایک اجلاس میں پڑھی گئی مندرجہ بالا بیت کو تضمین کیا تھا - البتہ 'مرحبا' کی جگہ 'المدد' کا تصرف نظر آتا ہے -

۹- حاج میر سید رضی دانش رضوی مشہدی (م ۱۰۷۶ھ)

عہد شاہجہان میں مشہد سے برصغیر آئے - کئی سال حیدرآباد دکن اور بنگال میں رہے اور بعد میں شاہجہان اور شاہزادہ دارا شکوہ کے درباروں سے منسوب ہوئے - قادر کلام شاعر تھے اور خصوصی انعامات سے نوازے جاتے رہے - رضی ۱۰۷۲ھ میں بعہد اورنگ زیب اپنے وطن لوٹ آئے تھے - نمونۂ کلام یہ ہے :

دل از حسن جوانی داشت آرامی ندانستم
کہ این یوسف چو پیری کہنہ گرگی در کمین دارد

صبح دیدم شبنمی بر برگِ گل ، غلطان بناز
یادم آمد طفلی و دامانِ مادر ، سوختم

---

۶۹ - باقیات اقبال صفحہ ۱۴۷ -

سوختیم و جوہر ما بر کسی ظاہر نشد
چون چراغان شب مہتاب ، بیجا سوختیم
کعبہ را دیدم ، دلم از درد تنہائی گداخت
مجلس آرای کہ ما را خواند ، خود مہمان کیست
تاک را سیراب کن ، ای ابر نیسان در بہار
قطرہ تا می میتواند شد ، چرا گوہر شود

اقبال نے ان کے ذیل کے متعدد اشعار کو اپنے کلام اور تحریروں میں تضمین و نقل کیا ہے :

شمع خود را[۷۰] می گدازد درمیان انجمن
نور ما چون آتش سنگ از نظر پنہان خوش است

سروش مطلع میر رضی بیادم داد
چہ مطلعی کہ سراپا نوای الہام است
نمک شناس[۷۱] اسیران چو از قفس رستند
بہ نخل خانۂ صیاد ، آشیان بستند

می خور[۷۲] چندانکہ نشناسد ز گل ، گلچین ترا
پاسبان حسن پاک خویشتن بودن خوش است
[۷۳]ز ساق بادہ می گیرم بپای تاک می ریزم
ندارم فکر خود ، میخانہ را آباد می سازم

۱۰- ملا فرج‌اللہ فرج ترشیزی (قرن یازدہم ہجری کا شاعر)

فرج معروف شاعر تھے ۔ صائب تبریزی کے احباب میں شامل

---

۷۰ - بانگ درا حصہ سوم ۔
۷۱ - باقیات اقبال صفحہ ۲۴۲ ۔
۷۲ - مقالات اقبال صفحہ ۲۱ ۔
۷۳ - صحیفہ اقبال نمبر جلد اول صفحہ ۱۳۹ ۔

تھے ۔ ذکر ترشیز میں صائب کا ایک شعر ہے :

همین ز خاک ، فرج کامران نشد صائب
که فیض‌هم به ظهوری ازین جناب رسید

فرج ، عبداللہ قطب شاہ قطب شاہی (۱۰۳۵ - ۱۰۸۴ھ) کے دربار کے شاعر تھے ۔ مرزا صائب کی بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۸۵ھ میں وہ حیات تھے[۷۴] اور اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے متجاوز تھی ۔ اقبال نے ان کی ایک غزل کا مطلع یا فرد 'پیام مشرق' میں تضمین کیا ہے ۔ یہ شعر تمام معتبر تذکروں میں فرج سے منسوب[۷۵] ملتا اور بظاہر ان کی کسی غزل کا مطلع ہے :

مغان که دانهٔ انگور آب می سازند
ستاره می شکنند ، آفتاب می سازند

۱۱- عزت بخاری ، شیخ عبدالعزیز (م ۱۰۸۹ھ)

آپ نے ابتدائی زندگی ، بخارا اور ہرات (خراسان) میں بسر کی اور جوانی میں بعہد شاہجہان برصغیر تشریف لائے ۔ اورنگ زیب عالمگیر نے شاہزادگی کے زمانے میں ان سے شعر و ادب کا درس لیا تھا[۷۶] ۔ ان کے اشعار کتب تذکرہ میں ملتے ہیں۔ بظاہر ان ہی کا ایک لازوال نعتیہ شعر ہے جسے اقبال نے ارمغان حجاز کے حصہ رسالت مآب ؐ میں سرعنوان بنایا ہے :

ادبگاهی است زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کرده می‌آید جنید ؒ و بایزید ؒ اینجا

---

۷۴ - ماہنامہ ارمغان شمارہ ۶ ، سال ۱۳ ، صفحہ ۹۴-۹۵ -
۷۵ - مثلاً تذکرہ نصر آبادی اور سرو آزاد میں -
۷۶ - تذکرۃ الشعراء فرخ آبادی -

۱۲/۱۳- ملا حسین معمائی گیلانی اور ملا احمد فوقی یزدی -

دونوں گیارھویں صدی ہجری کے اوسط درجے کے شاعر تھے - مقدم الذکر معماگو تھا اور ثانی الذکر ھزل نویس[۷۷] - اقبال نے غالباً 'بہارعجم' کی رو سے بعض استنادات[۷۸] کی خاطر ملا حسین کے دو اور فوقی کا ایک شعر بترتیبِ ذیل نقل کیا ہے :

نی در طاب سمور و نی اطلس باش
در دیدۂ اعتبار خار و خس باش
خواھی کہ سری بیرون کنی از منزل
چون جادۂ پامال، کس و ناکس باش

توان صوف سخن را ساخت معلم
کہ پشم خایہ اش نبود بریشم

۱۴- مومن استر آبادی ، میر محمد (م ۱۰۴۳ھ)

قطب شاہیوں کے دربار سے منسلک رہا اور محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ - ۱۰۳۵ھ) کی مدح میں زور دار اشعار کہے ہیں - اقبال نے اپنے ایک مکتوب مؤرخہ ۱۴ جولائی ۱۹۰۵ء بنام مہاراجہ کشن پرشاد میں اس کے ایک شعر کی داد یوں دی ہے :

"... کل سے مومن استر آبادی کا یہ شعر پڑھ رہا ہوں - یقین جانیے کہ سینکڑوں دفعہ پڑھ چکا ہوں[۷۹] ..."

---

۷۷ - دیکھیے ان کے معاصر تذکرے -
۷۸ - اقبال نامہ جلد ۱ -
۷۹ - صحیفہ اقبال نمبر جلد ۱ صفحہ ۱۴۸ -

ای کہ گوئی عشق را درمانِ ہجران کردہ اند
کاش می گفتی کہ ہجران را چہ درمان کردہ اند . . ."

۱۵/۱۶- ملا طغرا اور ملا راقم

دونوں مشہدی تھے اور دونوں کا سال وفات ۱۱۰۰ھ ہے - اول الذکر انشا پرداز بھی تھے - اشعار میں دونوں درجہ دوم میں رکھے جا سکتے ہیں -[۸۰] طغرا کا نام علی ابراھیم تھا اور راقم کا مرزا محمد سعید الدین - دونوں تلاشِ معاش میں ھند آئے اور شاہجہان اور اورنگ زیب کے امراء کی مدح لکھتے رہے- اقبال نے بعض استنادات[۸۱] کی خاطر ان کے اشعار بظاہر لغت 'بہار عجم' سے نقل کیے ہیں :

کور ذوقان ز فیض تربیتت
چون مسیحا مزاجدان سخن
نیم من در شہار بلبلان اما باین شادم
کہ من ہم در گلستان قفس، مشتِ پری دارم

۱۷- مخلص کاشی (کاشانی ، بارھویں صدی ہجری کا شاعر)

آپ مدتوں شیخ حزین لاہیجی کے ہمدم و ہم صحبت رہے.[۸۲] ان کے دیوان میں کوئی ۲ ہزار شعر ملتے ہیں. اقبال کے ہاں لغوی سند کی خاطر[۸۳] ان کے اشعار نقل شدہ ملتے ہیں :

تماشا دارد ای مہ با تو سیر گلستان کردن
کہ از شرم رخت ہرگل بچندین رنگ خواھد شد

---

۸۰ - تذکرہ نصرآبادی -
۸۱ - اقبال نامہ جلد ۱ -
۸۲ - سرو آزاد اور نتائج الافکار -
۸۳ -اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۹۲ ، مقالات اقبال صفحہ ۳۷ -

مپرس از آب و گل کوہسارش
ہزاران دشتِ لالہ داغدارش

۱۸- ناصر علی سرہندی (م ۱۱۰۸ھ)

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی کے خلیفہ اور خلف الصدق شیخ محمد معصوم سرہندی کے مرید تھے۔ سبک ہندی کے خاص نمائندہ ہیں۔ اقبال کے ہاں ان کا کلام مطالعہ کرنے کی سفارش ہے، نیز ان کے دو اشعار کے نقل و اقتباس ملتے ہیں۔ پہلا شعر "از پیمانہ رنگین کردن" محاورہ کی سند کی خاطر[۸۴] ہے، اور یہ شعر ناصر علی کی اس غزل سے ماخوذ ہے جو حافظ کی پیروی میں ہے:

نہ ہفتاد و دو ملت گردش چشم تو می سازد
بیک پیمانہ رنگین کردۂ یک شہر محفلہا

ذیل کا شعر اقبال کے انگریزی خطبات[۸۵] میں ملتا ہے۔ مطالعۂ حیات پر ایک معنی خیز شعر کی اقبال نے داد دی ہے:

مرا بر صورت خویش آفریدی
برون از خویشتن آخرچہ دیدی؟

ناصر علی کا منتخب دیوان بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں مطبع نولکشور لکھنؤ کے ذریعے شائع ہوا تھا۔ ایرانی اس کے نبوغ کو قبول نہیں کرتے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد رضا شفیعی کدکنی البتہ اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

"در دیوان او نیز نمی توان غزل یک دست ہموار کہ تمام

---

۸۴ - اقبال نامہ جلد ۱ صفحہ ۹۲ -
۸۵ - خطبہ دوم -

ابیات آن لطیف و بی نقص باشد ، یافت اما تک بیت های بسیار دلکش که از نوعی غرابت و لطف شعری برخوردار است ، در دیوان او فراوان می توان یافت ۔ ۔ ۔"[۸۶]

۱۹۔ جویا تبریزی کشمیری ، مرزا داراب بیگ (م ۱۱۱۸ھ)

مولد و مدفن کشمیر ہے اور تبریز سے آبائی نسبت ۔ ان کا کلیات چھپ چکا ہے۔ اقبال کے ہاں ان کا ذکر نہیں ملتا مگر از روئے قیاس ایسا نظر آتا ہے کہ علامہ اقبال کی نظم 'لا الہ الا اللہ' مشمولہ ضرب کلیم ، جویا کی ایک حمدیہ نظم سے اثر پذیر ہے ۔ ہمارا مقصد صوری اثر کا ہے وگرنہ علامہ مرحوم کی یہ نظم ، معنوی اعتبار سے شاید جہانِ اسلام کی شاعری میں بے نظیر قرار پائے ۔ ایک تقابلی انتخاب دیکھ لیں اور اس کے بعد علامہ اقبال کی ایک نظم :

جویا : مرا چہ حد ثنا ، لا الہ الا اللہ
کجا من و تو کجا ، لا الہ الا اللہ
توئی کہ ذکر ملائک ز شوق بندگیت
بود صباح و مسا ، لا الہ الا اللہ
شفا دھندۂ امراض مزمن کفر است
ز فیض نام خدا ، لا الہ الا اللہ
بروی صفحہ گیتی بیاد گار بماند
ز خواجہ ہر دو سراؐ ، لا الہ الا اللہ
ہزار شکر کہ دائم گل سر شاخ است
زبان حمد مرا لا الہ الا اللہ

---

۸۶ - ماہنامہ ہنر و مردم، ماہ اردی بہشت ۱۳۴۸ ش ، تہران صفحہ ۳۴ - ۵۸

مرا زهول قیامت چه غم که خواهدبود
انیس روز جزا لا الہ الا اللہ
هزار[۸۷] شکر که راه نجات را جویا
شده است هادی ما ، لا الہ الا اللہ

اقبال : خودی کا سر نہاں ، لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں ، لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنمکدہ ہے جہاں ، لا الہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
فریب سود و زیاں ، لا الہ الا اللہ
یہ مال ودولت دنیا ، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں ، لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں ، لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں ، لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں ، لا الہ الا اللہ

یہاں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ جویا کی اس نظم کی طرف مجھے پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے ایک گفتگو کے دوران توجہ دلائی تھی ۔

---

۸۷ - کلیات جویا تبریزی صفحہ ۱ تا ۳ ۔

۲۰- مرزا محسن تاثیر تبریزی اصفہانی (م ۱۱۳۱ھ)

مرزا شعر میں تاثیر اور محسن دو تخلص رکھتے تھے - اصفہان میں پیدا ہوئے اور تبریز سے آبائی نسبت رکھتے تھے - صائب تبریزی کے دوست تھے - کہتے ہیں :

صائب شیرین سخن در شعر مستثنی بود
ورنہ تاثیر از کہ در ایجاد معنی کمتر است
جواب آن غزل صائب است این تاثیر
کہ ہمچو نامۂ سربستہ است ہر سخنش

شاہ سلطان حسین صفوی نے ذیل کے شعر تاثیر اور صائب کی ایک ساتھ تعریف کی ہے :

صادق نبض سخن در ہمہ عالم نیست
بجز از صائب و تاثیر کہ از تبریزند

محسن تاثیر با اثر شخص تھے - ۵۳ برس تک صفویوں کے خدمتگزار رہے - مدتوں یزد میں وزیر بھی رہے تھے - صائب کی وفات کے بعد، وہ دربار صفویہ کے سب سے بڑے شاعر مانے جاتے تھے - وہ ترکی میں بھی شعر کہتے تھے - ان کا دیوان اور مثنویاں ابھی مخطوطوں کی صورت میں ہیں - افغانوں کے اصفہان پر حملے کے وقت قتل ہو گئے تھے - "آہ از تاثیر، آہ" سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے -[۸۸]

اقبال کے ہاں محسن تاثیر کا ایک ہی شعر منقول ملتا ہے، مگر وہ بغایت درجہ اہم ہے - مثنوی اسرار خودی کی اشاعت اول والے

---

۸۸ - مجلہ دانشکدہ ادبیات تبریزی شمارہ ۱، سال ۱، اور ماہنامہ ارمغان شمارہ ۳ سال ۱۲ صفحہ ۱۶۱-۱۷۶ -

اردو دیباچے میں آپ نے اسے نقل کیا اور اس سے خودی بمعنی خود شناسی و عرفان ذات کا استناد کیا ۔ شعر میں بظاہر خودی ، خود یعنی اپنے معانی میں ہے ، اور اس سے بھی علامہ اقبال کا مدعا ظاہر ہو جاتا ہے :

غریق قلزم وحدت دم از خودی نزند
بود محال کشیدن میانِ آب ، نفس

ایک خط میں[۸۹] اقبال نے اس شعر کے بارے میں بحث بھی فرمائی ہے۔

۲۱- مخلص سیالکوٹی ، انند رام سودھری (م ۱۱۶۴ھ)

مخلص ، بیدل اور آرزو اکبر آبادی کے تلامیذ میں شامل تھے۔ اقبال نے اپنے ایک مقالہ 'قومی زندگی'[۹۰] میں ان کا درج زیر شعر نقل کیا ہے :

نیست جرأت بعرض حال مرا
گلہ بندم ز بی زبانیہا

۲۲- حزین لاہیجی اصفہانی ، شیخ محمد علی (م ۱۱۸۱ھ)

حزین آخری نامور ایرانی شاعر ہیں جو برصغیر میں آئے اور تا دم مرگ یہیں رہے ۔ ان کا مزار بنارس میں ہے۔ ان کا تذکرہ ، تاریخ اور دیوان سب چھپ چکے ۔ برصغیر کے شعراء اور ادبا کے بارے میں انھوں نے بڑا تعصب دکھایا اور یہاں کے لوگوں کے لہجے اور سبک ہندی کا انھوں نے استہزا کیا ہے ۔

اقبال نے 'مثنوی اسرار خودی' کی اشاعتِ اول والے اردو دیباچے

---

۸۹ - صحیفہ ، اقبال نمبر جلد ۱ صفحہ ۱۷۳ -
۹۰ - مقالات اقبال صفحہ ۵۵ -

میں حزین کے معروف قول 'تصوف برای شعر گفتن خوب است' پر انتقاد کیا ہے۔ ان کے نزدیک تصوف ایک حقیقت رہی ہے خواہ اس کا اب احیاء نہ بھی ہو سکے۔ ایک مقالے[۹۱] میں اقبال نے ناقوس بمعنی صدائے ناقوس (آلہ بمعنی صدائے آلہ) کے استشہاد کی خاطر حزین کے ذیل کے شعر کو نقل کیا ہے :

سر کافر شدن داریم کو بتخانۂ عشقی
کہ ناقوسش بجای نغمہ یا ھی شود ما را[۹۱ا]

۲۳۔ راسخ سرھندی ، میر محمد زمان (م ۱۱۰۷ھ)

سبک ھندی کے معروف شاعر تھے۔ شاھزادہ محمد اعظم کے مصاحبین اور درباری شعراء میں سے تھے۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد نے ان کی ایک مثنوی[۹۲] شائع کی ، تو اقبال نے اس کی بے حد تعریف کی اور فرمایا :

"راسخ کا ہر شعر نشتر ہے۔ میں ایک عرصے سے اس مثنوی کی

---

۹۱ - ایضاً صفحہ ۳۵ -
۹۱ (الف) - اقبال کے ہاں زبور عجم کا ابتدائیہ بظاہر حزین کے تحت تاثیر ہے۔ آغازی اشعار یوں ہیں :

حزین : می گرفتیم بجانان سر راہی گاہی
او ھم از لطف نہان داشت نگاہی گاہی
اقبال : می شود پردۂ چشمم پر کاہی گاہی
دیدہ ام ہر دو جہان را بنگاہی گاہی

اقبال کا آخری و حزین کی غزل کا تیسرا شعر بھی بالترتیب ملاحظہ ہو :

در طلب کوش و مدہ دامن امید ز دست
دولتی ہست کہ یابی سر راہی گاہی
این گران آمدہ باشد بدل نازک او
می شود بار بخاطر پر کاہی گاہی

۹۲ - صحیفہ اقبال نمبر جلد اول صفحہ ۱۶۵-۱۶۹ -

تعریف سنتا تھا . . . مثنوی شائع کرکے آپ نے ہندوستان کے فارسی لٹریچر پر بڑا احسان کیا ہے . . .“[۹۳]

۲۴- حضرت مرزا مظہر جانجاناں (م ۱۱۹۵ھ)

مظہر نے اردو اور فارسی میں تھوڑے مگر مؤثر اور منتخب شعر کہے ہیں ۔ وہ صاحب دل شاعر تھے ۔ اقبال کے ہاں ان کا مندرجہ ذیل شعر ارمغان حجاز (حصہ اردو) میں تضمین شدہ ملتا ہے :

صدای تیشہ کہ بر سنگ میخورد دگر است
خبر بگیر کہ آواز تیشہ و جگر است

کتاب کے حاشیے میں ہے :

”صدای تیشہ الخ ۔ یہ شعر مرزا جانجاناں مظہر علیہ الرحمۃ کی مشہور بیاض خریطۂ جواہر میں ہے ۔“

بیاضِ مذکور اب چھپ[۹۴] چکی ہے ، اور اقبال کا نقل کردہ شعر اسی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے ۔

---

۹۳ - ایضاً صفحہ ۱۶۵ -
۹۴ - دیوان و خریطہ جواہر مظہر طبع لاہور صفحہ ۱۳۱ -

متفرقات

الف - ادبی احیاء کے دور کے ایرانی شعراء

ب - برصغیر کے چند معاصر فارسی شعراء

(ا) ادبی احیاء کے دور کے ایرانی شعراء :

فارسی ادب کا احیاء ، نئی ادبی تحریک یا دورۂ بازگشت ادبی وغیرہ اس تحریک کے نام ہیں جو بارہویں صدی ہجری میں اصفہان میں شروع ہو کر مختصر مدت میں ایران گیر ہوگئی۔ اس تحریک کا مقصد شعر کی صوری اور معنوی اصلاح تھی ۔ قاچاری عہد بالعموم ادبی فضا کے لحاظ سے اہم تھا اور اہلِ بصیرت شعراء کی کوشش تھی کہ اصفہان یا ہندی سبک کے گورکھ دھندوں سے نجات حاصل کی جائے اور خراسانی و عراقی سبوک کی طرف رجوع کیا جائے۔ جیسا کہ استاد ملک الشعراء بہار نے 'سبک شناسی' اور استاد دکتر محمد جعفر محجوب نے 'سبک خراسانی در شعر فارسی' کے مقدموں میں لکھا ہے ، میرزا محمد اصفہانی ، عاشق اصفہانی ، میر محمد شعلہ ، رفیق اصفہانی ، لطف اللہ آذر ، ہاتف اصفہانی اور میر سید علی مشتاق

اصفہانی وغیرہم ایسے اساتذہ شعراء نے ایک ادبی انجمن کی تشکیل کی اور سادہ و روان شاعری کی خاطر صلائے عام دینے لگے۔ میر سید علی مشتاق (م ۱۱۷۱ھ) اس گروہ کے ممتاز ترین فرد تھے اور ان ہی کے نام پر اس اصلاحی انجمن کا نام، 'انجمن ادبی مشتاق' رکھا گیا تھا۔ ان حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں قصائد سبک خراسانی میں کہے جانے لگے اور غزلیں وغیرہ سبک عراق میں۔ اس کے باوجود اس دور سے تا امروز شعراء کا سبکِ شعر، خاصا متنوع رہا اور اس میں قدیم و جدید سبوک کے عناصر دیکھے جا سکتے ہیں۔ بہرصورت، عصرِ اصلاح ادب کے چار ایرانی شعراء آذر، نشاط، طاہرہ اور قاآنی اقبال کے ہاں مذکور ہیں اور آئندہ سطور میں اقبال سے رابطے کی روشنی میں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ لطف اللہ بیگ آذر اصفہانی (م ۹۵ ؛ ھ) صاحب تذکرۂ آتش کدہ:

ایک معروف مصنف ہونے کے علاوہ آپ شاعر بھی تھے۔ علامہ اقبال کے ہاں ان کا ایک مصرع تضمین شدہ ملتا ہے۔ ارمغان حجاز کی ایک دو بیتی (حصہ حضورِ ملت، نمبر ۹) کے مصرع چہارم کے بارے میں حاشیے میں لکھا ہوا ہے، "یہ مصرع غالباً لطف اللہ آذر کا ہے"[1]:

دل اندر سینہ گوید دلبری ہست
متاعی آفرین، غارت گری ہست
بگوشم آمد از گردون دم مرگ
'شکوفہ چون فرو ریزد، بری ہست'

۱ - ارمغان حجاز۔

۲- میر سید عبدالوہاب نشاط اصفہانی (م ۱۲۴۴ھ)

نشاط بڑے فاضل شخص اور انجمن اصلاح شعر کے ایک سرگرم رکن تھے۔ گو مزاجاً درویش تھے ، مگر ان کی قابلیت کا شہرہ سن کر سلطان فتح علی شاہ قاچار نے انھیں تہران بلوایا اور دیوان انشاء کی سرپرستی ان کے حوالے کی۔ کچھ عرصے بعد وہ اس کام سے مستعفی ہوگئے تھے۔ نشاط ، شعر میں بالالتزام سعدی و حافظ کی تقلید کرتے تھے۔ آپ کی نثر و نظم کے مجموعے کا عنوان 'گنجینہ' ہے۔ اقبال نے اپنے مقالہ 'اردو زبان پنجاب میں'[۲] بعض استنادات کی غرض سے اس 'استاد زمانِ حال' کے دو شعر نقل کیے ہیں :

یا کہ گوئی از بلای زاهدان جان برده ام
نیم جانی بر در پیر مغان آورده ام
بندگان را قابل خدمت نبودم خویش را
با هزار امید در سلک سگان آورده ام

۳- قرۃ العین طاہرہ بابیہ (م ۱۲۶۴ھ)

نام فاطمہ تھا اور القاب ام سلمیٰ اور زرین تاج ، مگر علی محمد 'باب' شیرازی کا دیا ہوا لقب 'قرۃ العین' دوسرے القاب پر چھا گیا۔ طاہرہ اس کا تخلص تھا۔ پیروان باب اسے بدر الدجیٰ اور شمس الضحیٰ بھی کہتے رہے۔ بہائی مذہب کے بانی بہاء اللہ نے اسے 'صدیقہ' کا لقب بھی دیا ہے۔

طاہرہ کے والد کا نام ملا محمد صالح تھا۔ اس کا مولد قزوین تھا۔ اس کی شادی اپنے عم زاد ملا محمد سے ہوئی تھی مگر ازدواجی

---

۲ - مقالات اقبال صفحہ ۲۷ -

زندگی ناکام رہی - طاہرہ کی بیشتر زندگی والد کے ہاں بسر ہوتی رہی ، اور اسی دوران وہ علی محمد شیرازی کی 'بابی' دعوت سے متاثر ہوئی - طاہرہ نجف اشرف گئی اور چار سال تک وہاں دینی تجدد اور 'بابیت' کی دعوت دیتی رہی - اس نے 'مظہر فاطمۃ الزہرا' ہونے کا بھی دعویٰ کیا تھا - واپس قزوین آ کر اس نے شوہر سے طلاق لے لی اور اپنے خاندان اور دوسرے لوگوں کی مخالفت کے باوجود ، علی الاعلان 'بابیت' کی تبلیغ کرنے لگی - اسی اثنا کسی بابی نے اس کے سابق شوہر کو قتل کر دیا جس کا خمیازہ طاہرہ کو بھی بھگتنا پڑا اور کچھ عرصہ زندان میں رہی - علی محمد 'باب' اور اس کے پیروؤں پر اس زمانے میں مصائب کے پہاڑ گر رہے تھے، مگر طاہرہ اپنے انجام سے ہرگز متوحش نہ ہوئی - وہ شیرین سخن مقررہ اور بے انتہا حسین تھی- ناصرالدین شاہ قاچار نے اسے ملکہ بنا لینے کی پیشکش کی بشرطیکہ بابی عقائد سے باز آ جائے مگر وہ نہ مانی - وہ بڑی جری اور ثابت قدم عورت ثابت ہوئی - نہ لالچ کا خیال کیا اور نہ جان جوکھم ہونے کا - اقبال کو اس کی یہی ادائیں بھائیں تھیں -

۱۸۵۰ع میں علی محمد 'باب' شیرازی کو قتل کر دیا گیا - اس کے کوئی دو برس بعد کسی بابی نے ناصر الدین شاہ قاچار کو گولی کا نشانہ بنانا چاہا مگر بادشاہ بچ گیا - جوش انتقام میں بادشاہ نے جو بابی قتل کروائے ، ان میں طاہرہ بھی شامل تھی - طاہرہ کا مختصر دیوان چھپ چکا ہے ، اس کے اشعار دلآویز اور مؤثر ہیں -

علامہ اقبال کو نئے مدعیان نبوت یا ان کے پیروؤں سے کوئی ہمدردی نہ تھی - قادیانیوں یا احمدیوں ، بابیوں اور بہائیوں

کے بارے میں ان کے ایمان افروز افکار ان کے مجموعہ تقاریر[۳] اور اردو و فارسی منظوم تصانیف[۴] میں دیکھے جا سکتے ہیں - قرۃ العین طاہرہ کے گم گشتہ راہ ہونے سے انھیں انکار نہ تھا مگر انھوں نے اس کی استقامت اور غیر معمولی جرأت کی داد دی ہے۔[۵] اس کا ذکر جاوید نامے کے فلک مشتری پر ملتا ہے - وہاں وہ حسین بن منصور حلاج اور میرزا غالب کے ساتھ براجمان دکھائی گئی ہیں - 'خاتون عجم' (طاہرہ) کی زبانی، اقبال فرماتے ہیں :

از گناہِ بندۂ صاحب جنون
کائناتِ تازہ آید بیرون

شوقِ بی حد پردہ ہا را بر درد
کہنگی را از تماشا می برد

آخر از دار و رسن گیرد نصیب
بر نگردد زندہ از کوی حبیب

جلوۂ او بنگر اندر شہر و دشت
تا نہ پنداری کہ از عالم گزشت

در ضمیر عصر خود پوشیدہ است
اندرین خلوت چسان گنجیدہ است؟

یہاں علامہ مرحوم نے طاہرہ کی ایک مرصع غزل کے ۵ اشعار نقل کیے ہیں - پوری غزل[۶] حسب ذیل ہے :

گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ رو برو
شرح دہم غم ترا نکتہ بہ نکتہ، مو بمو

---

۳ - حرف اقبال مراد ہے -
۴ - ضرب کلیم اور پس چہ باید کرد خاص طور پر -
۵ - میرا مقالہ، سہ ماہی العلم کراچی بابت اپریل ۱۹۷۱ء -
۶ - منقول از 'غارتگران ایمان' مطبوعہ لاہور ۱۹۳۷ء -

از پی دیدن رخت ، همچو صبا فتاده ام
خانه بخانه ، در بدر، کوچه بکوچه ، کو بکو
می رود از فراق تو خون دل از دو دیده ام
دجله بدجله ، یم بیم ، چشمه بچشمه ، جو بجو
مهرِ ترا ، دلِ حزین بافته بر قماشِ جان
رشته به رشته ، نخ به نخ ، تار به تار ، پو به پو
دور دهان تنگِ تو عارض عنبر خطت
غنچه به غنچه ، گل به گل ، لاله به لاله ، بو به بو
درد دل خویش طاهره گشت و ندید جز ترا
صفحه به صفحه ، لا به لا ، پرده به پرده ، تو به تو

۴۔ قاآنی شیرازی ، مرزا حبیب الله (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)

قاآنی متداول علوم و فنون میں تبحر رکھنے کے علاوہ ، فرانسیسی زبان خوب جانتے تھے ۔ انھوں نے قاچاری سلاطین و امراء کی مدح کی اور تمام اصناف سخن میں خوب دادِ سخن دی ہے ۔ ضخیم دیوان کے علاوہ ، ایک نثری کتاب 'پریشان' ان کی یادگار ہے ۔ یہ کتاب گلستانِ سعدی کے تتبع میں ہے ۔

قاآنی ، جامی کے بعد کے دور کے سب سے بڑے شاعر تسلیم کیے جاتے رہے ہیں۔ وہ ماہر موسیقی بھی تھے، اس لیے ان کا کلام مترنم اور پر موسیقی ہے ۔ وہ آخری ایرانی شاعر ہیں جن کی اقبال نے توصیف کی ہے ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ ایرانی شاعری کا قاآنی پر خاتمہ ہو گیا اور معاصر عہد میں ایرانی تفکر ، نثر کے میدان میں جولانیاں دکھا

رہا ہے۔[۷] خواجہ عزیز الدین عزیز کشمیری ثم لکھنوی کے مسمطات کی انھوں نے تعریف کی اور فرمایا کہ انھوں نے مخمسات قاآنی کا خوب اتباع کیا ہے۔[۸] یہ درست ہے کہ قاآنی کے بعد صاحبِ سبک بڑے شاعر ملک الشعراء محمد تقی بہار مشہدی (م ۱۹۵۱ع) تھے جو خوش قسمتی سے اقبال کے ارادتمند تھے اور عصر حاضر کو عصر اقبال قرار دیتے رہے :

عصر حاضر خاصۂ اقبال گشت
واحدی کز صد ہزاران برگزشت
شاعران گشتند جیشی تار و مار
وین مبارز کرد کار صد ہزار
ہیکلی گشت از سخن گوئی بپا
گفت : کل الصید فی جوف الفرا
عالم از حجت نمی باشد تہی
فرق باشد از ورم تا فربہی

اس کے باوجود قاآنی کے بعد کے بعض متأخر اور ان کے معاصر فارسی ایرانی شعراء جیسے عباس فروغی بسطامی (م ۱۲۷۴ھ) ، محمد علی سروش اصفہانی (م ۱۲۸۵ھ)، ملک الشعراء محمود خان (م ۱۳۱۱ھ)، ادیب پشاوری تہرانی (م ۱۹۳۰ع) اور عارف قزوینی (م ۱۹۳۳ع) ، کا کلام اگر علامہ مرحوم تک پہنچتا ، تو وہ یقیناً اس کی داد دیتے مگر ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ایران و ہند کے ادبی روابط تقریباً منقطع تھے ، اور اقبال تک ایسی چیزیں پہنچ نہ پائی ہیں۔

---

۷ - اقبال نامہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ -
۸ - انوار اقبال -

بہرصورت ، اقبـال کے ہاں قاآنی کا مختصر سا ذکر حسب ذیل صورت میں ہے :

بانگ درا (حصہ سوم) میں آپ نے قاآنی کے ایک شعر کو تضمین کیا ہے :

شیخ مکتب ہے اک عمارت گـر
جس کی صنعت ہے روح انسانی
نکتـۂ دلـپذیر تـیرے لیے
کہـہ گیا ہے حـکیم قـاآنی
"پیش خورشید[9] بر مکش دیـوار
خواهی ار صحن خـانہ نورانی"

ایک خط میں آپ نے 'در یکتـا' ترکیب کی سند کی خاطر کلام قاآنی میں استعمال شدہ 'ایزد یکتـا' اور 'رخ یکتـا' تراکیب کی طرف اشارہ کیا ہے ۔[10]

اقبـال نے مثنوی رموز بے خودی میں حضرت علی رض کی تعریف میں ایک مصرع کہا ہے کہ ع

اللہ اللہ بای بـسم اللہ پـدر

اس کی سند میں اقبـال نے لکھا[11] ہے کہ چونکہ حضرت عـلی رض کو قاآنی نے 'بای بسم اللہ' کہا ہے ، اس لیے انھوں نے بھی ایسی ترکیب استعمال کی ہے ۔[12]

ب - برصغیر کے چند معاصر فارسی شعراء

اقبـال کے دورِ حیات میں برصغیر میں فارسی کے کئی شـاعر

---

۹ تا ۱۲ - معلوم نہیں علامہ مرحوم نے کس نسخے کو پیش نظر رکھا تھا ۔ آج کل کے مطبوعہ کلیات میں یہ شواهد مفقود ہیں ۔

موجود تھے مگر ان سے رابطہ کے لحاظ سے غلام قادر گرامی جالندھری (م ۱۹۲۷ء) قابل توجہ ہیں ۔ اس کے علاوہ دو دیگر معاصر شعراء کے بارے میں ان کے مختصر تبصرے دست یاب ہیں ۔

اپنے ایک مکتوب بنام مہاراجہ کشن پرشاد میں اقبال نے مولانا مسعود علی محوی دکنی کے مندرجہ ذیل شعر[۱۳] کی داد دی ہے :

نگاہ کردن دزدیدہ ام بہ بزم بدید
میان چیدن گل باغبان گرفت مرا

خواجہ عزیز الدین عزیز کشمیری ثم لکھنوی (م ۱۹۱۵ء) کا ضمنی ذکر قاآنی والے حصے میں آیا ہے ۔ وہ فارسی اور اردو کے قادر کلام شاعر تھے اور اقبال ان کے کلام کے مداح و قدر دان ۔ مثنوی اسرار خودی لکھتے وقت اقبال زبان و بیان کے مشورے کی خاطر لکھنؤ جانا چاہتے تھے مگر خواجہ موصوف کے بڑھاپے اور ضعف کے پیش نظر انھوں نے ارادہ ملتوی کر دیا تھا ۔[۱۴] مثنوی کی اشاعت کے وقت خواجہ صاحب کا انتقال ہو گیا تھا ۔ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ اقبال نے عزیز مرحوم کے استقبالِ قاآنی کی کامیابی کی داد دی ہے ۔ یہ تبصرہ آپ نے خواجہ عزیز کے کلام کا مجموعہ ملنے پر کیا تھا ۔

گرامی ، اقبال کے بے تکلف دوست تھے۔ لاہور آتے تو کئی کئی دن تک اقبال کے مہمان رہتے۔ اقبال زبان و بیان کے ضمن میں ان سے مشورے کرتے ، اور کبھی کبھی ان کے مشورے قبول بھی کر لیتے

---

۱۳ ۔ صحیفہ اقبال نمبر جلد اول ۔
۱۴ ۔ انوار اقبال ، نیز مکاتیب اقبال بنام گرامی صفحہ ۱۰۵ ۔

تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے اشعار کی داد دیتے اور ادبی مبادلے کرتے رہتے ۔ گرامی اور اقبال کے ادبی روابط "مکاتیب اقبال بنام گرامی" مرتبہ محمد عبداللہ قریشی سے واضح ہیں ۔ قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ گرامی تغزل اور زبان کے عمدہ شاعر تھے مگر ان کی فکر اقبال کے لیے قابل توجہ نہ تھی ۔ اس کے مقابلے میں گرامی ، اقبال کے فکر و فن دونوں کے مداح تھے۔ یہ اس یاد رہے کہ اقبال کے لائقِ ارزش مجموعہ ہائے کلام از زبور عجم تا ارمغان حجاز گرامی کے انتقال کے بعد چھپے ۔ گرامی نے علامہ مرحوم کی مثنویاں ، اسرار خودی و رموز بے خودی نیز پیام مشرق اور بانگ درا نام کے مجموعے ہی دیکھے تھے ۔ پیام مشرق کی متعدد غزلوں کے بارے میں اقبال اور ان کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی ہے ۔ ان غزلیات کی بعض زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے ۔ گرامی نے اقبال کی توصیف میں کافی شعر کہے ہیں ، مثلاً :

درس ماضی از کتاب حال گیر
ساغر از خمخانۂ اقبال گیر
حضرت اقبال آن بالغ نظر
داد از بود و نبود ما خبر
از نوایش بزم یورپ در خروش
حکمت امریکا او را سفته گوش
ساخت با دلہا و بودش ہیچ نیست
سوخت دلہا را و دودش ہیچ نیست

در دیدۂ معنی نگہان حضرت اقبال
پیغمبری کردست و لیکن پیغمبر نتوان گفت

گرامی کی وفات پر اقبال نے کہا تھا :

آہ مولانا گرامی از جہان بربست رخت
آنکہ زد فکر بلندش آسمان را پشت پای
معنی مستور او در لفظ رنگینش نگر
مثل حور بی حجاب اندر بہشت دلکشای
از نوای جان فزای او عجم را زندگی
جام جمشید از شراب ناب او گیتی نمای
یاد ایامی کہ با او گفتگوہا داشتم
ای خوشا حرفی کہ گوید آشنا با آشنای
بر مزارش پست ترکن[۱۵] پردہ ہای ساز را
تا نگردد خواب او آشفتہ از شور نوای

ظہوری ترشیزی کی ایک غزل کا مطلع ہے :

ستم و سخت جانی ہم ہست
کوہم و ناتوانی ہم ہست

اس کے استقبال میں گرامی نے ایک غزل لکھی اور اس کے اشعار میں ایک مصرع یوں تھا : ع

فقر را ترکانی ہم ہست

اقبال اس مصرعے سے تڑپ اٹھے اور 'خلافت اسلامی ، اور ترک و عرب' کے ایک موضوع پر حسب ذیل قطعہ لکھا اور گرامی کی تعریف فرمائی (گرامی کی غزل فروری ۱۹۲۴ء کے معارف اعظم گڑھ میں چھپی تھی) :

---

۱۵ - باقیات اقبال صفحہ ۲۵۶ -

سخنی راندۂ کہ جز قرشی
بر سر مسند نبی ؐ نہ نشست
درس گیر از گرامی ہمہ درد
کہ برید از خود و باو پیوست
رمز ترک و خلافت عربی
گفت آن میگسار بزم الست[16]
"ماہ را بر فلک دو نیم کنیم
فقر را ترکمانی ہم ہست"

اپنے ایک بیان میں علامہ مرحوم نے گرامی کی فارسی شاعری کو عرفی و نظیری کی شاعری کا ایک حسین امتزاج قرار دیا ہے[17] ، اور اس سے ظاہر ہے کہ گرامی کی شاعری ان کو کس قدر عزیز تھی ۔

---

۱۶ ۔ باقیات اقبال (طبع ثانی) صفحہ ۳۵۶ ۔ اقبال اپنے خطوط میں گرامی کے زیادہ سوتے رہنے کا ذکر مطائبہ کے طور پر فرماتے رہے اور انھیں 'نومی' کے لقب سے یاد کرتے رہے ہیں ۔ قطعۂ رثائی میں بھی انھیں گرامی کے بآرام سوتے رہنے کی فکر ہے ۔
۱۷ ۔ مکتوبات اقبال بنام گرامی صفحہ ۳۷ ۔

کتابیات

فہرست منابع

آتشکدۂ آذر ، تذکرہ	تصحیح از دکتر سید حسن سادات ناصری ، تہران
احوال و آثار و سبک اشعار غنی کشمیری	دکتر ریاض احمد شروانی ، سرینگر ۱۹۶۸ء
ادب نامۂ ایران	میرزا مقبول بیگ بدخشانی ، لاہور
ارمغان حجاز	علامہ اقبال ، لاہور
ارمغان پاک	ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ، لاہور
از سعدی تا جامی (ترجمہ جلد سوم تاریخ ادبیات ایران از براؤن)	علی اصغر حکمت
افکار گرامی بیدل	نوشتۂ دکتر صلاح الدین سلجوقی ، کابل
اسرار خودی	علامہ اقبال ، لاہور
اقبال لاہوری	پروفیسر مجتبیٰ مینوی ، تہران
اقبال (ترجمہ ضیاء الدین برنی)	عطیہ بیگم فیضی ، کراچی
اقبال نامہ ۲ جلد (مجموعۂ خطوط)	شیخ عطا محمد ، لاہور
اقبال نامہ (ضمیمہ مجلہ دانش)	تہران ۱۳۳۰ھ شمسی ، تہران
الہی نامہ ، مثنوی	شیخ عطار ، تہران
امتناع النظیر ، رسالہ در فارسی	شاہ اسماعیل شہید
انوار اقبال (خطوط و بیانات اقبال)	مرتبہ بشیر احمد ڈار ، کراچی

بانگ درا	علامہ اقبال
بال جبریل	علامہ اقبال
باقیات اقبال (طبع ثانی) مرتبہ سید عبدالواحد و محمد عبد اللہ قریشی ، لاہور	علامہ اقبال
بحث و نظر	ڈاکٹر سید محمد عبداللہ ، لاہور
بوستان سعدی	سعدی ، تہران
بہار عجم ، لغت ۲ جلد	ٹیک چند بہار ، نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۶ء
بیدل (اردو)	خواجہ عباد اللہ اختر ، لاہور ۱۹۵۲ء
بیدل چہ می گوید	فیض محمد خان فیضی ، کابل
بیدل و داستان عرفان او	خالدہ عینی ، تاشقند
پس چہ باید کرد مع مسافر (مثنویاں)	علامہ اقبال ، لاہور
پیام مشرق	علامہ اقبال ، لاہور
تاریخ حسن جلد ۲	پیر غلام حسن کویہامی ، سرینگر ۱۹۵۴ء
تاریخ اقوام کشمیر	محمد الدین فوق ، لاہور
تقویت الایمان ، رسالہ در فارسی	شاہ اسماعیل شہید
تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند	پنجاب یونیورسٹی ، لاہور (فارسی والے ۳ حصے)
تاریخ زبان و ادبیات ایران در خارج از ایران	پروفیسر عباس مہرین شوشتری ، تہران
تاریخ نظم و نثر فارسی در ایران و در زبان فارسی ۲ جلد	پروفیسر سعید نفیسی ، تہران
تاریخ ادبیات در ایران جلد ۲	تالیف ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، تہران
تاثیر معنوی ایران در پاکستان (مقالہ از ڈاکٹر محمد ریاض)	محکمہ اوقاف پنجاب ، لاہور ۱۹۷۱ء
ترجمان خودی (اردو منظوم ترجمہ از اسرار خودی)	پروفیسر سید محمد عبدالرشید فاضل ، کراچی
تذکرۃ الاولیاء ۲ جلد	عطار نیشاپوری

تذکره نصرآبادی	طبع تهران
تذکرة الشعراء فرخ آبادی	مولفه میرزا عزیز، علی گڑھ ۱۹۱۶ء
تفسیر سوره فاتحه	منسوب به شیخ محمود شبستری
جاوید نامه	علامه اقبال ، لاهور
جامی	پروفیسر علی اصغر حکمت ، تهران ۱۳۲۰ ش
حیرت زار	محمد عطاء الرحمان عطا کاکوی ، ایوان اردو ، پٹنه ، هند
حرف اقبال (تقاریر و بیانات اقبال)	مترجم و مرتب لطف الله شروانی ، لاهور
خطوط غالب	اله آباد ۱۹۴۱ء
دیوان و خریطه جواهر	میرزا مظهر جانجانان ، لاهور
دیوان ابن الفارض المصری	۱۹۵۷ء بیروت
دیوان کمال مسعود خجندی	مرتبه عزیز دولت آبادی ، تهران
دیوان خواجه معین الدین چشتی (منسوب)	مطبع نولکشور
دانائے راز (اقبال کے حالات اور انتخاب کلام)	ڈاکٹر احمد احمدی بیرجندی مشهد ۱۹۷۰ء
دیوان شمس تبریزی (دیوان کبیر رومی) ۸ جلد	پروفیسر بدیع الزمان فروزانفر دانشگاه تهران
دیوان انوری جلد ۲	باهتمام پروفیسر محمد تقی مدرس رضوانی ، تهران
دیوان سلطان ولد	مرتبه پروفیسر سعید نفیسی ، تهران
دیوان عرفی شیرازی	نولکشور
دیوان نظیری	مرتبه پروفیسر ڈاکٹر مظاهر مصفا، تهران
دیوان حافظ	مرتبه محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی ، تهران
دیوان وحشی بافقی	مرتبه م - درویش ، تهران
دیوان بابا فغانی	مرتبه احمد سهیلی خوانساری، تهران

دیوان غالب ، اردو	مرتبہ غلام رسول مہر ، لاہور
دیوان ناصر خسرو جلد ۱	مرتبہ مجتبیٰ مینوی و ڈاکٹر مہدی محقق ، دانشگاہ تہران
رسالہ در تحقیق زندگانی و آثار مولوی (رومی)	بدیع الزمان فروزانفر ، تہران
روح بیدل	ڈاکٹر عبدالغنی ، لاہور
رومی عصر (اقبال کا فکر و فن)	مرتبہ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی ، تہران
ریاض العارفین ، تذکرہ	
رموز بیخودی	علامہ اقبال ، لاہور
زبور عجم (غزلیات ، گلشن راز جدید ، بندگی نامہ)	علامہ اقبال ، لاہور
سعادت نامہ ، مثنوی	شیخ محمود شبستری (ابھی خطی ملتی ہے)
سبک خراسانی در شعر فارسی	دکتر محمد جعفر محجوب ، تہران
سرو آزاد ، تذکرہ	آزاد بلگرامی ، نولکشور
سیر افغانستان	سید سلیمان ندوی ، اعظم گڑھ
سبک شناسی جلد ۳	محمد تقی بہار ملک الشعراء ، تہران
سیر سخن ۲ جلد	حسین رزمجو ، احمد احمدی ، مطبوعہ مشہد
سوانح ناصر خسرو (فارسی)	خواجہ الطاف حسین حالی ، فرہنگ ایران زمین ، جلد ۱۸
سوانح مولانائے روم	علامہ شبلی نعمانی ، لاہور
شیرین و خسرو ، مثنوی	امیر خسرو، مطبوعہ ماسکو ۱۹۶۱ء
شعر اقبال	سید عابد علی عابد مرحوم ، لاہور
شعر و ادب فارسی	زین العابدین مؤتمن ، تہران
شرح احوال و نقد و تحلیل آثار عطار	بدیع الزمان فروزانفر ، تہران
شعر ناب	مرتبہ غلام نظام الدین ، تہران

ضرب کلیم	علامہ اقبال ، طبع لاہور
علم الاقتصاد	علامہ اقبال
عبدالقادر بیدل	صدر الدین عینی ، تاشقند ۱۹۵۳ء
غایۃ المکان فی درایۃ الزمان	منسوب بہ عراقی ، (مخطوطہ)
غارت گران ایمان	تالیف ابوالقاسم دلاوری ، لاہور ۱۹۳۷ء
غالب ، ابتدائی دور	ڈاکٹر خورشیدالاسلام ، علی گڑھ ۱۹۶۱ء
غزلہای حافظ	مرتبہ دکتر سلیم نیساری ، تہران ۱۹۷۴ء
فکر اقبال	ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم
فیض قدسی	خلیل اللہ خان خلیل ، کابل
کلیات فارسی غالب، کلیات جویا، عرفی، اوحدی، طالب آملی ، فیضی، قاآنی، عراقی ، بیدل ، جامی ، کلیم، صائب، اقبال (اردو اور فارسی)	مطبوعہ ایران و ہند و پاکستان وغیرہ
گفتار اقبال	مرتبہ محمد رفیق افضل ، لاہور
گلشن راز	شیخ محمود شبستری ، طبع ، لیدن
لطائف غیبی	محمد دارابی ، تہران
لیلیٰ و مجنوں ، مثنوی	نظامی
مکتب وقوع در شعر فارسی	احمد گلچین معانی
مشاہیر کشمیر	محمد دین فوق ، لاہور
مقالات اقبال	مرتبہ سید عبدالواحد معینی ، لاہور
مکتوبات اقبال	مرتبہ سید نذیر نیازی ، کراچی
مکاتیب اقبال بنام گرامی	مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ، کراچی

منشورات اقبال	مرتبہ بزم اقبال ، لاہور
مباحث	مرتبہ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ،لاہور
مثنوی معنوی	طبع نکلسن ، تہران
میخانہ	محمد عبدالغنی فخرالزمانی، طبع تہران
مناقب العارفین افلاکی	مطبوعہ انقرہ ، ۱۹۶۴ء
نتائج الافکار ، تذکرہ	قطران گوپاموی ، کلکتہ
ہفت پیکر ، مثنوی	نظامی ، تہران
یک چمن گل (اقبال کے کلام کا انتخاب)	غلام حسین علامی ، تہران
یوسف و زلیخا ، مثنوی	جامی ، نولکشور

مجلے

ادبی دنیا ، لاہور ، اپریل تا جون ۱۹۷۰ء ، اگست ۱۹۷۱ء ، جنوری ۱۹۷۳ء
اردو ، سہ ماہی ، کراچی ، اکتوبر ۱۹۶۸ء ، اکتوبر ۱۹۷۰ء
اسلامی تعلیم ، دو ماہی ، لاہور ، مئی و جون ۱۹۷۴ء
اقبال ، سہ ماہی ، لاہور ، اکتوبر ۱۹۶۹ء
اقبال ریویو ، سہ ماہی ، کراچی ، جولائی ۱۹۷۰ء ، ۱۹۷۱ء ، ۱۹۷۲ء
العلم ، سہ ماہی ، کراچی ، اپریل ۱۹۷۱ء
المعارف ، ماہنامہ ، لاہور ، فروری ۱۹۷۰ء
ارمغان ، تہران ، شمارہ ۳ سال ۱۲ ، شمارہ ۶ سال ۱۳

راوی ، اقبال صد سالہ نمبر ۱۹۷۳ء (گورنمنٹ کالج لاہور کا رسالہ)
ضیاء بار ، اقبال صد سالہ نمبر ۱۹۷۳ء (گورنمنٹ کالج سرگودھا کا رسالہ)
صحیفہ ، سہ ماہی ، لاہور ، اکتوبر ۱۹۷۳ء جنوری ۱۹۷۴ء(اقبال نمبر)
صحیفہ ، سہ ماہی ، لاہور ، مارچ ۱۹۶۹ء (اقبال نمبر)

فکر و نظر ، ماہنامہ ، اسلام آباد ، فروری ۱۹۷۰ء
مجلہ دانشکدہ ادبیات تبریز ، شمارہ ۱ سال ۱
ماہ نو ، کراچی ، اپریل ۱۹۶۹ء ، اپریل ۱۹۷۰ء

نیرنگ خیال ، لاہور ، اقبال نمبر ، ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۲ء
ہلال ، ماہنامہ فارسی کراچی مارچ و اپریل ۱۹۶۹ء
ہنر و مردم تہران آذر و دی ماہ ۱۳۴۷ش ، اردی بہشت ۱۳۴۸ش

ENGLISH BOOKS/PERIODICALS

Arberry, A. J., *Aspects of Islamic Civilization*, London

Dar, B. A., *Letters and Writings of Iqbal*, Karachi.

Iqbal, Dr. Sir Allama Muhammad, *Stray Reflections*, Lahore.

Iqbal, *Development of Metaphysics in Persia*, Lahore.

Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Lahore.

Kiernan, *Poems from Iqbal*, London.

Sadiq, Dr. M., *A History of Urdu Literature*, London.

Vahid, S. A., *Thoughts and Reflections of Iqbal*, Lahore.

Vahid, *Studies in Iqbal*, Lahore.

Iqbal, Quarterly, Lahore, January, 1974.

Journal of the Pakistan Historical Society, Karachi, Oct. 1968.

Journal of the Cultural Institute of R.C.D., Tehran, Spring 1975.

Pakistan Review, Lahore, May 1971.

اشاریہ

اشخاص

آ

آدم (ابوالبشر) ۷۶، ۸۴، ۸۶، ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۳۵، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۹، ۲۸۵
آذر، لطف اللہ بیگ ۳۱، ۳۰۹، ۳۱۰
آربری، پروفیسر ۴۷
آرزو اکبر آبادی، سراج الدین علی خاں ۵۲، ۲۶۸، ۳۰۵
آرنلڈ، پروفیسر ۲۳
آزر ۲۸۵
آزردہ دہلوی، مولانا صدر الدین ۲۸۳

ا

ابراہیم (خلیل اللہ) ۸۳، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۴۹، ۲۸۰، ۳۰۳
ابراہیم بن مسعود غزنوی، سلطان ۶۲
ابراہیم عادل شاہ ۲۸۸
ابراہیم عادل شاہ ثانی ۲۸۹
ابراہیم فخر الدین، شیخ : دیکھیے عراقی ہمدانی
ابلیس (شیطان) ۷۶، ۸۸، ۱۱۰، ۱۹۵
ابن رشد ۱۸۰

ابن سینا (بوعلی سینا) ۱۸۰
ابن عربی ۴۸ ، ۱۵۱
ابن فارض مصری ۱۳۷ ، ۱۹۲
ابن یمین ۱۹۲ ، ۱۹۴ ، ۲۱۵
ابوالحسن اشعری ۱۳۹
ابوالعلاء معری ۴۸
ابوالفتح گیلانی ، حکیم ۲۲۹
ابوالفضل علامی ۲۳۵
ابوالفیض اکبر آبادی : دیکھیے فیضی فیاضی
ابوالقاسم فردوسی طوسی : دیکھیے فردوسی طوسی
ابوالمجد حسن مجدود ، حکیم : دیکھیے سنائی غزنوی
ابوالمظفر چغانیان ۹۰
ابوالمعالی عبداللہ عین القضاۃ ہمدانی ۱۵۱
ابوالمعالی مرزا عبدالقادر : دیکھیے بیدل عظیم آبادی دہلوی
ابوالنجم احمد : دیکھیے منوچہری دامغانی
ابو سعید ابوالخیر ، شیخ ۵۳ ، ۱۹۲
ابو سعید سحابی استر آبادی نجفی ، مولانا ۲۱۹
ابو طالب کلیم ہمدانی کاشانی : دیکھیے کلیم ہمدانی
ابو عامر اندلسی ۴۸
ابو محمد الیاس ، جمال الدین ، حکیم : دیکھیے نظامی گنجوی
ابو معین حکیم حجت علوی قبادیانی : دیکھیے ناصر خسرو
ابو نواس ۵۸
احسن ، ظفر خاں ۲۴۳ ، ۲۴۹ ، ۲۵۰ ، ۲۵۲ ، ۲۵۳
احمد احمدی بیرجندی ، پروفیسر ۵۳
احمد خاں ، سید : دیکھیے سر سید احمد خاں
احمد شاہ ابدالی ۶۱
احمد فوق یزدی ، ملا ۲۹۹
احمد گلچین معانی ۲۲۳
احمد مجدد الف ثانی ، شیخ ۳۰۱
احمدی ۳۱۲
اختر ، خواجہ عباد اللہ ۲۵۵ ، ۲۶۸

ادیب پشاوری تہرانی ۳۱۵
ارشد ، ڈاکٹر اے ۔ ڈی ۲۳۵
اسد اللہ خاں غالب : دیکھیے غالب دہلوی
اسد ملتانی ۱۹
اسرافیل (سرافیل) ۶۸ ، ۲۳۲
اسماعیل ۱۳۳
اسماعیل اول ، شاہ ۲۹
اشرف جہانگیر سمنانی ، سید ۱۷۸
اشعری ، ابوالحسن ۱۳۹
افغان ۳۰۴
افلاطون ۱۳۰ ، ۱۴۰ ، ۱۷۹ ، ۲۵۸
افلاکی ، شمس الدین ۱۰۱ ، ۱۰۳
اقبال ، علامہ ۵ تا ۱۰ ، ۱۳ ، ۱۵ تا ۲۶ ، ۲۸ تا ۴۹ ، ۵۱ ، ۵۳ تا ۶۰ ، ۶۳ تا ۶۶ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۲ تا ۸۶ ، ۹۰ تا ۹۳ ، ۹۵ ، ۹۷ ، ۱۰۰ تا ۱۰۳ ، ۱۰۶ ، ۱۱۴ ، ۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ تا ۱۲۹ ، ۱۳۵ ، ۱۳۹ تا ۱۴۱ ، ۱۴۳ تا ۱۴۵ ، ۱۴۷ تا ۱۶۹ ، ۱۷۱ ، ۱۷۲ ، ۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۱۷۷ تا ۱۸۰ ، ۱۸۳ تا ۱۹۱ ، ۱۹۳ تا ۱۹۶ ، ۱۹۸ تا ۲۱۲ ، ۲۱۴ تا ۲۲۱ ، ۲۲۳ ، ۲۲۷ تا ۲۵۴ ، ۲۵۶ تا ۲۶۲ ، ۲۶۴ تا ۲۶۶ ، ۲۶۸ تا ۲۷۲ ، ۲۷۴ تا ۲۸۰ ، ۲۸۳ تا ۲۹۲ ، ۲۹۴ تا ۳۰۶ ، ۳۱۰ تا ۳۲۰
اکبر ۲۲۹ ، ۲۸۷
اکبر حسین اکبر الہ آبادی ، سید ۴۰ ، ۴۳ ، ۲۷۷
الطاف حسین حالی ، خواجہ ۶۰
الیاس ۶۱
الیفیری ڈینٹے : دیکھیے ڈینٹے
ام سلمٰی ، فاطمہ : دیکھیے طاہرہ بابیہ
امام الحق ۷۷
امیر حسن سجزی ۱۷۵
امیر خسرو دہلوی ۲۹ ، ۴۱ ، ۵۱ ، ۵۲ ، ۹۵ ، ۱۶۹ ، ۱۷۱ ، ۱۷۳ تا ۱۷۷ ، ۱۹۲ ، ۲۰۵ ، ۲۱۰ ، ۲۲۵ ، ۲۳۵ ، ۲۶۴ ، ۲۷۳

امیر خلف بانو ۹۰
انصاری ، خواجہ ۵۴
انند رام سودھری : دیکھیے مخلص سیالکوٹی
انوری ابیوردی ، حکیم اوحد الدین محمد ۵۳ ، ۵۴ ، ۷۱ تا ۷۵ ، ۸۱ ، ۱۹۲ ، ۲۱۶
انیسی شاملو ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۲۸۷
اوحد الدین کرمانی ، شیخ ۵۵ ، ۹۰ ، ۹۲ ، ۲۱۲
اوحد الدین محمد ، حکیم : دیکھیے انوری ابیوردی
اوحدی مراغی ، شیخ رکن الدین ۳۱ ، ۹۵ ، ۲۱۱ تا ۲۱۳
اورنگ زیب عالمگیر ۱۷۹ ، ۲۵۴ ، ۲۹۶ ، ۲۹۸ ، ۳۰۰
اویس ۶۸
اہل کشمیر ۱۶۱
ایبک ۱۷۴
یرانی ۲۰ ، ۲۷ ، ۲۹ ، ۳۱ ، ۵۱ ، ۵۵ ، ۲۵۵ ، ۲۷۰ ، ۳۰۱
ایلخانی ۲۸

ب

باب ، علی محمد : دیکھیے علی محمد باب شیرازی
بابا طاہر عریاں ہمدانی ۴۲ ، ۵۴
بابا فغانی : دیکھیے فغانی
بابی ۳۱۲
بایزید بسطامی ۴۸ ، ۱۱۱ ، ۲۹۸
بایقرا ، سلطان حسین ۱۹۲
بخاری ، بوعلی سینا : دیکھیے بو علی سینا بخارائی
بدر الدجلی (طاہرہ بابیہ) ۳۱۱
بدیع الزمان فروزانفر ۸۲ ، ۱۰۲
بدیل افضل الدین ، حکیم : دیکھیے خاقانی شروانی
براھیم : دیکھیے ابراھیم
براؤن ، پروفیسر ۱۹ ، ۱۷۸ ، ۲۲۰

برکات احمد ٹونکی ، سید ۲۸۳
برنی ، ضیاء الدین ۳۸
بشیر احمد ڈار ۱۵۱ ، ۱۶۵
بو البشر (ابوالبشر) : دیکھیے آدم
بوالحسن (ابوالحسن) : دیکھیے اشعری
بوحنیفہ ۱۳۲
بوذر ۴۳ ، ۶۸
بوعلی سینا بخارائی ۶۸ ، ۷۶ ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۸۰ ، ۲۳۰
بوعلی قلندر پانی پتی ۴۱ ، ۶۵ ، ۹۵ ، ۹۷ ، ۱۴۸ ، ۱۶۸ تا ۱۷۲
بولہب ۱۳۸
بہار (ملک الشعراء) ۳۱ ، ۴۸ ، ۳۰۹ ، ۳۱۵
بہار ، ٹیک چند ۲۰ ، ۲۸۶
بہاء الدین زکریا ملتانی ، شیخ ۱۵۰
بہاء الدین سلطان ولد (بہاء الدین محمد معروف بہ بہاء ولد) ۶۵ ، ۱۲۰
بہاء اللہ (بانی بہائی مذہب) ۳۱۱
بہائی ۳۱۲
بہرام یمین الدولہ غزنوی ، سلطان ۶۵
بہزاد ۱۸۲
بہمن ۲۸۶
بیدل عظیم آبادی دہلوی ، ابوالمعالی مرزا عبدالقادر ۲۵۴ تا ۲۷۳ ، ۲۷۶ ، ۲۷۷ ، ۲۸۷ ، ۳۰۵
بیرجندی ، پروفیسر احمد احمدی ۵۳

پ

پارسا نقشبندی ، خواجہ ۱۹۳
پر تو بیضاوی ۲۴۴
پرویز ۱۱۳
پیر تبریزی : دیکھیے شمس الدین تبریزی
پیر روم (پیر رومی) : دیکھیے رومی
پیر سنجر : دیکھیے معین الدین چشتی

پیر کنعان ۱۹۰ ، ۲۴۵
پیر ہرات (خواجہ عبداللہ انصاری) ۹۲

ت

تاتاری ۸۹
تاثیر : دیکھیے محسن تاثیر
ترک ۲۲۴
ترکستانی ۵۱
تغلق ۱۷۵
تورانی ۵۱
تہماسپ صفوی ، شاہ ۲۸۷
تہماسپ قلی بیگ ، ملا عرشی یزدی ۲۱۷
تیمور ، امیر ۲۷۳
تیموری ۲۸ ، ۱۹۱ ، ۱۹۲

ٹ

ٹیک چند بہار ۲۰ ، ۲۸۶

ج

جالینوس ۱۳۰
جامی ، مولانا عبدالرحمٰن ۲۹ ، ۳۱ ، ۴۴ ، ۸۱ ، ۹۰ ، ۹۵ ، ۱۲۶ ، ۱۵۲ ، ۱۹۱ تا ۲۰۰ ، ۲۰۶ ، ۲۰۷ ، ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۲۱۶ ، ۲۲۷ ، ۳۱۴
جان محمد قدسی مشہدی ، حاج ۲۹۶
جانجاناں ، مظہر : دیکھیے مظہر جانجاناں
جاوید اقبال ۸۰
جبریل (جبرئیل) ۳۴ ، ۳۶ ، ۱۲۳ ، ۱۳۴ ، ۱۳۷ ، ۱۶۷ ، ۲۳۶
جلال اسیر اصفہانی ، میرزا ۲۸۶ ، ۲۸۷ ، ۲۹۵
جلال الدین (جمالی) ۲۱۶
جلال الدین دوانی شیرازی ۲۱۶
جلال الدین محمد رومی : دیکھیے رومی

جم (جمشید) ۳۵ ، ۱۱۰ ، ۱۲۱ ، ۲۳۹ ، ۲۹۲ ، ۳۱۹
جمال الدین ، سید محمد : دیکھیے عرفی شیرازی
جمال عرشی ، ملا ۹۵
جمالی دھلوی ۲۱۶ ، ۲۱۷
جنید ۲۹۸
جویا تبریزی کشمیری ، مرزا داراب بیگ ۳۰۲ ، ۳۰۳
جہانگیر ۲۴۳ ، ۲۹۴

چ

چراغ دہلوی ، شیخ نصیر الدین محمود ۹۵ ، ۲۱۱ ، ۲۱۴
چشتی ، خواجہ معین الدین ۵۴ ، ۸۹
چنگیز خاں ۲۸ ، ۱۶۴ ، ۲۷۳
چینی ۶۷ ، ۶۸

ح

حافظ شیرازی ، خواجہ محمد شمس الدین (لسان الغیب) ۲۹ ، ۳۱ ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۴۹ ، ۵۳ ، ۵۸ ، ۹۵ تا ۹۷ ، ۱۷۸ تا ۱۹۲ ، ۱۹۶ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱ ، ۲۱۶ ، ۲۲۷ ، ۲۳۰ ، ۲۳۶ ، ۲۳۸ ، ۲۶۲ ، ۲۷۳ ، ۳۰۱ ، ۳۱۱
حالی ، خواجہ الطاف حسین (مولانا حالی) ۴۳ ، ۶۰ ، ۶۵ ، ۹۲ ، ۱۶۰ ، ۲۶۸
حبیب اللہ ، مرزا : دیکھیے قاآنی شیرازی
حجازی ۸۹
حزین لاہیجی اصفہانی ، شیخ محمد علی ۱۹۷ ، ۲۸۶ ، ۳۰۰ ، ۳۰۵ ، ۳۰۶
حسام الدین چلپی ۱۰۶
حسام الدین راشدی ، پیر سید ۲۱۷
حسان العجم (خاقانی) ۷۵
حسن بن ہانی اہوازی (ابو نواس) ۵۸
حسن سجزی ، امیر ۱۷۵
حسن نظامی ، خواجہ ۲۶۳ ، ۲۷۶
حسین ۸۹ ، ۱۳۷ ، ۲۰۷
حسین احمد ۱۸۶

حسین بایقرا ، سلطان ۱۹۲
حسین بن منصور حلاج ، شیخ ۱۶۶ ، ۲۷۸ ، ۲۸۱ ، ۳۱۳
حسین حسینی ہراتی ، شیخ سید ۱۶۲
حسین خطیبی ، پروفیسر ڈاکٹر ۳۱
حسین معمائی گیلانی ، ملا ۲۸۶ ، ۲۹۹
حسین واعظ کاشفی سبزواری ، ملا ۲۱۷
حلاج ۱۷۳ ، ۲۷۹ ، ۲۸۲
حمید الدین بلخی ، قاضی ۷۳
حمید اللہ خاں ، نواب سر ۲۹۴
حمیرا (عائشہ) ۲۱۶
حوا ۲۱۹
حیدر ۳۵ ، ۱۴۸ ، ۲۴۲
حیدر بخش ، مولانا ۲۸۲

خ

خاتم الانبیاء (خاتم النبیین) : دیکھیے محمد ص (رسول اللہ)
خاتون عجم (طاہرہ بابیہ) ۲۷۹ ، ۳۱۳
خاقانی شروانی ، حکیم ۲۰ ، ۲۷ ، ۲۸ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۶۵ ، ۷۵ تا ۷۷ ، ۱۹۲ ، ۲۵۰
خالدہ عینی ۲۵۵
خانخاناں ، میرزا عبدالرحیم ۲۲۹ ، ۲۳۸ ، ۲۴۹ ، ۲۸۷
خاوری (انوری) ۱۷
ختم الرسل : دیکھیے محمد ص (رسول اللہ)
خراسانی ۵۱
خسرو ، امیر : دیکھیے امیر خسرو
خسرو ، ناصر : دیکھیے ناصر خسرو
خضر ۹۸ ، ۱۸۱ ، ۲۰۰ ، ۲۵۳ ، ۲۶۷
خطیبی ، پروفیسر ڈاکٹر حسین ۳۱
'خلاق المعانی' : دیکھیے کمال الدین اسماعیل اصفہانی
خلجی ۱۷۵

خلجی ، سلطان علاء الدین ۱۶۹
خلیل (خلیل اللہ) : دیکھیے ابراھیم
خلیل اللہ خلیلی ، استاد ۲۵۵
خواجو کرمانی ۱۷۸
خواجہ (خواجۂ دو سرا ؒ) : دیکھیے محمد ؐ (رسول اللہ)
خواجہ اجمیری ۸۹ ، ۹۰
خواجہ انصاری ۵۴ ، ۹۰
'خواجۂ شیراز' (حافظ شیرازی) ۱۷۸ ، ۱۸۶
خواجہ غریب نواز ۸۹ ، ۹۰
خوارزمشاہی ۲۸
خورشید الاسلام ، ڈاکٹر ۲۶۸
خیام نیشاپوری : دیکھیے عمر خیام نیشاپوری

د

دارا شکوہ ۲۹۶
داراب بیگ ، مرزا : دیکھیے جویا تبریزی
'دانائے تبریز' (شیخ محمود) ۱۶۴ ، ۱۶۵
'دانائے راز' (علامہ اقبال) ۱۶۵
دانتے : دیکھیے ڈینٹے
دانش ، رضی ۲۲۸
داؤد ۲۲۸
دقیقی ۲۷
دولت شاہ سمرقندی ۶۵

ڈ

ڈینٹے ، الیفیری ۴۸

ذ

ذبیح اللہ صفا ، ڈاکٹر ۶۴

ر

رازی ، امام فخر الدین ۳۵ ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ ۱۴۸ ، ۱۵۳ ، ۲۱۴ ، ۲۴۲

راسخ سرہندی ، میر محمد زمان ۲۸۶ ، ۳۰۶
راشدی ، پیر سید حسام الدین ۲۱۷
راقم مشہدی ، ملا (مرزا محمد سعید الدین) ۲۸۶ ، ۳۰۰
رستم ۱۱۹
رسول پاکؐ : دیکھیے محمدؐ (رسول اللہ)
رضی دانش رضوی مشہدی ، حاج میر سید ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۲۹۶
رفیق اصفہانی ۳۰۹
رکن الدین اوحدی مراغی ، شیخ ۲۱۲
رودکی ۲۷ ، ۳۱
روزبہان بقلی شیرازی ، شیخ ۱۱۹
رومی (ترک) ۲۲۴
رومی ، مولانا جلال الدین محمد بلخی ۱۰ ، ۱۱ ، ۲۹ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۴ ، ۴۱ تا ۴۴ ، ۴۷ ، ۴۹ ، ۶۴ تا ۶۷ ، ۶۹ ، ۷۱ ، ۸۲ ، ۹۳ ، ۹۵ تا ۹۷ ، ۱۰۰ تا ۱۰۳ ، ۱۰۵ تا ۱۱۰ ، ۱۱۲ تا ۱۱۴ ، ۱۱۹ تا ۱۲۹ ، ۱۳۶ ، ۱۳۹ ، ۱۴۰ ، ۱۴۳ ، ۱۴۴ ، ۱۴۷ تا ۱۵۰ ، ۱۶۸ ، ۱۶۹ ، ۱۷۳ ، ۱۷۸ ، ۱۹۳ ، ۱۹۷ ، ۲۱۲ ، ۲۱۶ ، ۲۲۱ ، ۲۲۷ ، ۲۳۶ ، ۲۴۷ ، ۲۵۷ تا ۲۶۰ ، ۲۷۳ ، ۲۷۹ ، ۲۹۲
روسیٔ عصر (اقبال) ۱۲۵
ریاض ، ڈاکٹر محمد : دیکھیے محمد ریاض ، پروفیسر
ریاض احمد شروانی ، ڈاکٹر ۲۴۵

ز

زرین تاج ، فاطمہ : دیکھیے طاہرہ بابیہ
زکریا ملتانی ، شیخ بہاء الدین ۱۵۰ ، ۱۵۲
زلالی خوانساری ، مولانا حکیم ۲۸۶ ، ۲۸۸
زلیخا ۲۴۵
زندہ رود (اقبال) ۹ ، ۶۱ ، ۲۸۰ ، ۲۸۱
زہراؓ ۶۸
زین العابدین سؤتمن ۲۲۱

س

سامانی ۲۷
سامری ۱۷۲
سحابی استر آبادی نجفی ، مولانا ابو سعید ۴۳ ، ۹۵ ، ۲۱۱ ، ۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۲۱
سخاوت مرزا ۲۸۳
سراج الدین علی خاں آرزو اکبر آبادی ۵۲ ، ۲۶۹
سراج الدین کشمیری ، منشی ۱۷۵
سرافیل : دیکھیے اسرافیل
سرسید احمد خاں ۱۶
سرکشن پرشاد ، مہاراجہ : دیکھیے کشن پرشاد
سروش اصفہانی ، محمد علی ۳۱۵
سعد الدین تبریزی ، شیخ : دیکھیے محمود شبستری
سعد بن سلمان ۶۲
سعدی شیرازی ، شیخ مصلح الدین ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۱ ، ۳۴ ، ۴۳ تا ۴۵ ، ۴۹ ، ۵۳ ، ۷۱ ، ۹۲ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۱۵۰ ، ۱۵۴ تا ۱۶۲ ، ۱۷۸ ، ۱۹۲ ، ۱۹۴ ، ۲۱۶ ، ۲۳۰ ، ۲۵۱ ، ۲۷۰ ، ۲۷۳ ، ۳۱۱ ، ۳۱۴
سعید نفیسی ، پروفیسر ۳۱ ، ۸۲ ، ۹۰ ، ۱۵۰ ، ۲۲۷
سکندر ۱۷۲ ، ۱۸۱
سکندر لودھی ، سلطان ۲۱۶
سلجوقی (سلاجقہ) ۲۷ ، ۶۰ ، ۱۰۳
سلطان اکبر ۲۵
سلطان حسین صفوی ، شاہ ۳۰۴
سلطان ولد ۱۰ ، ۱۱ ، ۶۵ ، ۱۲۰
سلمان فارسی رض ۴۳ ، ۲۰۰
سلمان ، مسعود سعد ۶۳
سلیم نیازی ، ڈاکٹر ۱۸۶
سلیمان ۴ ۷۲ ، ۱۴۵ ، ۱۵۵ ، ۲۲۱
سلیمان ندوی ، مولانا سید ۲۰ ، ۶۶ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۵۵
سمنانی ، سید اشرف جہانگیر ۱۷۸

سنائی غزنوی ، حکیم ابوالمجد حسن مجدود ۱۰ ، ۱۱ ، ۳۱ ، ۴۲ ، ۴۸ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۶۴ تا ۶۹ ، ۷۵ ، ۸۲ ، ۱۲۰ ، ۱۷۳ ، ۱۹۲ ، ۲۱۲ ، ۲۲۷ ، ۲۵۱
سنجر سلجوقی ، سلطان ۷۱
سہروردی ، شیخ شہاب الدین ۱۵۰
سید احمد خاں : سرسید احمد خاں
سید السادات ۲۴۷
سید سجز : معین الدین چشتی
سید علی ہمدانی ، میر ۱۵۱
سید ہجویر ۸۹
سیف الدولہ محمود ، شاہزادہ ۶۲
سیف الدین محمود ، امیر ۱۷۴
سینا ، بوعلی : دیکھیے بوعلی سینا

ش

شافعی ۱۳۲
شاکر صدیقی ، میر ۲۳۷ ، ۲۳۸ ، ۲۸۷
شاہ اسماعیل اول ۲۹
شاہ اسماعیل شہید دہلوی ۲۸۲ ، ۲۸۳
شاہجہان ۲۴۳ ، ۲۹۶ ، ۲۹۸ ، ۳۰۰
شاہ عباس ثانی صفوی ۲۴۹
شاہ عباس کبیر صفوی ۲۸۸
شاہ ہمدان ۲۴۶
شبلی نعمانی ، علامہ (شمس العلماء) ۱۰۱ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱
شبیرؓ ۳۵ ، ۱۲۱
شجنہ النجف ۱۹۶
شرف (بوعلی قلندر) ، شرف الدین پانی پتی ۱۶۸ ، ۱۶۹
شعیبؑ ۱۸۴ ، ۱۸۵
شفیع وصال ، میرزا ۲۱۸
شفیعی کدکنی نیشاپوری ، دکتر محمد رضا ۲۵۵

شمس الدین افلاکی ۱۰۱ ، ۱۰۳
شمس الدین تبریزی (پیر تبریزی) ۱۰۳ تا ۱۰۵ ، ۱۰۸
شمس الضحیٰ (طاہرہ بابیہ) ۳۱۱
شہاب الدین سہروردی ، شیخ ۱۵۰
شیرانی ، پروفیسر محمود خاں ۹۰
شیر خدا ۱۱۹
شیطان ۹ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۸۸ ، ۱۵۹
شیکسپیئر ، ولیم ۱۴۷
شیمل ، ڈاکٹر انیماری ۱۰۱

ص

صائب تبریزی اصفہانی ، مرزا محمد علی ۳۱ ، ۴۵ ، ۶۱ ، ۲۲۱ ، ۲۲۶ ، ۲۲۸ ، ۲۴۹ تا ۲۵۴ ، ۲۸۷ ، ۲۹۷ ، ۲۹۸ ، ۳۰۴
صدر الدین آزردہ دہلوی ، مولانا ۲۸۳
صدر الدین عینی ۲۵۵
صدر الدین قونوی ، شیخ ۱۵۰ ، ۱۵۱
صدیقہ (طاہرہ بابیہ) ۳۱۱
صفا ، ڈاکٹر ذبیح اللہ ۶۴
صفاری ۲۷
صفوی ۲۹ ، ۳۰ ، ۱۹۲ ، ۲۲۹ ، ۳۰۴
صفی الدین اردبیلی ، شیخ ۲۹
صلاح الدین زرکوب ۱۰۶ ، ۱۴۴
صلاح الدین سلجوقی ، ڈاکٹر سردار ۲۰ ، ۲۵۵

ض

ضیاء الدین برنی ۳۸

ط

طالب آملی ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۲۸۷ ، ۲۹۴
طاہرہ بابیہ ، قرۃالعین ۳۱ ، ۴۷ ، ۲۷۸ ، ۳۱۰ تا ۳۱۴

طاہری ۲۷
طاہری شہاب ، استاد ۲۹۴
طغرا ، ملا علی ابراہیم ۲۸۶ ، ۳۰۰
طوسی : دیکھیے فردوسی طوسی
طوطیٔ ہند (امیر خسرو) ۱۷۳

ظ

ظفر خان احسن ، نواب ۲۴۳ ، ۲۴۹ ، ۲۵۰ ، ۲۵۲ ، ۲۵۳
ظہوری ترشیزی ، ملا محمد نور الدین قائنی ۱۹ ، ۳۱ ، ۴۱ ، ۵۴ ، ۱۶۹ ، ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۲۸۸ تا ۲۹۱ ، ۲۹۴ ، ۲۹۸ ، ۳۱۹
ظہیر ۲۸ ، ۱۹۲

ع

عابد علی عابد ۱۹
عابدی ، سید وزیر الحسن ۲۳۵
عارف قزوینی ۳۱۵
عاشق اصفہانی ۳۰۹
عالمگیر ، اورنگ زیب : دیکھیے اورنگ زیب عالمگیر
عائشہ صدیقہ رض ۲۱۶
عباد اللہ اختر ، خواجہ ۲۵۵ ، ۲۶۸
عباس ۷۷
عباس ثانی صفوی ، شاہ ۲۴۹
عباس فروغی بسطامی ۳۱۵
عباس مہرین شوشتری ، پروفیسر ۳۶
عبدالحکیم ، ڈاکٹر خلیفہ ۱۰۳ ، ۱۶۵ ، ۱۸۳
عبدالحمید کہالی ۱۲ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۱۵۱
عبدالرب ، ڈاکٹر محمد ۱۲
عبدالرحمٰن جامی ، مولانا ۱۹۱
عبدالرحیم خانخاناں ، میرزا ۲۲۹ ، ۲۳۸ ، ۲۴۹
عبدالرشید ، کرنل خواجہ ۲۹۴
عبدالرشید فاضل ، سید محمد ۳ ، ۱۳

عبدالعزیز ، شیخ : دیکھیے عزت بخاری
عبدالعلی تہرانی ، علامہ شیخ ۲۰
عبدالغنی ، ڈاکٹر ۲۵۵ ، ۲۶۸ ، ۲۶۹
عبدالغنی فخرالزمانی قزوینی ، ملا ۲۹۰
عبدالقادر ، سر شیخ ۱۵ ، ۱۷ ، ۳۸ ، ۴۰ ، ۲۷۴
عبدالقادر بدایونی ، ملا ۲۸۹
عبدالقادر بیدل : دیکھیے بیدل عظیم آبادی دہلوی
عبداللہ ، ڈاکٹر سید محمد ۲۳۶ ، ۲۳۷
عبداللہ انصاری ، خواجہ ۹۲ ، ۱۹۳
عبداللہ قطب شاہ ۲۹۸
عبدالماجد دریا بادی ، مولانا ۱۰۱
عبدالواحد معینی ، سید ۱۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۵۶
عبدالوہاب نشاط اصفہانی ، میر سید ۳۱۱
عثمانی ۱۹۱ ، ۲۲۷
عراقی ہمدانی ، شیخ ابراہیم فخر الدین ۳۱ ، ۴۱ ، ۴۵ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۱۵۰ تا ۱۵۴ ، ۱۹۳ ، ۲۲۷
عرب ۲۷
عرشی امرتسری ، حکیم محمد حسین ۱۰۲
عرشی یزدی ، ملا (تہماسپ قلی بیگ) ۲۱۱ ، ۲۱۷
عرفی شیرازی ، سید محمد جمال الدین ۱۸ ، ۳۱ ، ۴۱ ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۱۹۷ ، ۲۲۵ ، ۲۲۸ تا ۲۳۴ ، ۲۳۶ ، ۲۸۷ ، ۳۲۰
عزت بخاری ، شیخ عبدالعزیز ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۲۹۸
عزیز الدین عزیز کشمیری ثم لکھنوی ، خواجہ ۳۱۵ ، ۳۱۷
عشقی ۲۳۰
عصمت بخارائی ، خواجہ ۸۰
عطا الرحمان عطا کاکوی ، محمد ۲۵۵
عطار نیشاپوری ، شیخ محمد ابو حامد فرید الدین کدکنی ۹ تا ۱۱ ، ۲۸ ، ۳۱ ، ۴۲ ، ۴۸ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۶۷ ، ۸۲ تا ۸۶ ، ۱۲۰ ، ۱۶۳ ، ۲۱۲ ، ۲۲۷
عطیہ بیگم فیضی ۳۸ ، ۱۸۳ ، ۲۰۱
علاء الدین خلجی ، سلطان ۱۶۹ ، ۱۷۱

علیؓ ۷۶ ، ۱۳۷ ، ۱۹۵ ، ۲۱۹ ، ۳۱۶
علی ابراہیم : دیکھیے طغرا ، ملا
علی اصغر حکمت ، ڈاکٹر ۱۹۲
علی شیر نوائی خطائی ، میر ۱۹۲
علی محمد باب شیرازی ۳۱۱ ، ۳۱۲
علی مشتاق اصفہانی ، میر سید ۳۰۹ ، ۳۱۰
علی ہمدانی ، میر سید ۱۵۱ ، ۲۴۶
عمر خیام نیشاپوری ۲۱ ، ۴۳ ، ۱۹۲ ، ۲۲۰ ، ۲۲۱
عنصری ۲۷
عیسیٰؑ ۱۱۶ ، ۱۴۷ ، ۳۰۰
عین القضاۃ ہمدانی ۱۵۱
عینی ، خالدہ ۲۵۵
عینی ، صدر الدین ۲۵۵

غ

غالب دہلوی ، مرزا اسد اللہ خاں ۱۶ ، ۳۱ ، ۳۳ ، ۴۰ ، ۴۵ ، ۴۷ ، ۲۲۵ ، ۲۲۸ ، ۲۳۷ ، ۲۵۶ ، ۲۶۶ تا ۲۶۹ ، ۲۷۱ تا ۲۸۶ ، ۲۹۵ ، ۳۱۳
غریب نواز سجزی اجمیری ، خواجہ (معین الدین چشتی) ۸۹
غزالی ، امام محمد ۱۸۰
غزالی مشہدی ۲۳۵ ، ۲۸۶ ، ۲۸۷ ، ۲۹۵
غزنوی ۲۶ ، ۲۷ ، ۶۰ ، ۶۲
غلام قادر گرامی : دیکھیے گرامی
غنی کشمیری ۲۲۵ ، ۲۲۶ ، ۲۲۸ ، ۲۴۳ تا ۲۴۹
غوری ۱۷۴

ف

فارابی ۱۳۶ ، ۱۴۰ ، ۲۳۰ ، ۲۵۷
فاروقؓ ۱۷۷
فاضل ، پروفیسر سید محمد عبدالرشید ۳ ، ۱۳ ، ۲۵ ، ۳۴ ، ۸۲
فاطمۃ الزہرا ۳۱۲
فاطمہ ، ام سلمیٰ : دیکھیے طاہرہ بابیہ

فتح علی ٹیپو شہید ، سلطان ۶۱
فتح علی شاہ قاچار ، سلطان ۳۱۱
فخر الدین رازی ، امام : دیکھیے رازی
فخر الدین یحییٰ ابن معین شیرازی ، امام ۲۱۵
فرج ترشیزی ، ملا فرج اللہ ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۲۹۷ ، ۲۹۸
فرخی سیستانی ۲۷ ، ۳۴ ، ۵۴ ، ۶۶ ، ۹۰ ، ۹۱
فردوسی طوسی ، استاد ابوالقاسم ۲۱ ، ۲۷ ، ۵۴ تا ۵۷ ، ۷۱ ، ۲۱۶
فرعون ۱۱۹
فرنگی ۱۰۹
فروزانفر ، بدیع الزمان ۸۲ ، ۱۰۲ ، ۱۰۶
فضل حق ، مولانا ۲۸۲ ، ۲۸۳
فغانی شیرازی ، بابا ۱۰ ، ۲۹ ، ۳۱ ، ۴۴ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱ ، ۲۰۳ تا ۲۱۰
فلکی ۲۸
فوق کشمیری ، منشی محمد الدین ۲۴۸
فوقی یزدی ، ملا احمد ۲۸۶ ، ۲۹۹
فیض محمد خان فیضی ۲۵۵
فیضی فیاضی ، شیخ ابو الفیض اکبر آبادی ۳۱ ، ۱۹۷ ، ۲۲۸ ، ۲۲۹ ، ۲۳۵ تا ۲۳۸

ق

قاآنی شیرازی ، مرزا حبیب اللہ ۳۱ ، ۳۱۰ ، ۳۱۴ تا ۳۱۷
قاچاری ۲۶ ، ۳۱۴
قادیانی ۳۱۲
قارون ۷۲ ، ۱۵۶
قدسی مشہدی ، حاج جان محمد ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۲۹۶
قرۃ العین طاہرہ بابیہ ۲۷۸ ، ۳۱۱ ، ۳۱۳
قطب شاہ : دیکھیے محمد قطب شاہ
قطب شاہی ۲۹۹
قطران تبریزی ۲۸ ، ۵۴ ، ۹۰ ، ۹۱
قلندر پانی پتی : دیکھیے بو علی قلندر

ک

کاظم رجوی ایزد ۴۹
کشمیری ۱۶۱
کشن پرشاد ، مہاراجہ سر ۲۰ ، ۱۸۰ ، ۲۵۶ ، ۲۹۹ ، ۳۰۶ ، ۳۱۷
کلیم۴ (کلیم اللہ) ۳۱ ، ۱۰۹ ، ۱۷۲ ، ۱۸۷ ، ۱۹۷ ، ۲۸۰
کلیم ہمدانی کاشانی ، ابو طالب ۲۲۵ ، ۲۲۸ ، ۲۴۳ ، ۲۴۵
کمال الدین اسماعیل اصفہانی ۲۲۵
کمال الدین جنیدی ، خواجہ ۱۰۴
کمال الدین مسعود خجندی ، شیخ ۳۱ ، ۹۵ ، ۲۱۱ ، ۲۱۶
کمال الدین وحشی بافقی یزدی ۲۱۸
کمالی ، عبدالحمید ۱۲ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۱۵۱
کیکاؤس ۱۶۹

گ

گرامی ، مولانا غلام قادر جالندھری ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۱۴ ، ۳۱۷ تا ۳۲۰
گلاب سنگھ ۲۴۶
گھلوی ۲۰۲

ل

لسان الغیب (حافظ شیرازی) ۱۷۸
لطف اللہ آذر : دیکھیے آذر
لیلیٰ ۱۳۴ ، ۲۵۰ ، ۲۶۳

م

مبارک ، شیخ ۲۳۵
مجدد الف ثانی ، شیخ احمد ۳۰۱
مجنوں ۲۳۶ ، ۲۵۱ ، ۲۶۳
محتشم کاشانی ۲۲۹
محجوب ، ڈاکٹر محمد جعفر : دیکھیے محمد جعفر
محسن تاثیر تبریزی اصفہانی ، مرزا ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۳۰۴
محمد ص (رسول اللہ) ۵۹ ، ۷۰ ، ۸۳ ، ۸۴ ، ۱۱۲ ، ۱۱۵ ، ۱۲۳ ، ۱۳۱ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۱۴۵ ، ۱۹۴ ، ۲۱۶ ، ۲۸۰ ، ۲۸۲ تا ۲۸۵ ، ۳۰۲ ، ۳۲۰

محمد ، ملا ۳۱۱
محمد ابو حامد فرید الدین کدکنی : دیکھیے عطار نیشاپوری
محمد احسن نانوتوی ، مولانا ۲۸۳
محمد اصفہانی ، میرزا ۳۰۹
محمد اعظم ، شاہزادہ ۳۰۶
محمد اقبال ، ڈاکٹر : دیکھیے اقبال ، علامہ
محمد اکرام ، ڈاکٹر شیخ ۲۷۱
محمد الدین فوق کشمیری ، منشی ۲۴۸
محمد ایوب قادری ۲۸۳
محمد باقر ، پروفیسر ڈاکٹر ۳۰۳
محمد پارسا نقشبندی ، خواجہ ۱۰۳
محمد تقی بہار مشہدی ، ملک الشعرا : دیکھیے بہار
محمد تقی مدرس رضوی ، استاد ۷۲
محمد جعفر محجوب ، ڈاکٹر ۵۲ ، ۳۰۹
محمد حسین ، چوہدری ۴۵ ، ۴۸
محمد حسین حاج ملا : دیکھیے نظیری نیشاپوری
محمد حسین عرشی امرتسری ، حکیم ۱۱۲
محمد دارابی ، میرزا ۱۷۸
محمد رضا شفیعی کدکنی نیشاپوری ، پروفیسر دکتر ۲۵۵ ، ۳۰۱
محمد ریاض ، پروفیسر ڈاکٹر ۴ تا ۱۰ ، ۱۳ ، ۲۳ تا ۲۵
محمد زمان ، میر : دیکھیے راسخ سرہندی
محمد سعید الدین ، مرزا : دیکھیے راقم ، ملا
محمد شعلہ ، میر ۳۰۹
محمد شمس الدین ، خواجہ : دیکھیے حافظ شیرازی
محمد صالح ، ملا ۳۱۱
محمد طالب آملی : دیکھیے طالب آملی
محمد طاہر ، ملا : دیکھیے غنی کشمیری
محمد عبدالرب ، ڈاکٹر ۱۲ ، ۲۴
محمد عبدالرشید فاضل : دیکھیے فاضل
محمد عبداللہ ، ڈاکٹر سید ۱۰۲
محمد عبداللہ انصاری ، خواجہ ۹۲ ، ۱۹۳

محمد عبداللہ قریشی ۲۰ ، ۳۱۸
محمد عطا الرحمان عطا کاکوی : دیکھیے عطا الرحمان
محمد علی ، مرزا : دیکھیے صائب تبریزی
محمد علی سروش اصفہانی ۳۱۵
محمد عوفی ۵۱
محمد غزالی ، امام ۱۸۰
محمد قطب شاہ ۲۹۹
محمد معز الدین احمد ، ڈاکٹر ۲۵
محمد معصوم سرہندی ، شیخ ۳۰۱
محمد ملک قمی ، ملا : دیکھیے ملک قمی
محمد میبدی ۹۲
محمد نظامی ۸۰
محمد نور الدین ظہوری قائنی ترشیزی ، ملا : دیکھیے ظہوری
محمد ہادی حسین ۱۶۵
محمود خاں (ملک الشعرا) ۳۱۵
محمود خاں شیرانی ، پروفیسر ۹۰
محمود شبستری ، شیخ سعد الدین تبریزی ۳۲ ، ۴۱ ، ۸۴ ، ۹۵ ، ۹۷ ، ۱۶۲ تا ۱۶۶ ، ۱۶۸
محمود غزنوی ، سلطان ۵۵ تا ۵۷ ، ۹۰ ، ۹۱
محوی دکنی ، مولانا مسعود علی ۳۱۷
محی الدین ابن عربی ، شیخ ۱۵۱
مخلص سیالکوٹی ۲۸۶ ، ۳۰۵
مخلص کاشانی (کاشی) ۲۸۶ ، ۳۰۰
مرتضی نظام ، نظام شاہ اول ۲۸۸
مرشد روم (مرشد رومی) : دیکھیے رومی
مرید ہندی (علامہ اقبال) ۱۱۲
مریم[۴] ۱۳۰
مسعود بن ابراہیم غزنوی ، سلطان ۶۵
مسعود بن محمود غزنوی (مسعود غزنوی) ۵۷ ، ۵۹ ، ۶۲
مسعود سعد سلمان لاہوری (مسعود بن سعد بن سلمان) ۴۶ ، ۵۴ ، ۶۲ تا ۶۴
مسعود علی محوی دکنی ، مولانا : دیکھیے محوی دکنی

مسیح (مسیحا) : دیکھیے عیسٰی ؑ
مشتاق ، میر سید علی ۳۱۰
مصطفیٰ ؐ : دیکھیے محمد ؐ
مصلح الدین ، شیخ : دیکھیے سعدی شیرازی
مظاہر مصفا ، ڈاکٹر ۲۳۸
مظہر جانجاناں ، مرزا ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۳۰۷
'مظہر فاطمۃ الزہرا' (طاہرہ بابیہ) ۳۱۲
معتزلہ ۱۳۹
معری ، ابوالعلا ۴۸
معمائی گیلانی ، ملا حسین ۲۹۹
معین الدین چشتی ، خواجہ ۵۴ ، ۸۹
معین الدین محمد زمجی (معین الدین ہروی) ۹۰
معینی ، سید عبدالواحد : دیکھیے عبدالواحد معینی
مغل ۳۰
مقتضی باللہ عباسی ، خلیفہ ۷۷
ملک قمی ، ملا محمد ۲۲۸ ، ۲۸۶ ، ۲۸۸ تا ۲۹۰
مملوک ۱۷۵
منصور (پادشاہ) ۱۸۹
منصور حلاج ۱۶۶
منگول (منگولی) ۲۸ ، ۵۱ ، ۱۷۴
منوچہر زیاری ، فلک المعالی ۵۷
منوچہری دامغانی ، استاد ابوالنجم احمد ۲۷ ، ۳۱ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۵۷ تا ۵۹ ، ۶۶
منہاج سراج ، قاضی ۵۱
موسیٰ ؑ ۱۰۴ ، ۱۱۹ ، ۲۱۷ ، ۲۳۳ ، نیز دیکھیے کلیم
مولانائے روم (مولوی رومی) : دیکھیے رومی
مومن استر آبادی ، میر محمد ۲۸۶ ، ۲۹۹
میر حسن رضوی ، شمس العلماء سید ۱۹

ن

نادر شاہ افشار ۹ ، ۶۱
نادر شاہ غازی ۶۷

ناصر الدین شاہ قاچار ۳۱۲
ناصر خسرو ، ابو معین حکیم حجت علوی قبادیانی ۹ ، ۲۷ ، ۳۱ ، ۴۴ ، ۵۴ ، ۶۰ تا ۶۲
ناصر علی سرہندی ۲۸۶ ، ۳۰۱
نانک ۸۹
نذیر نیازی ، سید ۱۱۸ ، ۱۳۹ ، ۲۳۱
نشاط اصفہانی ، میر سید عبدالوہاب ۳۱ ، ۱۳۰ ، ۳۱۱
نصیر الدین محمود چراغ دہلوی ، شیخ ۲۱۴ ، ۲۱۵
نظام الدین اولیاء دہلوی ، خواجہ ۱۷۵ ، ۲۱۴
نظام شاہ اول ، مرتضیٰ نظام ۲۸۸
نظامی گنجوی ، حکیم ابو محمد الیاس ، جمال الدین ۱۹ ، ۲۸ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۷۷ تا ۸۲ ، ۱۹۲ ، ۲۱۶ ، ۲۲۷ ، ۲۳۵
نظامی ، ملا ۷۹
نظیری نیشاپوری ، حاج ملا محمد حسین ۴۱ ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۷۸ ، ۱۸۶ ، ۲۰۸ ، ۲۲۵ ، ۲۲۸ ، ۲۳۷ تا ۲۴۲ ، ۲۸۷ ، ۲۸۸ ، ۳۲۰
نفیسی ، پروفیسر : دیکھیے سعید نفیسی
نکلسن ، پروفیسر ۱۵ ، ۱۹ ، ۹۳ ، ۱۰۶ ، ۱۱۴
نو افلاطونی ۱۷۹
نوائی خطائی ، میر علی شیر ۱۹۲
نور محمد ، شیخ ۱۶۹ ، ۱۷۲
نوشیروان ۱۳۶ ، ۱۵۶
نولکشور ۱۹۶ ، ۲۳۳ ، ۳۰۱
نیٹشا ۷۸

و

والہ داغستانی ۲۰۰
وحشی بافقی یزدی ، کمال الدین ۲۹ ، ۹۵ ، ۲۱۱ ، ۲۱۷ ، ۲۱۸ ، ۲۲۹
ورڈز ورتھ ۵۸
وزیر الحسن عابدی ، سید ۲۳۵
وصال ، میرزا شفیع ۲۱۸
وکٹوریا ، ملکہ ۱۵۶

ولد ، سلطان : دیکھیے سلطان ولد

ہ

ہاتف اصفہانی ۳۰۹
ہادی حسین ، محمد ۱۶۵
ہارون الرشید عباسی ، خلیفہ ۵۸
ہائنا ۲۵۴
ہلاکو ۳۷
ہلالی چغتائی شیرازی ۲۱۰
ہندی (ہندوستانی) ۲۲۴ ، ۲۳۷

ی

یحییٰ شیرازی ، امام فخر الدین (ابن یمین) ۹۵ ، ۲۱۱ ، ۲۱۵
یزید ۸۹
یمین الدولہ (امیر خسرو) ۱۷۳
یوسف[۴] ۲۶۵ ، ۲۸۶ ، ۲۹۶
یول قلی بیگ : دیکھیے انیسی شاملو

کتب و رسائل

آ

آتشکدۂ آذر ۲۱۷، ۳۱۰
آذر و سمندر (مثنوی) ۲۸۸
آئنہ اسکندری ۱۷۴

ا

اخلاق جلالی ۲۱۶
ادبی دنیا (لاہور) ۴۶، ۴۸، ۱۸۰، ۲۰۲، ۲۲۰
ارداویراف نامہ ۴۸
اردو (کراچی) ۲۰۱، ۲۰۲
اردو زبان پنجاب میں ۵۶، ۱۵۵، ۳۱۱
ارمغان (ماہنامہ) ۲۹۸، ۳۰۴
ارمغان انگشتری ۱۷۵
ارمغان حجاز ۴۲، ۴۳، ۴۸، ۵۹، ۱۰۶، ۱۴۳، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۷، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۱۲، ۲۷۷، ۲۹۸، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۱۸
اسرار خودی (مثنوی) ۱۵، ۱۷، ۲۱، ۳۹، ۴۱، ۸۳، ۸۹، ۹۲، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۶۹، ۱۷۹، ۱۸۶، ۱۹۳، ۲۳۰، ۲۴۲، ۲۵۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۷، ۳۱۸
اسرار و رموز ۴۱، ۱۰۳، ۱۰۶
اسکندر نامہ (نظامی) ۱۹، ۷۷
اسلام اور وطنیت ۷۶
اسلامی تعلیم (لاہور) ۲۵۸
اصطلاحات صوفیہ ۱۵۱

اعجاز خسروی ۱۷۵
افضل الفوائد ۱۷۵
افکار پریشان ۶۷
افکار گرامی ۲۵۵
اقبال (سہ ماہی) ۸۶، ۱۷۱
'اقبال' (عطیہ بیگم) ۳۸، ۱۸۳، ۲۰۱
اقبال اور بیدل ۲۵۵
اقبال اور فارسی شعراء ۶، ۱۲، ۲۳
اقبال ریویو (کراچی) ۱۰۶، ۱۵۹، ۱۷۱، ۲۵۵، ۲۸۳
اقبال لاہوری ۲۷۰
اقبال نامہ ۱۹، ۲۰، ۳۶، ۴۱، ۷۶، ۹۳، ۱۰۱ تا ۱۰۳، ۱۵۵، ۱۶۹، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۹۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۳۱، ۲۳۸، ۲۴۶، ۲۵۳، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۷۶، ۲۸۳، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۹ تا ۳۰۱، ۳۱۵
العلم (کراچی) ۳۱۳
المعارف ۱۱۹
الٰہی نامہ (مثنوی) ۹، ۸۲، ۸۶، ۸۷
امتناع النظیر ۲۸۳
انشائے خسروی ۱۷۵
انعکاسات پریشاں ۱۷۸
انوار اقبال ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۱، ۲۷۱، ۳۱۵، ۳۱۷
انوار سہیلی ۱۹

ب

باقیات اقبال ۱۵، ۳۸، ۷۴، ۱۵۶، ۱۹۸، ۲۵۳، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۱۹، ۳۲۰
بال جبریل ۴۲، ۵۶، ۵۷، ۶۳، ۶۶، ۷۳، ۷۴، ۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۴۹، ۱۵۳، ۱۸۲، ۲۵۱، ۲۷۷، ۲۷۸
بانگ درا ۱۵، ۱۷، ۳۰، ۳۸، ۴۰، ۸۹، ۱۰۶، ۱۵۵، ۱۸۲، ۱۸۷، ۲۱۷، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۴۳ تا ۲۴۵، ۲۵۰، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۷، ۳۱۶، ۳۱۸

بحث و نظر ۹۰ ، ۲۳۷
برہان قاطع ۲۷۳
بقیہ نعتیہ ۱۷۴
بندگی نامہ (مثنوی) ۴۱ ، ۱۹۵
بوستان (مثنوی) ۱۹ ، ۱۵۴ ، ۱۵۷
بہارستان ۱۹۲
بہار عجم ۲۰ ، ۲۸۶ ، ۲۹۹ ، ۳۰۰
بہرام نامہ ۷۷
'بیدل' (عباد اللہ اختر) ۲۵۵ ، ۲۵۶ ، ۲۶۸
بیدل چہ می گوید ۲۵۵
'بیدل دہلوی' ۲۵۵
بیدل و داستان عرفان او ۲۵۵

پ

'پریشان' ۳۱۴
پس چہ باید کرد (مثنوی) ۴۱ ، ۸۳ ، ۱۰۶ ، ۱۴۹ ، ۳۱۳
پنج گنج یا خمسہ (نظامی) ۷۷
پیام مشرق ۱۸ ، ۴۲ ، ۴۳ ، ۴۶ ، ۴۸ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۵۸ ، ۷۸ ، ۸۴ ، ۱۰۱ ، ۱۰۶ ، ۱۴۱ ، ۱۴۹ ، ۱۵۴ ، ۱۸۶ ، ۱۹۳ ، ۱۹۸ ، ۲۱۲ ، ۲۱۹ ، ۲۲۸ ، ۲۳۴ ، ۲۴۲ ، ۲۴۸ ، ۲۵۴ ، ۲۶۰ ، ۲۷۸ ، ۲۹۸ ، ۳۱۸

ت

تاریخ ادبیات (براؤن) ۱۷۸ ، ۲۲۰
تاریخ ادبیات در ایران ۶۴
تاریخ اقوام کشمیر ۲۴۸
تاریخ حسن ۲۴۶
تاریخ زبان و ادبیات ایران در خارج ۳۷
تاریخ علائی ۱۷۵
تاریخ نظم و نثر فارسی در ایران و در زبان فارسی ۹۰
تجربۃ العلم (مثنوی) ۶۶
تحفۃ الاحرار ۱۹۳ ، ۱۹۴
تحفۃ الصغر ۱۷۴

تحفۃ العراقین (مثنوی) ۷۵ تا ۷۷
تذکرۂ آتشکدہ : دیکھیے آتشکدۂ آذر
تذکرۃ الاولیاء ۸۲
تذکرۃ الشعراء (دولت شاہ سمرقندی) ۶۵
تذکرۃ الشعراء فرخ آبادی ۲۹۸
تذکرۂ خزانہ عامرہ ۲۶۹
تذکرۂ ریاض الشعراء ۲۰۰
تذکرۂ طالب آملی ۲۹۴
تذکرۂ مجمع النفائس ۲۶۹
تذکرۂ نصر آبادی ۲۱۷، ۲۹۸، ۳۰۰
ترجمان خودی ۸۲، ۱۷۳
ترجمہ منظوم چہل حدیث ۱۹۳
تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ۱۵۱
تصوف وجودیہ ۴۷
تغلق نامہ ۱۷۴
تفسیر سورہ فاتحہ (محمود شبستری) ۱۶۲
تفسیر قرآن (سواطع الالہام) ۲۳۵
تفسیر کشف الاسرار و وعدۃ الابرار ۹۲
تقویت الایمان ۲۸۳
توزک جہانگیری ۲۹۴

ج

جام جم (مثنوی) ۲۱۲
'جامی' (طبع تہران) ۱۹۲
جاوید نامہ ۹، ۲۱، ۳۱، ۴۳، ۴۷، ۴۸، ۶۰، ۶۲، ۸۲، ۸۳، ۱۰۶، ۱۴۲، ۱۵۶، ۲۱۴، ۲۴۶، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۵، ۳۱۳
جاوید نامہ پر ایک نظر ۴۸
جرنل آف دی ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۲۰۲
جستجو در احوال و آثار عطار نیشاپوری ۸۲

چ

چهار مقاله ۶۲

ح

حدیقة الحقیقة و شریعت الطریقة (مثنوی) ۶۶
حرف اقبال ۷۶ ، ۳۱۳
حسن گلو سوز (مثنوی) ۲۸۸
حضور ملت ۲۱۲
حیرت زار ۲۵۵

خ

خرد نامه اسکندری ۱۹۳
خریطهٔ جواہر (مظہر) ۳۰۷
خزانه عامره (تذکره) ۲۶۹
خسرو و شیرین ۷۷
خطوط غالب ۲۷۳
خطوط و تحریرات اقبال (انگریزی) ۲۷۱
خلد بریں (مثنوی) ۲۱۸
خمسهٔ نظامی (پنج گنج) ۷۷ ، ۱۷۴ ، ۲۲۵
خوان خلیل ۲۹۰
خیرالمجالس ۱۱۴

د

داد سخن ۲۶۹
دانای راز ۵۳
درسیات اقبال ۳۴
دستنبو ۲۷۳
دول رانی خضر خان ۱۷۴
دیوان ابن فارض ۱۳۷
دیوان انوری ۷۲
دیوان جامی ۱۹۲
دیوان جمالی دہلوی ۲۱۷

دیوان حافظ ۴۴ ، ۱۷۸ ، ۱۷۹ ، ۱۸۳
دیوان خواجه اجمیری (فارسی) ۹۰
دیوان سحابی ۲۲۰
دیوان سلطان ولد ۱۰ ، ۱۱ ، ۶۵
دیوان سنائی غزنوی ۶۶
دیوان شمس تبریزی ۱۰۱
دیوان صائب ۲۵۰ ، ۲۵۱
دیوان طالب آملی ۲۹۴
دیوان طاهره ۳۱۲
دیوان ظهوری ۲۸۹
دیوان عرفی ۲۳۰ ، ۲۳۳
دیوان عطار ۸۲
دیوان غزالی ۲۸۷
دیوان غنی ۲۴۵
دیوان فغانی ۲۰۱
دیوان قاآنی ۳۱۴
دیوان قطران تبریزی ۹۱
دیوان کبیر ۴۱ ، ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۶ ، ۱۱۴ ، ۱۳۵
دیوان کمال مسعود خجندی ۲۱۶
دیوان مسعود سعد سلمان ۶۳
دیوان مظهر جانجاناں ۳۰۷
دیوان منو چهری ۵۸
دیوان ناصر خسرو ۶۱
دیوان ناصر علی ۳۰۱
دیوان نظیری ۲۳۸
دیوان وحشی بافقی ۲۱۸

ڈ

ڈیوائن کامیڈی ۴۸

ذ

ذره و خورشید (مثنوی) ۲۸۸

ر

راوی (صد ساله اقبال نمبر) ۱۹
رباعیات سحابی ۲۲۰
رباعیات عمر خیام ۲۲۰
رسالة التوابع و الزوابع ۴۸
رسالة الغفران ۴۸
رساله در احوال و آثار مولانا جلال الدین محمد ۱۰۳
رساله نفسیه ۲۳۰
رسائل ابن عربی ۴۸
رموز بے خودی (مثنوی) ۳۹ ، ۴۱ ، ۱۵۱ ، ۱۶۹ ، ۱۹۴ ، ۲۰۰ ، ۲۸۹ ، ۳۱۶ ، ۳۱۸
روح بیدل ۲۵۵ ، ۲۶۷ تا ۲۶۹
'رومی عصر' ۳۱ ، ۳۲ ، ۲۲۷
ریاض الشعراء ، تذکره ۲۰۰
ریاض العارفین ۹۲

ز

زاد المسافرین ۶۰
زبور عجم ۷ ، ۲۱ ، ۴۱ ، ۴۳ ، ۴۵ ، ۴۶ ، ۱۰۶ ، ۱۶۳ ، ۱۷۵ ، ۱۸۶ ، ۲۲۸ ، ۲۴۲ ، ۳۰۶ ، ۳۱۸

س

ساقی نامه (اقبال) ۵۳ ، ۲۹۱
ساقی نامه (حافظ) ۱۷۸
ساقی نامه (ظهوری) ۴۱ ، ۱۶۹ ، ۲۸۹ ، ۲۹۰
سبحة الابرار ۱۹۳ ، ۱۹۴
سبک خراسانی در شعر فارسی ۵۲ ، ۶۳ ، ۳۰۹
سبک شناسی ۲۲۳
سخنان خواجه پارسا نقشبندی ۱۹۳
سرو آزاد (تذکره) ۲۹۸ ، ۳۰۰
سعادت نامه ۱۶۲
سفر نامه خسرو ۶۰

سلامان و ابسال ۱۹۳
سلسلة الذهب ۱۹۳
سلیمان نامه (مثنوی) ۲۸۸
سواطع الالهام ۲۳۵
سوانح عمری ناصر خسرو ۶۰
سوانح مولانائے روم ۱۰۱
سه نثر (رساله) ۲۸۹
سیر افغانستان ۶۶
سیر العارفین (تذکره) ۲۱۷
سیر العباد الی المعاد (مثنوی) ۴۸ ، ۶۶
سیر سخن ۵۲

ش

شاهنامه ۵۵ ، ۵۶
شرح احوال و نقد و تحلیل آثار شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری ۸۲
شرح سودی ۱۷۸
شرح فصوص الحکم ۱۹۲
شرح قصیده تائیه ۱۹۲
شعر اقبال ۱۹ ، ۲۹۰
شعر العجم ۲۰۰
شعر ناب ۲۱۰ ، ۲۵۹
شعر و ادب فارسی ۷۹ ، ۲۲۱
شعلهٔ دیدار (مثنوی) ۲۸۸
شکوه ۲۶۳
شیرین خسرو ۱۷۴ ، ۱۷۶
شیرین و خسرو ۱۷۶

ص

صائف السلوک ۲۱۴
صحیفه (سه مابی) ۲۰
صحیفه (اقبال نمبر) ۱۷۹ ، ۲۵۶ ، ۲۹۷ ، ۲۹۹ ، ۳۰۵ ، ۳۰۶ ، ۳۱۷
صحیفه (غالب نمبر) ۲۷۲

ض

ضرب کلیم ۷۵ ، ۷۶ ، ۸۰ ، ۱۰۶ ، ۱۴۳ ، ۲۶۱ ، ۲۹۴ ، ۳۰۲ ، ۳۱۳

ط

طبقات الصوفیه ۹۲
طریق التحقیق (مثنوی) ۶۶
طور معرفت (مثنوی) ۲۶۷

ع

'عبدالقادر بیدل' (صدر الدین عینی) ۲۵۵
عشاق نامه (مثنوی) ۱۵۱
عشق نامه (سیر العباد الی‌المعاد) ۶۶
عقل نامه (غریب نامه) ۶۶
علم الاقتصاد ۳۸ ، ۱۰۱

غ

غارتگران ایمان ۳۱۳
'غالب' (ڈاکٹر خورشید الاسلام) ۲۶۸ ، ۲۹۵
غالب نامه ۲۷۱
غایة المکان فی درایة الزمان (فارسی) ۱۵۱
غرة الکمال ۱۷۴
غریب نامه (مثنوی) ۶۶
غزلهای حافظ ۱۸۶
غزلیات عرفی ۲۳۴
غنی کشمیری ، احوال و آثار و سبک اشعار ۲۴۵

ف

فاران (کراچی) ۴۳
فتوحات مکیه (الفتوحات المکیه) ۴۸
فرهاد و شیرین (مثنوی) ۲۱۸
فرهنگ ایران زمین ۶۰
فکر اقبال ۱۰۳ ، ۱۶۵ ، ۱۸۳
فکر و نظر (اسلام آباد) ۱۰۱

فیض قدس ۲۵۵
فیہ مافیہ ۱۰۱ ، ۱۰۶

ق

قران السعدین ، ۱۷۴ ، ۱۷۵
قرآن مجید ۳۳ ، ۴۰ ، ۶۹ ، ۱۰۲ ، ۱۰۷ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۲۳ ، ۱۴۱ ، ۱۴۲ ، ۱۵۲ ، ۱۶۶ ، ۲۳۵ ، ۲۶۵ ، ۲۸۵
قصیدہ خمریہ میمیہ ۱۳۷

ک

کارنامہ بلخ ۶۶
کلیات اوحدی مراغہ ای ۲۱۳
کلیات بیدل ۲۵۵ ، ۲۵۶
کلیات جامی ۱۶۶
کلیات جویا تبریزی ۳۰۲ ، ۳۰۳
کلیات سعدی ۱۵۷ ، ۱۹۴
کلیات شیخ عراقی ۱۵۰ ، ۱۵۱
کلیات صائب تبریزی ۲۵۲
کلیات طالب آملی ۲۹۵
کلیات فیضی ۲۳۵
کلیات قاآنی ۳۱۶
کلیات کلیم کاشانی ۲۴۴
کلیات مسعود سعد سلمان ۶۴
کلیات نظیری ۲۳۸

گ

گفتار اقبال ۲۰ ، ۴۲ ، ۱۶۲ ، ۲۷۱ ، ۲۷۷
گل لالہ کی ادبی روایت اور اقبال ۲۰۲
گلزار ابراہیم ۲۹۰
گلستان (سعدی) ۱۹ ، ۱۵۴ ، ۱۵۶ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۳۱۴
گلشن راز (شیخ محمود) ۳۲ ، ۴۱ ، ۴۲ ، ۸۴ ، ۱۶۲ ، ۱۶۳ ، ۱۶۵
گلشن راز جدید (اقبال) ۳۴ ، ۴۱ ، ۴۳ ، ۸۲ ، ۸۴ ، ۱۰۲ ، ۱۵۳ ، ۱۶۲ ، ۱۶۳ ، ۱۶۵ ، ۱۶۸

گنجینه ۳۱۱

ل

لالهٔ طور ۴۲
لائف اینڈ ورکس آف بیدل (انگریزی) ۲۵۵
لباب الالباب ۵۱
لطائف اشرفی ۱۷۸
لطیفه غیبی (لطائف غیبی) ۱۷۸
لمعات ۱۵۱
لیلیٰ مجنون (امیر خسرو) ۱۷۴
لیلیٰ و مجنون (جامی) ۱۹۳
لیلیٰ و مجنون (نظامی) ۷۷، ۸۰، ۲۳۵

م

ماه نو (کراچی) ۴۳، ۱۰۲، ۱۶۶
مباحث برسبک خراسانی در فارسی ۴۶
مثنوی اسرار خودی : دیکھیے اسرار خودی
مثنوی بو علی قلندر پانی پتی ۴۱، ۱۶۹
مثنوی تحفة العراقین : دیکھیے تحفة العراقین
مثنوی جاوید نامه : دیکھیے جاوید نامه
مثنوی حدیقه ۶۶
مثنوی رموز بے خودی : دیکھیے رموز بے خودی
مثنوی رومی (مولانا روم) ۴۱، ۶۶، ۹۳، ۱۰۰ تا ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۳۴، ۱۴۷، ۱۶۹، ۲۱۶، ۲۲۵
مثنوی گلشن راز جدید : دیکھیے گلشن راز جدید
مثنوی مسافر ۴۱، ۴۳، ۵۶، ۶۸، ۶۹، ۹۱، ۱۰۶، ۱۲۸، ۱۸۶، ۲۵۲
مثنوی معنوی : دیکھیے مثنوی رومی
مثنوی مهر و ماه ۲۱۷
مثنوی هفت پیکر ۷۸، ۲۳۵
مجله دانشکده ادبیات تبریزی ۳۰۴
مجمع النفائس (تذکره) ۲۶۹
محمود و ایاز (مثنوی) ۲۸۸

محیط اعظم ۲۶۷
مخزن الاسرار ۷۷
مخمسات قاآنی ۳۱۵
مرکز ادوار (مثنوی) ۲۳۵
مشاہیر کشمیر ۲۴۸
مصیبت نامہ ۹ ، ۸۵
مطلع الانوار ۱۷۴
معارف (اعظم گڑھ) ۳۱۹
معارف اسلامی (تہران) ۱۷۱ ، ۱۹۱
معانی حافظ ۱۷۸
مفتاح العاشقیہ ۲۱۴
مفتاح الفتوح ۱۷۴
مقالات اقبال ۵۶ ، ۷۴ ، ۷۶ ، ۹۱ ، ۱۵۵ ، ۱۵۶ ، ۱۸۲ ، ۲۲۰ ، ۲۶۳ ، ۲۹۷ ، ۳۰۰ ، ۳۰۵ ، ۳۱۱
مقامات حمیدی ۷۳
مکاتیب اقبال بنام گرامی (مکتوبات بنام گرامی) ۱۹ ، ۲۰ ، ۴۵ ، ۲۱۴ ، ۲۳۴ ، ۳۱۷ ، ۳۱۸ ، ۳۲۰
مکاتیب بنام حسن نظامی ۲۷۶
مکاتیب بنام سید سلیمان ندوی ۲۹۰
مکتب وقوع در شعر فارسی ۲۹ ، ۲۲۳
مکتوبات اقبال ۱۱۸ ، ۱۳۹ ، ۲۳۱
مکتوبات رومی ۱۰۶
مکتوبات فیضی ۲۳۵
ملفوظات بایزید بسطامی (عربی) ۴۸
مناقب العارفین ۱۰۱ ، ۱۴۴
مناقب خواجہ عبداللہ انصاری ۱۹۳
مناقب مولانائے روم ۱۹۳
منتخب التواریخ ۲۸۹
منشورات اقبال ۸۵
منطق الطیر (مثنوی) ۹ ، ۴۸ ، ۸۲ ، ۸۳ ، ۸۵
منطق الطیر جدید ۸۲

منطق العشاق ۲۱۲
مواعظ (رومی) ۱۰۶
مہر (تہران) ۶۴
مئے باقی ۴۳ ، ۱۸۶
میخانہ (مثنوی) ۲۸۸
میخانہ (ملا عبدالغنی) ۲۹۰
میلاد آدم ۲۳۶ ، ۲۳۷

ن

نتائج الافکار ۳۰۰
نفحات الانس ۱۹۲ ، ۱۹۳
نقش فرنگ ۲۱۲ ، ۲۳۴
نل دمن (مثنوی) ۲۳۵
نورس درفن موسیقی (رسالہ) ۲۸۹ ، ۲۹۰
نہ سپہر ۱۷۴
نہایۃ الکمال ۱۷۴
نیرنگ خیال (اقبال نمبر) ۴۸

و

وسط الحیات ۱۷۴

ہ

ہشت بہشت ۱۷۴
ہفت پیکر (مثنوی) ۷۸
ہلال (ماہنامہ) ۲۰۲
ہنر و مردم (ماہنامہ) ۲۵۵ ، ۳۰۲

ی

یادگار غالب ۲۶۸
یک چمن گل ۴۶
یوسف و زلیخا (جامی) ۱۹۳ ، ۱۹۴

اماکن (اسمائے جغرافی)

آ

آب رکنا باد ۱۸۶
آذر بائجان ۲۷ ، ۲۸ ، ۷۵ ، ۹۵
آگرہ ۲۴۳ ، ۲۷۲
آمل (نواح مازندران) ۲۹۴

ا

احمد آباد (گجرات) ۲۳۸ ، ۲۸۷ تا ۲۸۹
استر آباد (گرگان) ۲۱۹
اسلام آباد ۱۲ ، ۲۴ ، ۱۰۱
اصفہان ۲۸ ، ۳۰ ، ۶۱ ، ۹۵ ، ۲۲۳ ، ۲۴۹ ، ۲۵۰ ، ۳۰۴ ، ۳۰۹
اعظم گڑھ ۳۱۹
افرنگ : دیکھیے فرنگ
افغانستان ۳۰ ، ۵۲ ، ۵۶ ، ۶۶ ، ۱۷۴ ، ۱۹۲ ، ۲۵۵ ، ۲۷۴
امرتسر ۲۴۶
امریکہ ۳ ، ۱۸ ، ۲۷۴ ، ۳۱۸
انقرہ ۱۴۴
ایٹہ ۱۷۴
ایران ۱۹ ، ۲۵ ، ۲۷ تا ۳۰ ، ۳۷ ، ۵۱ ، ۵۵ ، ۵۷ ، ۶۲ ، ۶۴ ، ۷۹ ، ۸۲ ، ۹۵ ، ۱۰۰ ، ۱۴۸ ، ۱۶۷ ، ۱۷۴ ، ۱۷۸ ، ۲۲۱ ، ۲۲۳ ، ۲۴۹ ، ۲۵۰ ، ۲۵۵ ، ۲۷۴ ، ۲۸۷ ، ۳۰۹ ، ۳۱۵ ، ۳۱۶

آیشیا ۱۸۰ ، ۲۹۴

ب

بخارا ۱۸۳ ، ۲۹۸
بدر ۱۳۷ ، ۱۴۱
برصغیر (پاک و ہند/ہند و پاکستان) ۶ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۲۶ ، ۲۹ تا ۳۱ ، ۳۶ ، ۳۸ ، ۵۱ ، ۶۲ ، ۸۲ ، ۹۰ ، ۹۵ ، ۱۵۵ ، ۱۷۴ ، ۲۱۱ ، ۲۲۳ ، ۲۲۴ ، ۲۲۶ ، ۲۲۹ ، ۲۳۵ ، ۲۴۳ ، ۲۴۹ ، ۲۵۴ ، ۲۵۶ ، ۲۷۲ ، ۲۷۴ ، ۲۸۷ ، ۲۹۴ ، ۲۹۶ ، ۲۹۸ ، ۳۰۵ ، ۳۰۹ ، ۳۱۶
برطانیہ ۳ ، ۲۷۴
برہانپور ۲۸۷
بطحا ۶۷ ، ۶۸
بغداد ۱۰۳
بلخ ۶۶ ، ۷۳ ، ۱۰۳
بنارس ۳۰۵
بنگال ۲۹۶
بھوپال ۲۹۴
بیجاپور ۲۸۸ ، ۲۸۹

پ

پارس (فارس) ۲۹
پاکستان ۱۱ ، ۳۶ ، ۲۲۳ ، ۲۵۵ ، ۲۷۴
پاک و ہند ، برصغیر : دیکھیے برصغیر
پٹنہ ۲۵۴
پٹیالی (ضلع ایٹہ) ۱۷۴
پنجاب ۲۷۵ ، ۳۱۱

ت

تاتار (تتار) ۲۲۹ ، ۲۳۲
تبریز ۲۷ ، ۲۸ ، ۳۰ ، ۳۷ ، ۱۴۸ ، ۱۶۴ ، ۱۶۵ ، ۲۰۱ ، ۲۴۹ ، ۳۰۲ ، ۳۰۴

ترشیز ۲۸۹
ترکستان ۲۷، ۵۱
ترکی ۱۰۰، ۱۰۳
تہران ۳، ۴، ۱۰ تا ۱۲، ۲۴، ۲۵، ۲۸، ۶۱، ۶۴، ۶۵، ۸۲، ۹۳، ۱۶۲، ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۸۶، ۱۹۱، ۱۹۲، ۲۲۳، ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۹۴، ۳۰۲، ۳۱۱

ج

جام (خراسان) ۱۹۱
جرمنی ۳
جموں ۲۴۶
جنیوا ۲۴۷
جیحوں ۱۰۹

ح

حجاز ۵۹، ۲۰۷
حرم ۲۲۹، ۲۳۳
حلب ۱۰۴
حنین ۱۳۷
حیدر آباد دکن ۲۴۳، ۲۴۹، ۲۸۹، ۲۹۶

خ

خراسان ۲۷، ۲۸، ۵۱، ۱۹۱، ۲۹۸
خیبر ۱۳۷

د

دامغان ۵۷
دجلہ ۳۱۴
دکن ۲۴۳، ۲۴۹، ۲۸۹، ۲۹۹
دلی : دیکھیے دہلی
دمشق ۱۵۱

دہک (قلعہ) ۶۲
دہلی (دلی) ۲۹ ، ۶۰ ، ۱۹۱ ، ۲۵۴ ، ۲۷۳ ، ۲۷۵ ، ۲۷۷
دیو بند ۱۸۶

ر

رام پور ۱۵۱
راولپنڈی ۲۱۷
رکناباد ۱۸۶
روس ۵۲ ، ۷۸ ، ۱۷۴ ، ۲۵۵ ، ۲۷۴
روم ۱۰۳ ، ۱۰۴ ، ۱۴۹ ، ۱۵۰ ، ۲۷۴
رومۃ الکبریٰ ۷۴
رے ۲۸ ، ۹۵

ز

زندہ رود (زایندہ رود) ۶۱

س

سجز (سگز) ۸۹
سد سکندری ۱۷۲
سرینگر ۲۴۳ ، ۲۴۵
سمرقند ۱۸۳
سو (قلعہ) ۶۲
سومنات ۳۷
سیالکوٹ ۲۷۵
سیستان (سگزستان) ۸۹
سینا ۹۸ ، ۱۰۴

ش

شام ۳۷ ، ۱۴۹ ، ۱۵۱ ، ۲۰۷
شروان ۷۵
شیراز ۲۸ ، ۲۹ ، ۱۷۸ ، ۱۸۱ ، ۲۰۱ ، ۲۳۰ ، ۲۴۳ ، ۲۷۵ ، ۲۷۹

ص

صفاہان : دیکھیے اصفہان

ط

طور ۱۹۷ ، ۲۳۳ ، ۲۴۴
طوس ۵۵ ، ۵۶

ع

عجم ۱۸ ، ۵۷ ، ۱۲۱ ، ۱۴۸ ، ۱۸۶ ، ۱۹۲ ، ۲۳۱ ، ۲۴۷ ، ۳۱۹
عراق ۹۵ ، ۲۰۷
عراق عجم ۲۸ ، ۹۵
عرب ۱۸ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ۷۶ ، ۸۴ ، ۸۹ ، ۱۲۱ ، ۱۵۰ ، ۱۵۲ ، ۱۹۲ ، ۱۹۳
عظیم آباد (پٹنہ) ۲۵۴

غ

غزنی (غزنین) ۵۵ تا ۵۷ ، ۶۶ ، ۹۱

ف

فارس ۲۹ ، ۳۰
فتح پور سیکری ۲۲۹
فرنگ (فرنگستان) ۳۵ ، ۱۲۷ ، ۱۴۷ ، ۱۵۹ ، ۱۸۷ ، ۱۹۱ ، ۱۹۷ ، ۲۷۴

ق

قائن (ترشیز) ۲۸۹
قزوین ۳۰ ، ۳۱۱ ، ۳۱۲
قونیہ ۲۹ ، ۱۰۳ ، ۱۵۰ ، ۱۶۸

ک

کابل ۱۹۱ ، ۲۴۹ ، ۲۵۲
کاشان ۲۳۸ ، ۲۴۳
کراچی ۴۳ ، ۱۰۲ ، ۱۰۶ ، ۱۶۶ ، ۲۰۱ ، ۲۵۵ ، ۲۹۴ ، ۳۱۳

کشمیر (کاشمر) ۵۴ ، ۸۴ ، ۱۶۱ ، ۱۷۵ ، ۲۴۳ ، ۲۴۵ ، ۲۴۶ ، ۲۴۸ ، ۲۴۹ ، ۳۰۲
کعبہ ۳۵ ، ۱۲۲ ، ۲۰۵ ، ۲۲۹ ، ۲۵۷ ، ۲۹۷
کوفہ ۳۷ ، ۲۰۷

گ

گجرات (ہند) ۲۳۸ ، ۲۸۷
گرگان ۲۱۹

ل

لارندہ ۱۰۳
لاہور ۲۰ ، ۲۳ ، ۳۸ ، ۴۶ ، ۴۸ ، ۶۰ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۷۳ ، ۸۵ ، ۱۷۱ ، ۱۷۵ ، ۱۸۰ ، ۲۰۲ ، ۲۲۹ ، ۲۳۵ ، ۲۵۸ ، ۲۶۷ ، ۲۹۶ ، ۳۰۷ ، ۳۱۳ ، ۳۱۷
لکھنؤ ۳۰۱ ، ۳۱۷
لندن ۱۵ ، ۲۳ ، ۳۸
لہانور/لہاوور : دیکھیے لاہور

م

مازندران ۲۹۴
ماسکو ۱۷۶
ماوراء النہر ۲۷ ، ۵۱
مدینہ ۱۹۷
'مزارات الشعراء' (سرینگر) ۲۴۳
مشہد ۵۱ ، ۲۰۱ ، ۲۹۶
مصر ۲۴۲
مکہ مکرمہ ۱۰۳
ملاطیہ ۱۰۳
ملتان ۱۵۰ ، ۱۷۵

ن

نائے (قلعہ) ۶۲
نجد ۲۳۱

نجف اشرف ۱۹۵ ، ۱۹۷ ، ۲۱۹ ، ۲۲۳ ، ۲۲۹ ، ۳۱۲
نیشاپور (نشابور) ۱۰۳ ، ۲۲۳ ، ۲۳۸

و

وادیٔ ایمن ۱۸۴
وادیٔ جموں و کشمیر ۲۴۶
وسط ہند ۲۴۵
ولایت ۳۹

ہ

ہرات ۲۹ ، ۹۲ ، ۱۹۲ ، ۲۰۱ ، ۲۹۸
ہمدان ۶۲ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ ، ۲۴۳
ہند (ہندوستان) ۳۶ ، ۳۷ ، ۶۱ ، ۷۹ ، ۱۶۷ ، ۱۷۰ ، ۲۱۱ ، ۲۲۳ ، ۲۲۸ ، ۲۲۹ ، ۲۴۵ ، ۲۴۷ ، ۲۵۵ ، ۲۷۱ ، ۲۷۴ ، ۲۸۷ ، ۳۰۰ ، ۳۰۷ ، ۳۱۵
ہند و پاکستان ، برصغیر : دیکھیے برصغیر

ی

یثرب ۲۳۱
یزد ۲۱۷ ، ۲۸۹ ، ۳۰۴
یمن ۲۴۲
یورپ ۱۸ ، ۳۸ ، ۱۸۳ ، ۲۲۰ ، ۳۱۸
یونان ۷۶

اشاریہ ساز : اشفاق انور

حروف تہجی کے اعتبار سے کتاب میں مذکور ۶۹ فارسی شعراء کے اسماء

شمارہ		صفحہ کتاب
۱-	آذر اصفہانی	۳۱۰
۲-	انیسی شاملو	۲۸۷
۳-	انوری ابیوردی	۱۷
۴-	اوحدی مراغی	۲۱۲
۵-	اوحد الدین کرمانی	۹۲
۶-	بیدل	۲۵۴
۷-	جامی	۱۹۱
۸-	جمالی دہلوی	۲۱۶
۹-	جلال اسیر	۲۹۵
۱۰-	جویا تبریزی کشمیری	۳۰۲
۱۱-	چراغ دہلوی	۲۱۴
۱۲-	حافظ شیرازی	۱۷۸
۱۳-	حسین گیلانی	۲۹۹
۱۴-	حزین لاہیجی	۳۰۵
۱۵-	خاقانی شروانی	۷۵
۱۶-	خسرو دہلوی	۱۷۳
۱۷-	خواجہ انصاری ہراتی	۹۲
۱۸-	راسخ سرہندی	۳۰۶
۱۹-	راقم مشہدی	۳۰۰
۲۰-	رضی دانش	۲۹۶
۲۱-	رومی، مولانا جلال الدین	۱۰۰

شماره		صفحه کتاب
۲۲-	سحابی استرآبادی	۲۱۹
۲۳-	سعدی شیرازی	۱۵۴
۲۴-	سنائی غزنوی	۶۴
۲۵-	صائب تبریزی	۲۴۹
۲۶-	طاهره ، قرةالعین	۳۱۱
۲۷-	طغرا مشهدی	۳۰۰
۲۸-	طالب آملی	۲۹۴
۲۹-	ظهوری ترشیزی	۲۸۹
۳۰-	عرشی یزدی	۲۱۷
۳۱-	عطار نیشاپوری	۸۲
۳۲-	عرفی شیرازی	۲۲۹
۳۳-	عراقی همدانی	۱۵۰
۳۴-	عزیز لکهنوی	۳۱۷
۳۵-	عزت بخاری	۲۹۸
۳۶-	غالب دهلوی	۲۷۲
۳۷-	غنی کشمیری	۲۴۵
۳۸-	غزالی مشهدی	۲۸۷
۳۹-	فرخی سیستانی	۹۰
۴۰-	فرج ترشیزی	۲۹۷
۴۱-	فردوسی طوسی	۵۵
۴۲-	فغانی شیرازی ، بابا	۲۰۰
۴۳-	فوقی یزدی	۲۹۹
۴۴-	فیضی اکبر آبادی	۲۳۵
۴۵-	قاآنی شیرازی	۳۱۴
۴۶-	قدسی مشهدی	۲۹۶
۴۷-	قطران تبریزی	۹۱
۴۸-	قلندر پانی پتی	۱۶۸
۴۹-	کلیم کاشانی	۲۴۳
۵۰-	کمال خجندی	۲۱۶
۵۱-	گرامی ، غلام قادر جالندهری	۳۱۷
۵۲-	معین الدین چشتی ، حضرت خواجه	۸۹
۵۳-	مخلص کاشی	۳۰۰
۵۴-	مخلص سیالکوٹی	۳۰۵
۵۵-	ملک قمی	۲۸۸
۵۶-	مومن استرآبادی	۲۹۹
۵۷-	محسن تاثیر	۳۰۴
۵۸-	محمود شبستری	۱۲۶

شماره		صفحه کتاب
۵۹- مشعود سعد سلمان	. . .	۶۲
۶۰- مظهر جانجانان	. . .	۳۰۷
۶۱- منوچهری دامغانی	. . .	۷۵
۶۲- محوی دکنی	. . .	۳۱۷
۶۳- ناصر خسرو	. . .	۶۰
۶۴ ناصر علی سرهندی	. . .	۳۰۱
۶۵- نشاط اصفهانی	. . .	۳۱۱
۶۶- نظامی گنجوی	. . .	۷۷
۶۷- نظیری نیشاپوری	. . .	۲۳۸
۶۸- وحشی بافقی	. . .	۲۱۸
۶۹- یحییٰ شیرازی	. . .	۲۱۵

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۳	۷	پیعام	پیام
۴۴	۱۱	رومی	رومی
۴۷	۱۴	سکے	مل سکے
۴۸	۶	مصرمی	مصری
۷۱	۱	۴	۶
۷۱	۵	رومی	رزمی
۸۰	۱۲	خائی	جائی
۱۱۱	۲۲	جانان	جانان ہود
۱۴۶	۱۰	بگود	بگور
۱۵۸	۱۹	انیکہ	اینکہ
۱۶۹	۱۳	دکھا کہ	دکھا کر
۱۸۳	۲۰	خواجہ	خلیفہ
۱۹۴	۲۴	زاد	داد
۲۱۶	۲۱	اقبال نمبر	اقبال نامہ

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۲۲۸	۱۶	قدس	قدسی
۲۳۱	۳	موضات	موضوعات
۲۳۵	۴	این	ابن
۲۳۶	۳	قبل	نقل
۲۴۲	۱۳	غرل	غزل
۲۴۲	۱۴	نرفیتم	نرفتیم
۲۴۲	۱۵	گشیتم	گشتیم
۲۴۴	۲۲	ذون	ذوق
۲۴۷	۱۰	فقرا	فقر
۲۸۶	۱۵	استهشادات	استشهادات
۲۸۷	۹	محطوطات	مخطوطات
۳۰۶	۴	استشحاد	استشهاد
۳۱۹	۵	اور	او